1920

اسلام اور مسیحیت

ذخیرہ

مولفہ

جناب مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

★

جمعیۃ اہلحدیث • لاہور

Marfat.com

59892

ناشر ——— محمد رمضان ناظم جمعیتہ اہل حدیث لاہور

طبع ——— بار دوم

تعداد ——— ۱۲۰۰

مطبع ——— دین محمدی پریس لاہور

قیمت ——— دو روپے آٹھ آنے

شوال ۱۳۷۹ھ
اپریل ۱۹۶۰ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریب

جناب مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب مرحوم امرتسری نے نصف صدی سے زائد عرصہ اسلام کی جو جلیل القدر تبلیغی خدمات سرانجام دی تھیں، ان میں ان کا کوئی معاصر شخص تو کیا کوئی بڑا ادارہ بھی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

آپ کی تبلیغ کا خاص موضوع یہ تھا کہ اسلام، قرآن یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر کسی بھی قسم کے اعتراض اور حملہ کا دفاع کیا جائے۔

ابتداءً مسیحیت نے سیاسی اغراض کے لیئے اسی قسم کا غیر معقول بلکہ دل آزار سلسلہ برصغیر ہند و پاک میں شروع کیا تھا۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی آریوں نے اس کو مشغلہ بنا لیا اور اپنے سیاسی مقاصد کے لیئے اس کا عام استعمال شروع کردیا، ادھر مسلمان کچھ اپنی غفلت کچھ اپنی گوناگوں پریشانیوں میں مبتلا ہونے کے باعث اس طرف عموماً توجہ نہیں دے رہے تھے۔ سارے برصغیر میں مولانا مرحوم گویا تنہا تھے جن کے ہاتھ میں اسلام کی دفاعی کمان تھی اور اکیلے ہی اس فرضِ کفایہ سے عہدہ برا ہو رہے تھے اور بحمداللہ اس مقدس مشن میں کامیاب تھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیدا ہی اسی لیئے کیا تھا۔

آریہ پرچارک اور عیسائی مشنری عام طور پر اسلام کے خلاف کوئی نہ کوئی کتاب یا رسالہ وقتاً فوقتاً شائع کراتے رہتے تھے جس کا انداز اکثر اشتعال انگیز اور دل خراش ہوتا۔ لیکن مولانا مرحوم ہر ایسی اہم کتاب یا رسالے پر نہایت ہی سنجیدگی اور متانت سے تنقید لکھ ڈالتے اور وہ جواب ایسا ہوتا جو اپنوں ہی نہیں بیگانوں میں بھی وقعت سے دیکھا جاتا اور پسندِ عام کی سند حاصل کرتا۔

پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے سے قبل کے دس سال ہندوستانی مسلمانوں کے لیئے بڑے

Marfat.com

پُرآشوب تھے مسلمان من حیث القوم اپنی سیاسی قوت کے حصول کے لئے جدوجہد میں منہمک تھے جو فیصلہ کن مراحل میں داخل ہو رہی تھی۔ مسلمانوں کی اس قومی مصروفیت کو شاید مسیحی مشنریوں نے غنیمت جانا اور انہوں نے اسلام، قرآن اور حامل قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر تنقیدی کتابوں کا سلسلہ بھی تیز کر دیا۔ ان ہنگامہ خیز حالات میں مولانا مرحوم تھے کہ ان کو تبلیغ کی دھن تھی۔ آپ نے فوراً دفاعی کمان سنبھالی، قلم ہاتھ میں لیا اور ہر معترضانہ کتاب کا احسن طریقہ سے ترکی بہ ترکی جواب لکھ کر شائع کرا دیا۔

"اسلام اور مسیحیت" اور "جواباتِ نصاریٰ" دو کتابیں اسی دور کی یادگار ہیں۔ جن میں مسیحی مبلغین صاحبان کی تقریباً نصف درجن کتابوں کا جواب آ گیا ہے۔

اوپر کی سطور میں مسلمانوں کی جس قومی جدوجہد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ بالآخر اپنی حکومت پاکستان کے بن جانے پر منتج ہوئی۔ اس کے بعد ساری قوم قدرتاً نوزائیدہ مملکت کی تعمیر اور اس کے استحکام میں لگ گئی کہ یہ بات سب سے زیادہ مقدم ہے۔ اس سے مسیحی دوستوں نے پھر فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ دور دراز کے ناخواندہ علاقوں میں ایسے لٹریچر کی اشاعت کر رہے ہیں جس میں اسلام پر وہی پرانے اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے تاکہ تعلیمات اسلام بلکہ اسلام کے بنیادی عقائد میں شک پیدا کر کے سیاسی مقاصد کی غرض سے مسیحیت کو پھیلایا جا سکے۔

پاکستان جمہوری ملک ہے جس میں ہر شہری کو پوری ثقافتی اور مذہبی آزادی حاصل ہے اور بحمداللہ مسلمان حکومت ہونے کی وجہ سے حکومت پاکستان کا رویہ اقلیتوں سے حد درجہ روادارانہ ہے نظر بریں اقلیتوں کو بھی چاہیئے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں۔ ان کو مسلمانوں کے فیاضانہ سلوک کا یہ مطلب نہیں لینا چاہیئے کہ وہ مسلمان عوام میں اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کر دیں اور عقائد میں شک پیدا کرنے والے پمفلٹ پھیلائیں۔

Marfat.com

خیر یہ سوچنا تو ان کا کام ہے۔ مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ ایسی صورت حال سے باخبر رہیں اور اس کے تدارک کے مناسب طریقے اختیار کرنے میں کوتاہی نہ کریں لیکن اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ مخالف اسلام لٹریچر تو پھیل رہا ہے لیکن اس کا توڑ مہیا کرنے کی طرف سے مسلمان غافل ہو رہے ہیں۔

ایسے حالات میں جمعیتہ اہل حدیث لاہور نے ضروری سمجھا ہے کہ بجائے نیا کچھ لکھنے کے حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم کی اس سلسلہ کی کتابیں شائع کردی جائیں جو بہمہ وجوہ مناسب اور مفید ہیں جمعیتہ اہل حدیث لاہور اس سے قبل مولانا ممدوح کے متعدد رسالے "اہل حدیث کا مذہب" "اسلام اور اہل حدیث" وغیرہ شائع کر چکی ہے۔ جن سے اللہ تعالے کے فضل سے اس کے بندوں کو بہت فائدہ ہوا۔ فللہ الحمد

سردست مولانا کی ایسی کتاب شائع کی جا رہی ہے جو مولانا کی اس سلسلے میں محبوب ترین تصنیف تھی۔ امید ہے جس غرض سے اسے طبع کیا جا رہا ہے وہ انشاء اللہ اس سے پوری ہوگی اللہ کرے یہ آرزو بر آئے اور اخلاص فی العمل کی توفیق مرحمت اور شرف قبول حاصل ہو۔ انہ قریب مجیب۔

ناظم اعلےٰ

جمعیتہ اہل حدیث لاہور

رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ

مارچ ۱۹۶۰ء

Marfat.com

برادرانِ اسلام سے خطاب

میں بامرہ تعالےٰ اپنی عمر طبعی کو پورا کر چکا ہوں - میری عمر کی یہ آخری منزل ہے - میں نہیں کہہ سکتا کہ کسی اور کتاب کا تصنیف کرنا میرے لئے مقدر ہے یا داعی اجل کو لبیک کہنے کا وقت آ گیا ہے - یہ کتاب "اسلام اور مسیحیت" عیسائیوں کی تین کتابوں کے جواب میں ہے - ان میں سے ہر ایک کتاب اسلام اور قرآن کے حق میں بصورتِ جدید سخت ترین حملہ ہے - خدا نے محض اپنے فضل وکرم سے مجھے ان کا جواب دینے کی توفیق بخشی ورنہ طبیعت کی کمزوری اور عوارض کی کثرت اور سامانِ طباعت کی گرانی اس کتاب کی اشاعت میں مانع تھیں - باوجود اس کے یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے - میں اپنے دلی خیال کا اظہار کرتا ہوں کہ اپنی جملہ تصنیفات میں سے دو کتابوں کی نسبت مجھے زیادہ یقین ہے کہ خدا ان کو میری نجات کا ذریعہ بنائے گا - ان میں سے ایک کتاب "مقدس رسول" ہے جو "رنگیلا رسول" کے جواب میں ہے دوسری کتاب یہی "اسلام اور مسیحیت" ہے - پہلی کتاب میں میں نے بتوفیقہ تعالےٰ ذاتِ رسالت مآب سے دفاع کیا ہے اور دوسری میں اسلام اور قرآن مجید سے مدافعت کی ہے - اس لئے میں کہہ سکتا ہوں

روزِ قیامت ہر کسے در دست گیرد نامہ

من نیز حاضر مے شوم تائید قرآں در بغل

اب اس کی اشاعت میں کوشش کرنا برادرانِ اسلام کا فرض ہے تاکہ ہر ایک موافق اور مخالف کے پاس پہنچ جائے - عام شائقین منفرد طور پر اپنے لئے منگائیں اور اہل ثروت حضرات متعدد نسخے طلب کر کے مفت تقسیم کریں جو ارشادِ خداوندی تعاونوا علی البر والتقویٰ کے تحت موجب ثواب ہے

خادم دین اللہ

ابو الوفا ثناء اللہ کفاہ اللہ

Marfat.com

فہرست مضامین

نام مضامین	صفحہ
دیباچہ اور تمہید	۱۱ تا ۲۴
باب اوّل	
تشریح القرآن بجواب توضیح البیان	۲۵ تا ۶۴
اَبّ اور ربّ کی بحث	۲۷
بندوں کے ساتھ خدا کی محبت کا ثبوت	۳۰
بحث اصول اخوت اور تصورِ خدا	۳۲
جہاد، مال غنیمت اور قصاص پر اعتراض مع جواب	۳۴ - ۱۰۸ ۱۰۹ - ۱۲۸
بحث اصولِ مساوات	۳۶
اسلامی پردے پر اعتراض مع جواب	۳۹
اصولِ عبادت (اسلامی طریق عبادت پر بحث)	۴۲
اسلامی روزہ اور قربانی پر اعتراض مع جواب	۴۶ - ۴۹
اسلامی احکام عالم گیر نہیں (اعتراض مع جواب)	۵۰
حرمت خمر و خنزیر پر اعتراض و جواب	۵۲
دولت مند کے متعلق مسیح کا ارشاد	۵۲
ختنہ، عقیقہ، طواف کعبہ وغیرہ پر اعتراض اور جواب	۵۴
اسلامی احکام ہر جگہ نافذ العمل ہیں۔	۵۸
باب دوم	
مسیحیت کی عالم گیری پر ایک نظر	۶۵

Marfat.com

نام مضامین	صفحہ
عالمگیر مذہب کے شروط و لوازم	۶۶
بحث تثلیث و تجسّم مسیح بالتفصیل	۶۷ - ۸۰ / ۲۱۳
مسیح نے اپنے کو بحیثیتِ رسول پیش کیا	۸۴
خدا کی صفاتِ قاہر اور جابر اور بے نیاز ہونے پر اعتراض مع جواب	۸۵ - ۹۰
از روئے انجیل گناہ کی سزا کا ذکر	۹۲
کیا خدا گناہ کا بانی ہے (آیت ولقد ذرأنا کی تشریح)	۹۴
حج، قربانی، حلال و حرام، بہشت میں شراب، حور و غلمان وغیرہ پر اعتراض مع جواب	۹۷ - ۱۰۳
اسلام اور مسیحیت میں عورت کی حیثیت	۱۰۹ - ۱۱۰ / ۱۵۰
خدا اور بندے کے درمیان خلیج حائل نہیں ہے۔	۱۱۴
کیا مسیح دنیا کے لئے مکمل نمونہ ہے؟	۱۱۷
مسیح کی تصویر صلیب پر	۱۲۱
خدائے واحد و برحق کے متعلق اسلامی تعلیم	۱۲۴
مسیحیت کا دوسرا بنیادی پتھر کفارۂ مسیح	۱۲۵
شرعی احکام پر عمل کی تاکید مسیح کے کلام سے	۱۲۶
ہدایت و نجات کے لئے قرآن کی مختصر تعلیم	۱۲۷
کیا بائیبل جامع صفات کتاب ہے؟	۱۳۴
باب سوم	
بحث دین فطرت	۱۳۷
کیا دینِ مسیحی جبلی قویٰ کی تکمیل کر سکتا ہے؟	۱۳۹
قرآن مجید واقعی آنحضرتؐ کو صرف منصبِ نبوت پر فائز ٹھیراتا ہے۔	۱۴۰
خوف کی جبلت پر بحث	۱۴۴
کیا خدا گنہگار کی کئی پشتوں سے بدلہ لیتا ہے؟	۱۴۶

Marfat.com

نام مضامین	صفحہ
کیا اسلام میں تصورِ خدا دہشت انگیز ہے؟	۱۴۶
مسئلہ طلاق اور تعددِ ازواج پر مفصل بحث	۱۵۰ تا ۱۵۴
مسیح ساری عمر مجرد کیوں رہے؟	۱۵۵
نکاح متعہ اور والدینی جبلّت پر بحث	۱۵۷
خالق و مخلوق کے تعلق کو مخلوق کے باہمی تعلقات پر قیاس کرنا غلط ہے۔	۱۶۳
رحم، معافی، درگزر اور صبر اور مصارف زکوٰۃ پر اعتراض اور جواب	۱۶۹
جنگجوئی کی جبلّت پر بحث۔	۱۷۴
عفو اعدائے لحاظ سے آنحضرتؐ اور مسیح میں مقابلہ	۱۷۵
استفسار و جستجو کی جبلّت پر بحث	۱۷۸
مسیح نے نشان مانگنے والوں کو بد اور حرامکار کہا	۱۸۰
مسئلہ تقدیر و مسئلہ اجتہاد پر اعتراض اور جواب	۱۸۵ تا ۱۸۶
انجیل میں ایمانداروں کی عجیب نشانیاں	۱۸۶
اہلِ عرب نے یورپ کو علوم و فنون سکھائے	۱۸۸
ترکوں پر بے دینی کا الزام مع جواب	۱۸۹
قانونِ قدرت سے متعلق بعض مشکل آیات کا حل	۱۹۵
قتلِ مرتد پر اعتراض مع جواب	۲۰۲
جبلّت اجتماع پسندی اور انانیت پر بحث	۲۰۴
اجتماعی قومی کاموں کے متعلق قرآنی تعلیم	۲۰۷
پادری برکت اللہ کا سورہ اخلاص سے اخلاص	۲۱۰
مسیح کے متعلق پادری برکت اللہ کا عقیدہ	۲۱۱
پادری برکت اللہ کے نزدیک پادری عبدالحق کا عقیدہ تثلیث ناقابلِ قبول ہے	۲۱۲
خدا کی وحدت کا جو مفہوم انجیل میں ہے وہی قرآن میں ہے	۲۱۴

Marfat.com

صفحہ	نام مضامین
۲۱۴	قرآن مجید بھی انسان کو ذمہ دار ہستی قرار دیتا ہے۔
۲۱۵	جبلّتِ تحکم اور جبلّت عجز پر بحث
۲۱۶	غیر مسلم کو سلام کہنے پر بحث
۲۱۸	اللہ، رسول کی اطاعت پر اعتراض مع جواب
۲۲۲	اپنے حقوق سے دستبردار ہونے کے متعلق قرآنی تعلیم
۲۲۳	جبلّتِ حصول واکتساب پر بحث
۲۲۴	مسیحیت کی رُو سے کسی مالدار کا نجات پانا ممکن نہیں
۲۲۵	صرف قرآن مجید کی تعلیم اقتصادیات کے موافق ہے۔
۲۲۶	انجیل کی تعلیم متعلقہ صدقہ خیرات پر عقلی اعتراض۔
۲۲۸	قرآن مجید انسان کو ہر کام میں خدا کی طرف متوجہ کرتا ہے۔
۲۲۹	روسی اشتراکیت کا ذکر۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ اللہ ونستعینہ

ونصلی علی النبی واہلہ

پہلے مجھے دیکھئے

مرزا صاحب قادیانی نے بڑی وضاحت سے اس دعوے کا اعلان کیا تھا کہ:-

مسیح سے مجھے ایک خاص مناسبت ہے اور اس فطرتی مشابہت کی وجہ سے مسیح کے نام پر یہ عاجز بھیجا گیا ہے تاکہ صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کر دیا جائے سو میں صلیب کے توڑنے اور خنزیروں کے قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

(رسالہ فتح اسلام بار دوم ص ۹)

آپ نے مزید فرمایا تھا کہ:-

میرے آنے کے دو مقصد ہیں۔ مسلمانوں کے لئے یہ کہ اصل تقویٰ اور طہارت پر قائم ہو جائیں۔ اور عیسائیوں کے لئے کسر صلیب ہو اور ان کا مصنوعی خدا نظر نہ آئے۔ دنیا اس کو بھول جائے اور خدائے واحد کی عبادت ہو۔

(اخبار الحکم قادیان ۱۹ جولائی ۱۹۰۵ء ص ۱۰)

آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ:-

Marfat.com

ہیں عیسائے پرستی کے ستون کو نہ توڑ دوں تو جھوٹا ٹھیروں گا (بدر ۱۹ جولائی ۱۹۰۶ء)

ان مواعید موثوقہ پر بھروسہ کرنے والے کو اطمینان ہو جاتا ہے یا ہو سکتا ہے کہ مرزا صاحب کی برکت سے مذہب عیسوی دنیا سے ناپید ہو گیا ہو گا اگر ناظرین یہ سن کر حیران ہوں گے کہ عیسائی پرستوں کا نہ صرف شمار بڑھ رہا ہے بلکہ ان کی طرف سے حملے بھی آئے دن تعداد میں زیادہ اور کیفیت میں سنگین ہو رہے ہیں، غضب یہ ہے کہ یہ حملہ آور حضرات مسلمانوں کی اولاد ہیں، جن کے باپ دادا اسلام کے کلمہ گو اور فدائی تھے۔

آج ہمارے ملک پنجاب میں اسلام کی تردید میں لکھنے والے عیسائیوں میں زیادہ شہرت یافتہ مندرجہ ذیل اصحاب ہیں:۔

(۱) پادری سلطان محمد خاں صاحب (۲) پادری برکت اللہ صاحب (۳) پادری عبد الحق صاحب (۴) مسٹر موسیٰ خاں ایڈیٹر "المائدہ" وغیرہ

اس وقت عیسائیوں کی جو کتابیں ہمارے زیر نظر ہیں اور جن کے جواب کے لئے ہم نے قلم اٹھایا ہے ان کے نام یہ ہیں:۔

(۱) "توضیح البیان فی اصول القرآن" (اس میں اس امر پر بحث کی گئی ہے کہ اسلام کے اصول میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں ہے) صفحات ۹۴

(۲) "مسیحیت کی عالمگیری" (اس کا مضمون نام ہی سے ظاہر ہے) صفحات ۲۲۲

(۳) "دین فطرت اسلام یا مسیحیت"؟ (اس میں مسیحیت کو مطابق فطرت اور قرآن کو مخالف فطرت دکھلانے کی کوشش کی گئی ہے) صفحات ۲۴۸

ان تینوں کے جواب کے لئے ہم نے اس کتاب میں تین باب تجویز کئے ہیں۔ پہلے باب میں ہماری طرف سے مدافعت ہو گی۔ دوسرے میں تنقید اور تیسرے میں مدافعت کے علاوہ حسب ضرورت تنقید بھی ہو گی۔

مسلم اور مسیحی ناظرین سے ہمیں امید ہے کہ وہ ہر قسم کے تعصب اور جانبداری سے بالاتر ہو کر ہماری معروضات پر توجہ فرمائیں گے۔

گر نہ آید برغبت گوش کس   بر رسولاں بلاغ باشد و بس

Marfat.com

ہم ان کتابوں کو دیکھ کر منتظر تھے کہ مرزا صاحب کے اتباع کی طرف سے ان کے جواباً بہت جلد شائع ہو کر پبلک کے ہاتھوں میں آجائیں گے مگر مدت تک انتظار کرنے کے بعد بڑے افسوس کے ساتھ ہمیں یہ کہنا پڑا۔ ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

آخر ہمیں یہ خیال آیا کہ مرزا صاحب کے دعوے کے مطابق مسیحی مذہب فنا ہو چکا ہے اور مسیحی لوگ مر چکے ہیں۔ اس لئے جماعت احمدیہ نے ان کو مخاطب کرنا مستحسن نہیں سمجھا ہوگا لہذا انہوں نے اپنے خیال کے مطابق ان کتابوں کے جواب پر توجہ نہیں کی مگر ہم چونکہ اپنے مشاہدہ میں مسیحیوں کو زندہ دیکھتے ہیں اور ان کی کتب متعلقہ تردید اسلام ہمارے سامنے ہیں اس لئے ہم بھی اگر خاموش رہتے تو عنداللہ اپنے فرض کی ادائیگی سے قاصر سمجھے جاتے پس ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہونے کے لئے جواب دینے کو قلم اٹھاتے ہیں۔ کیوں؟ ؎

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ وگر خاموش بنشینم گناہ است

جن کتابوں کا نام اوپر بتایا گیا ہے وہ پادری برکت اللہ صاحب کی تصنیف ہیں۔ پادری صاحب نے ان کتب میں جو طریق اختیار کیا ہے بغرض تفہیم ناظرین ہم اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں۔

شراب کو جو لوگ برا مانتے ہیں وہ اس کے برے اثرات سے ہٹانے کے لئے جو کچھ کہہ کرتے ہیں اس کا خلاصہ اس رباعی میں ہے ؎

ہو بادہ کشی پہ نہ جو الٰہ! مفتوں ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ گردن پہ نہ لو عقل خدا داد کا خوں\
خود عہد شباب اک جنوں ہے اب تم ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کرتے ہو فزوں جنوں پہ اک اور جنوں ‏ ‏ ‏ ‏ (حالی)

اس رباعی میں شاعر نے بڑی خوبی کے ساتھ شراب نوشی سے ہٹایا ہے کیونکہ وہ انسان کو بے عقل کر دیتی ہے — اس کے برعکس شراب نوش اسی بدمستی کو شراب نوشی کا مستحسن ذریعہ بتاتے ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

مینہ برستا ہے مزے آتے ہیں میخواروں کو ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ حق نے کیا مرتبے بخشے ہیں گنہ گاروں کو\
ہاتھ گرتے کا مت پکڑ ساقی ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ سجدۂ شکر میں جانے دے گنہ گاروں کو

غور فرمائیے کہ شراب میں ایک وصف بدمستی ہے جو موجب نفرت ہے۔ یہی وصف پینے والوں کی نظر میں موجب رغبت ہے۔ ٹھیک اسی طرح مسیح کی ذات کا فوٹو (عکس) جو عیسائی مصنف

Marfat.com

پیش کرتے ہیں کہ

آپ فاعلِ مختار، اور قادرِ قیوم تھے بلکہ خود خدا تھے۔ آپ جو تعلیم دیتے تھے اپنے اختیار سے دیتے تھے۔

اسی عقیدہ کی وجہ سے یہود، مسلمان اور دیگر اہلِ ادیان مسیحی مذہب کو نفرت سے دیکھتے ہیں۔ پادری برکت اللہ صاحب نے اسی عقیدہ کو مسیحی مذہب کی برتری کا موجب لکھا ہے پس ان ساری کتابوں کا لبِ لباب یہی ہے۔ سچ ہے ؎

مجھے تو ہے منظور مجنوں کو لیلیٰ

نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

آپ کی تصنیف میں دوسرا وصف ہم نے یہ دیکھا ہے کہ آپ طول کلامی میں لاثانی ہیں مرزا غالب مرحوم نے ایک مطلب کے لئے طول کلامی کی خواہش کرتے ہوئے کہا ہے ؎

ملے تو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی

عجیب چیز ہے یہ طول مدعا کے لئے

مگر پادری صاحب کی طول کلامی مرزا غالب کی خواہش سے بھی بڑھ کر ملالِ خاطر کی حد تک پہنچ چکی ہے جس کی ایک مثال درج ذیل ہے :-

"پس عالمگیر مذہب کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے اصول ارفع اور اعلیٰ ترین ہوں۔ ان اصولوں میں یہ صفت ہو کہ دنیا کے سب لوگوں کی ضمیریں ان کو مان سکیں، بالفاظ دیگر یہ اصول ایسے اعلیٰ وارفع ہوں کہ تمام دنیا کے لوگ بلا لحاظ رنگ، نسل، قوم وغیرہ ان کو قبول کر سکیں۔ اگر کسی مذہب کی تعلیم ایسی ہے کہ صرف کسی خاص قوم یا زمانہ یا قبیلہ کے لوگوں کی نظروں میں ہی مقبول ہے لیکن دیگر اقوام یا دیگر زمانہ کے افراد اس کے اصولوں کی وجہ سے اس کو قبول نہیں کر سکتے تو وہ مذہب ہرگز عالمگیر مذہب کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی مذہب ایسا ہے جو خدا کی نسبت ایسی تعلیم دے جو نوعِ انسانی کی ترقی کے ابتدائی منازل سے ہی متعلق ہو اور نوع انسانی تہذیب یافتہ ہو کر اس منزل سے آگے بڑھ گئی ہو اور وہ اس کے پیش کردہ تصورِ الٰہی کی نکتہ چینی کر سکے تو وہ مذہب عالمگیر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر کسی مذہب کا معبود چوری یا زنا کاری کا مرتکب ہوا ہو تو ایسا معبود دورِ حاضرہ میں ہرگز قابل پرستش نہیں ہو سکتا۔ ایسے معبود کی تعظیم نوعِ انسانی

Marfat.com

کی ترقی کی ابتدائی منازل سے متعلق ہے لیکن اب نسلِ انسانی نے اس قدر ترقی کر لی ہے کہ وہ ایسے معبود کی تکریم تو درکنار اس کو حقارت کی نظر سے دیکھے گی ××

پس لازم ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول نہایت اعلیٰ، ارفع اور بلند پایہ کے ہوں۔ یہ لازمی امر ہے کہ عالمگیر مذہب خدا کی نسبت ایسی تعلیم دے جس کے سامنے ہر زمانہ، ملک اور قوم کی گردنیں جھک جائیں۔ عالمگیر مذہب کا تصورِ خدا ایسا ہونا چاہیئے کہ نوعِ انسانی اپنی ترقی کی انتہائی منازل میں بھی اس سے بالاتر تصورِ خیال میں نہ لا سکے۔ انسانی قوتِ متخیلہ اس سے زیادہ بلند پروازی نہ کر سکے بلکہ اس تصور کو فہم میں لانے سے قاصر رہے اور چار و ناچار اپنے عجز اور ناطاقتی کا اقرار کرے سہ

اے زخیالِ ما بروں۔ در تو خیال کے رسد | باصفتِ تو عقل را لاف کمال گے رسد
کنگرِ کبریائے تو بست فرا ز لامکاں | طائرِ ما درآں ہوا بے پر و بال کے رسد

صرف ایسا مذہب ہی انسان کے سامنے بلند ترین اخلاقی نصب العین رکھ سکتا ہے کیونکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کوئی قوم اپنے معبود کے اوصاف سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ جس مذہب میں خدا کا تصور اعلےٰ ترین پایہ کا ہوگا۔ اس مذہب میں انسان کے متعلق بھی اعلیٰ ترین قسم کی تعلیم ہوگی۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں نہایت گہرا رشتہ ہے۔ حقوق العباد کا انحصار خدا کے تصور پر موقوف ہے۔ اگر کسی مذہب میں خدا کا تصور ادنیٰ قسم کا ہے تو اس مذہب میں انسانوں کے باہمی سلوک کی نسبت جو تعلیم ہوگی وہ بھی نہایت ادنیٰ پایہ کی ہوگی۔ اگر کسی قوم کا معبود شرابی، چور یا زناکار ہوگا تو یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ اس مذہب کا اخلاقی نصب العین اعلےٰ قسم کا ہو۔ اس مذہب کی تعلیم میں شراب، چوری زناکاری وغیرہ اعمالِ حسنہ شمار کیے جائیں گے۔ لیکن اگر کسی مذہب میں خدا کا تصور اعلےٰ ترین پایہ کا ہوگا تو اس کا اخلاقی نصب العین اعلےٰ پایہ کا ہوگا۔ عالمگیر مذہب کے لئے ضروری ہے کہ نہ صرف اس میں خدا کا تصور ہی ایسا ہو جس کے سامنے ہر زمانہ، قوم اور ملک کے افراد کی گردنیں جھک جائیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا اخلاقی نصب العین

ؔ ناظرین! پادری صاحب کے اس مقولہ کو یاد رکھیے (مجیب)

Marfat.com

ایسا ہو کہ بنی نوع انسان اپنی ترقی کی دوڑ میں اس سے آگے نہ گذر سکے۔ بلکہ جوں جوں انسان ترقی کرتا جائے یہ نصب العین افق کی طرح اس کی نظر کے آگے آگے چلتا جائے یا جس طرح کوئی شخص ایک پہاڑی کی بلندی پر پہنچ جاتا ہے تو اس سے آگے بلندی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ایک اور پہاڑی کی بلندی اس کو نظر آتی ہے۔ اسی طرح جب نوع انسان اخلاقی ترقی کے زینہ کی ایک بلندی کو حاصل کرے تو وہاں بھی اس کو اخلاقی نصب العین کی بلندی نظر آئے جو راہنما کا فرض ادا کرے۔ عالمگیر مذہب کا اخلاقی نصب العین ایسا بلند اور ارفع ہونا چاہیئے کہ نوعِ انسانی اپنی ترقی کی مختلف منازل میں جس اوج پر بھی پہنچے اس کی رفعت اور بلندی کو ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے رکھ سکے۔ پس عالمگیر مذہب کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس میں ذاتِ الٰہی کی نسبت ایسی تعلیم ہو جس کے سامنے ہر ملک قوم، نسل اور زمانہ کے سر تسلیم خم ہو جائیں اور اس مذہب کا اخلاقی نصب العین ایسا اعلےٰ اور بلند پایہ کا ہو کہ نوعِ انسانی اپنی ترقی کے اعلےٰ زینہ پر بھی اس کو پیشِ نظر رکھ سکے اور وہ اس کا دائمی راہنما ہو سکے۔

عالمگیر مذہب کے اصول عالم گیر ہوں اس پہلی شرط کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول عالمگیر ہوں۔ کوئی مذہب عالمگیر کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جس کے اصول عالمگیر نہ ہوں۔ جس مذہب کے اصولوں میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ ہر ملک قوم، زمانہ اور نسل کے لوگوں پر حاوی ہو سکیں۔ وہ مذہب صرف ایک قوم یا ملک یا زمانہ یا پشت کے لوگوں کے لئے ہی مفید ہو سکتا ہے لیکن اس کے اصول کا اطلاق کسی دوسری قوم یا پشت کے لوگوں پر نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ دونوں قوموں اور پشتوں کے حالات یکساں نہیں ہوتے اور جو مذہب صرف ایک قسم کے حالات کے لئے مفید ہے وہ دوسری قسم کے حالات کے لئے مفید نہیں ہوتا۔ بعض مذاہب ایسے ہیں جو گذشتہ زمانہ میں خاص حالات کے ماتحت نہایت کامیاب ثابت ہوئے لیکن جب وہ حالات بدل گئے اور زمانہ نے پلٹا کھایا تو وہ مذاہب نئے حالات اور خیالات کے سامنے

ؔ ناظرین! پادری صاحب کے اس مقولہ کو یاد رکھئے (مجیب) ؔ ورنہ! (مجیب)

قائم نہ رہ سکے۔ پس مابعد کے زمانہ اور پشت کے لئے وہ مذاہب کسی کام کے نہ رہے۔ جس طرح پرانے سالوں کی جنتریاں بے کار ہوتی ہیں۔ بقول شخصے ع

کہ تقویم پارینہ نہ آید بکار[1]

اسی طرح یہ مذاہب بھی بے سود ہو جاتے ہیں اور پرانے زمانہ کی داستانوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ دورِ حاضرہ کے لئے ان کا وجود اگر ضرر رساں نہیں ہوتا تو کم از کم عدم وجود کے برابر ہوتا ہے۔

پس لازم ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول ایسے ہوں جو یہ صلاحیت رکھتے ہوں کہ ہر ملک، قوم، نسل، اور زمانہ پر حاوی ہو سکیں۔ کسی ملک یا قوم یا زمانہ کے لئے اس مذہب کے اصول دقیانوسی، بوسیدہ یا فرسودہ خیال نہ کئے جائیں۔ مثلاً اگر کوئی مذہب ایسا ہے جو حد بندی یا ذات پات یا مناقشت جنگ و جدل۔ عداوت وغیرہ کی تعلیم دیتا ہے تو یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ایک ملک و قوم کے خاص حالات کے اندر کسی خاص زمانہ میں کامیاب ثابت ہوا ہو لیکن ایسا مذہب دیگر قوموں نسلوں اور زمانوں کے لئے ہرگز راہ نما کا کام نہیں دے سکتا۔ یا اگر کوئی مذہب ایسا ہے جس میں بچوں، عورتوں، غلاموں، مظلوموں وغیرہ سے بدسلوکی روا رکھی گئی ہے تو ایسے مذہب کے اصول کسی خاص پشت یا زمانہ یا ملک پر ہی حاوی ہو سکتے ہیں ان میں یہ اہلیت ہرگز نہیں کہ اقوامِ عالم اور کل دنیا کے ممالک و ازمنہ پر حاوی ہوں، کوئی مذہب عالمگیر نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس کے اصول اپنے اندر اقوام و ممالک پر حاوی ہونے کی صلاحیت نہ رکھیں۔

(۲) پس لازم ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول نہ صرف زمانۂ ماضی کے لئے کسی خاص قوم یا پشت یا ملک یا زمانہ کے صحیح رہبر رہ چکے ہوں بلکہ یہ بھی ضروری امر ہے کہ ان اصولوں کا اطلاق دورِ حاضرہ کے تمام ممالک و قبائل و اقوام پر ہو سکے موجودہ صدی میں اور گذشتہ صدی میں جو تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں وہ سب

---

[1] گذشتہ تواریخ دیکھنے کو کار آمد ہوتی ہیں (مجیب)

پر عیاں ہیں۔ اور ارباب دانش سے یہ مخفی نہیں کہ موجودہ پشت مذہب کے اصول کو اس نکتہ نظر سے نہیں دیکھتی جس سے اس کے آباؤ اجداد مذہب کو دیکھتے تھے۔ عالمگیر[1] مذہب کے لئے لازم ہے کہ اس کے اصول دورِ حاضرہ کے لوگوں کی اسی طرح کامیابی کے ساتھ راہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں جس طرح کسی گذشتہ پشت کے لوگوں کی راہنمائی کرنے میں وہ کامیاب ہوئے تھے۔ اگر ان اصولوں میں یہ اہلیت موجود نہیں تو وہ اصول عالمگیر نہیں ہو سکتے اور نہ وہ مذہب عالمگیر کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے پس اگر کوئی مذہب عالمگیر ہونے کا اس بنا پر دعوے کرے کہ کسی گذشتہ زمانہ میں وہ کسی ملک یا قوم کے مسائل کی گتھیاں سلجھانے میں کامیاب رہا ہے لیکن دورِ حاضرہ پر اپنے اصول کا اطلاق نہ کر سکے۔ تو اس مذہب کا دعوے "پدرم سلطان بود" سے زیادہ وقعت نہیں رکھ سکتا۔ لہٰذا کوئی مذہب محض اپنی قدامت کی وجہ سے یا کوئی دھرم محض سناتنی ہونے کی بنا پر عالمگیر نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ وہ یہ ثابت نہ کر سکے کہ اس کے قدیم یا سناتنی اصول دورِ حاضرہ کے تمام ممالک و اقوام کے مختلف مسائل کو کامیابی کے ساتھ حل کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

(۳) عالمگیر مذہب کے لئے یہ لازم ہے کہ نہ صرف اس کے اصول زمانہ گذشتہ اور دورِ حاضرہ کے ممالک و اقوام کے راہنما ہو سکیں بلکہ مستقبل زمانہ کے تمام ممالک و اقوام و ازمنہ کے لئے بھی وہ مشعلِ ہدایت ہو سکیں۔ یہ اشد ضروری امر ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول نہ صرف نوعِ انسانی کی گذشتہ دوڑ میں کام آئے ہوں یا موجودہ ترقی کی منزلوں میں کام آسکتے ہوں۔ بلکہ یہ زیادہ ضروری ہے کہ آئندہ زمانہ میں بھی جوں جوں نسل انسانی ترقی کرتی جائے یہ اصول اس کی ترقی کی راہ کو اپنے نور سے روشن کرتے جائیں تاکہ نسل انسانی روز بروز ترقی پذیر ہو کر کامل ہوتی جائے اور خالق کے اس ارادہ کو پورا کر سکے جس کے واسطے خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ انسان کا خلق ہونا اور نوعِ انسانی کا وجود یہ ثابت کرتا ہے کہ ازل سے خدا نے کسی خاص مقصد کو مدِ نظر

---

[1] ناظرین! پادری صاحب کی طول کلامی سے گھبرائیے نہیں بلکہ دیکھتے جائیے (مجیب)

رکھ کر انسان کو پیدا کیا تھا۔ عالمگیر مذہب کا یہ کام ہے کہ اس منشائے الٰہی کو پورا کرے اور نوعِ انسانی کو اس کی ترقی کی مختلف منازل میں ایسی شاہراہ پر چلائے جس پر چل کر وہ خدا کے ازلی مقصد کو پورا کرے۔ پس لازم ہے کہ عالمگیر مذہب نہ صرف نوعِ انسانی کے ابتدائی مرحلوں میں اس کا ساتھ دے اور زمانہ گذشتہ میں اس کا صحیح رہنما رہا ہو بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ دورِ حاضرہ میں اور آئندہ زمانوں میں بھی کل انسان اس مذہب کے ذریعہ اپنی نوع کی ترقی کی آخری منزلوں کو طے کر کے خدا کے ازلی ارادہ کو پورا کر سکیں۔ اگر کوئی مذہب نوعِ انسانی کی تمام منزلوں میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتا تو وہ مذہب یقیناً عالم گیر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ بالفاظ دیگر جو مذہب زمانہ ماضی میں ہی نوعِ انسانی کے کام آیا ہو یا صرف دورِ حاضرہ کے سیاسی یا معاشرتی مسائل کو عارضی طور پر ہی حل کر سکے لیکن زمانہ مستقبل میں نوعِ انسانی کی ترقی کی آخری منزلوں میں اس کا ہادی اور راہ نما نہ ہو سکے وہ مذہب کسی صورت میں عالمگیر مذہب نہیں ہو سکتا۔ ایسا مذہب تاریخ کے صفحوں میں اپنے لئے جگہ حاصل کرے گا کیونکہ نوعِ انسانی کی تاریخ میں وہ کسی زمانہ میں انسان کے کام آیا تھا لیکن چونکہ وہ آئندہ زمانہ میں انسان کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ کوئی زمانہ ایسا آئے گا جب وہ زندہ مذہب نہیں رہے گا۔ بلکہ مُرورِ زمانہ کے ساتھ ہی وہ مذہب بھی مردہ ہو جائے گا۔ عالمگیر مذہب وہ ہے جس پر نوعِ انسانی کی بقا کا انحصار ہو اور آئندہ زمانہ میں بھی اس پر بنی نوعِ انسان کا دارومدار ہو تا کہ کل ممالک و اقوام کی آئندہ نسلیں اس کی راہنمائی کے ماتحت اپنی ہستی کے تمام مراحل کو طے کر کے نشائے الٰہی کو پورا کر سکیں۔" (مسیحیت کی عالمگیری ص۹ تا ۱۶)

مجیب ناظرین کرام! عبارت مرقومہ کو بغور ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر حشو و زوائد سے پر ہے سارا مضمون چند سطروں کا ہے جس کے لئے انہوں نے اپنی کتاب کے قریباً آٹھ صفحے پر کئے ہیں۔ باوجودیکہ ہم نے منقولہ عبارت سے کچھ حذف بھی کر دیا ہے تاہم یہ اتنی لمبی ہے کہ ملالِ خاطر کی موجب ہو رہی ہے۔

Marfat.com

پادری صاحب کی مثال انجیل یوحنا کے اخیر میں لکھا ہے کہ:۔

اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے ہیں اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں ان کے لئے دنیا میں گنجائش نہ ہوتی۔ (یوحنا آخری فقرات)

ہم نے جب کبھی اس عبارت کو پڑھا اس کا مطلب ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ ہم یہ بھی نہ کہہ سکتے تھے کہ یہ شاعرانہ مبالغہ ہے۔ کیونکہ ایسے مبالغے شاعر لوگ کیا کرتے ہیں، مرزا غالب مرحوم کہتے ہیں۔

میں نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے
اس کے اشک چشم سے گردوں کف سیلاب تھا

لیکن ہم یوحنا کی عبارت مذکورہ کو مبالغہ پر محمول نہ کر سکتے تھے کیونکہ الہامی نوشتوں میں ایسے مبالغے نہیں ہوا کرتے۔ پادری برکت اللہ کی تصنیفات دیکھ کر ہمارا استعجاب دور ہو گیا۔ ہم سمجھ گئے کہ مقدس یوحنا کے زمانہ میں بھی موصوف جیسے لوگ ہوں گے جو اگر حضرت مسیح کی عمر کے چند (ساله واقعات لکھنے بیٹھتے تو واقعی اس قدر زیادہ تعداد میں کتابیں لکھی جائیں کہ بقول مقدس یوحنا روئے زمین پر نہ سما سکتیں۔ سچ ہے ؎

ملے تو بحث میں لے لوں زبان برکت کی
عجیب چیز ہے یہ طول مدعا کے لئے

نوٹ:۔ پادری صاحب موصوف کی تصنیفات میں ہم نے جس بات کی کمی دیکھی ہے وہ قوتِ استدلالیہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ قوت اگر کسی میں ہو بھی تو بھی ایسے بدیہی البطلان دعوے (الوہیتِ انسان) کو کہاں تک ثابت کر سکتا ہے۔ دو دو کو پانچ ثابت کرنے کے لئے قوتِ استدلالیہ کام نہیں دے سکتی۔ ہاں شاعرانہ طریق پر کوئی شخص اپنا خیال ظاہر کر دے تو الگ بات ہے جس کی مثال یہ ہے کہ:

حکمائے یونان اور متکلمین اسلام میں جزء لایتجزیٰ[1] کی تقسیم پر بڑی بسیط بحثیں ہوئیں ہر ایک

---

[1] متکلمین کا مذہب ہے کہ پیدائش عالم اجزائے لایتجزی سے ہوئی ہے۔ جزء لایتجزی اس چھوٹی سی چیز کو کہتے ہیں جو کٹ نہ سکے۔ حکمائے یونان اس کے وجود سے انکاری ہیں بہر حال یہ مسئلہ ان دونوں گروہوں میں متنازعہ ہے

فریق نے اپنا اپنا زور دکھایا مگر ایک شاعر نے آسانی سے جزو لایتجزیٰ کو تقسیم کر کے دکھا دیا چنانچہ وہ کہتا ہے ؎

تقسیم جزو لایتجزی کی ہو گئی
سہواً سخن جو ان کے دہن سے نکل گیا

ہندوستان میں پادری فنڈر سے لے کر آج تک جتنے عیسائی مصنفین گزرے ہیں کم و بیش سب کی تصنیفات ہم نے دیکھی ہیں مگر جو طریقہ تصنیف پادری برکت اللہ صاحب نے اختیار کیا ہے وہ کسی اور پادری کی تصنیف میں نہیں ملتا۔ حالانکہ مذہبی عقیدہ کے لحاظ سے وہ بھی غلطی پر ہیں پادری صفدر علی ہوں یا مسٹر اکبر مسیح، پادری فنڈر ہوں یا پادری عماد الدین وغیرہ یہ سب اپنے اپنے طریق پر لکھنے والے تھے۔ مگر پادری برکت اللہ کا طرز تحریر یاں سب سے نرالا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے الفاظ بامعنی ہوتے تھے مگر ان کے الفاظ کے معانی کھوج لگانے سے بھی نہیں ملتے۔ سچ ہے ؎

ہوا تھا کبھی سر قلم قاصدوں کا
یہ تیرے زمانہ میں دستور نکلا

خادم دین اللہ

ابوالوفاء ثناء اللہ کفاہ اللہ امرتسری

مارچ ۱۹۴۱ء
صفر ۱۳۶۰ھ

Marfat.com

تمہید

قاضی برکت اللہ صاحب نے اپنی ان تصنیفات میں بہت سی باتوں کا اخفا کیا ہے۔ جو بحیثیت اہل مذہب ہونے کے ان کو زیبا نہ تھا۔ دنیاوی عدالتوں میں فریقین کے اس فعل کو مستحسن سمجھا جاتا ہے مگر مذہبی مناظرات میں جو خدا کی عدالت میں پیش ہوتے ہیں۔ واقعات صحیحہ کا اخفا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ اسی بنیادی پتھر کی طرف راہنمائی کرنے کو خدا نے ہدایت فرمائی ہے۔ وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (پ ۲۱ ع) (اہل کتاب کے ساتھ بہترین طریق سے مناظرہ کیا کرو)

اخفائے حق اور واقعات کو چھپانا کوئی احسن طریق نہیں ہے۔ پادری صاحب نے جن جن واقعات کو چھپایا ہے۔ موقع بموقع ہم ان کو ظاہر کرتے جائیں گے۔ یہاں بطور تمہید ایک امر کا اظہار کرتے ہیں جو یہ ہے کہ:۔

موسوی شریعت عیسائی مذہب میں واجب العمل ہے۔ اس کے علاوہ عیسائی مذہب میں شرائع کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ حضرت مسیح کا قول انجیل میں مرقوم ہے آپ فرماتے ہیں:۔

یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ تورات سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھائے گا وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا (متی باب ۵ فقرہ ۱۷ تا ۱۹)

مجیب | یہ مسیحی ارشاد ایک اصل الاصول (بنیادی پتھر) ہے کسی مسیحی مصنف کے کلام کی صحت جانچنے کے لئے موسوی تورات یا نبیوں کے صحیفوں کی شہادت ضروری ہے

59892

Marfat.com

پادری صاحب خود بھی اس بنیادی اصول کو تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں۔

بائبل شریف کی عالمگیری دنیا میں بائبل مقدس ہی ایک واحد کتاب[1] ہے جو صدیوں سے ہزاروں ملکوں اور قوموں کے کروڑوں افراد کے نزدیک آج بھی ویسی ہی وقعت کے قابل ہے جیسی وہ اس زمانہ میں تھی جب وہ تحریر میں آئی۔ حق تو یہ ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے یہ کتاب زیادہ قابلِ احترام خیال کی جاتی ہے۔ اقوام عالم گھاس کی طرح مرجھا جاتی ہیں اور دنیا کی پشتیں اور نسلیں پھول کی طرح کملا جاتی ہیں۔ لیکن ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے۔" (مسیحیت کی عالمگیری ص۹۷)

مجیب پادری صاحب کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ باوجود اس اعتراف کے کہ بائبل ایک عالمگیر مذہبی کتاب ہے اپنے مسلمہ مسیحی مذہب کی نسبت یوں رقمطراز ہیں۔

آپ (مسیح) کی تعلیم میں اور عہد عتیق کی تعلیم میں درحقیقت کوئی نسبت ہے نہیں۔ آپ صاحب اختیار کی طرح فرماتے تھے۔

"تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا..... لیکن میں تم سے کہتا ہوں"

آپ (مسیح) کے خیالات یہودیت کی عین ضد تھے (مسیحیت کی عالمگیری ص۵۵)

ناظرین کرام! اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ پادری صاحب مسیحی تعلیم کو یہودی تعلیم (موسوی شریعت) سے بالکل جدا بلکہ مخالف بتاتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ چند صفحات آگے چل کر پھر اس بات کو بھول جاتے ہیں اور اس بھول میں آپ لکھتے ہیں:۔

پولوس رسول نے ثابت کیا کہ مسیحیت یہودیت کی تکمیل ہے" (رسالہ مسیحیت کی عالمگیری صفحہ ۸۰)

کوئی طالب علم جس نے عربی میں منطق یا کالج میں لاجک پڑھی ہو ہمیں بتلائے کہ ایک

---

[1] بائبل حضرت موسیٰ اور عیسیٰ کے مصحف کے علاوہ تمام انبیائے بنی اسرائیل کے صحیفوں پر مشتمل ہے۔ انجیل کو عہد نامہ جدید اور پہلے صحیفوں کو عہد نامہ قدیم کہا جاتا ہے (مجیب)

Marfat.com

ضد دوسری ضد کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ سیاہ اور سفید رنگ یا سبز اور سرخ رنگ ایک دوسرے کی ضد ہیں، پھر کیا یہ رنگ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں یا فنا کرتے ہیں؟ سفید کپڑے پر سیاہ رنگ چڑھایا جائے تو سفید کی تکمیل ہو گی یا فنا ہو جائے گا۔ پادری صاحب کے ایسے دعاوی سن کر بے ساختہ ہمارے منہ سے نکل جاتا ہے ؎

ہوا تھا کبھی سر قلم قاصدوں کا
یہ تیرے زمانہ میں دستور نکلا

Marfat.com

باب اوّل

تشریح القرآن بجواب توضیح البیان

سب سے پہلے ہمارے زیرِ نظر وہ رسالہ ہے جس کا نام آپ نے توضیح البیان فی اصول القرآن" رکھا ہے۔ اس میں آپ نے جو امر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے یا بزعمِ خود ثابت کر دیا ہے وہ اس عبارت سے ظاہر ہے جو بالفاظ ذیل اس رسالہ کے سرورق پر مرقوم ہے۔

"اسلام کے اصول میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں ہے۔"

کیوں نہیں؟ اس کی تفصیل اس رسالہ میں بتائی گئی ہے۔

چونکہ یہ لازمی امر ہے کہ آپ جس چیز کی اسلام سے نفی کریں پہلے اس کی تعریف بتائیں ایسا کرنا آپ کا فرض تھا۔ اسی لئے آپ نے اس فرض کو اچھی طرح ادا کیا ہے چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں:۔

"عالمگیر مذہب کی لازمی شرط یہ ہے کہ اس کے اصول دنیا کے کل ممالک اور اقوام پر حاوی ہو سکیں۔ اور اس کا پیغام یہ اہلیت رکھتا ہو کہ زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہو اور کسی خاص قوم یا زبان یا ملک سے متعلق نہ ہو تاکہ ہر قوم اور ملک اور زمانہ کے افراد اپنے خاص حالات پر اس کا اطلاق کر کے اس کی تعمیل کر سکیں۔"

(توضیح البیان صہ ۱)

مجیب عالمگیر مذہب کی یہ تعریف ہمیں بھی مسلّم ہے اور آئندہ بھی مسلّم رہے گی مگر اس کے ساتھ ہی ہم آپ کا یہ قول بھی منضم کرتے ہیں کہ :۔

"جس مذہب کے اصولوں میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ ہر ملک، قوم، زمانہ اور نسل کے لوگوں پر حاوی ہو سکیں وہ مذہب صرف ایک قوم یا ملک یا زمانہ یا نسل کے لوگوں کے لئے

Marfat.com

ہی مفید ہو سکتا ہے" (مسیحیت کی عالمگیری ص۱۱)

اس کے ساتھ ہی آپ کا یہ فقرہ بھی ملاتے ہیں کہ :-

"عالمگیر مذہب کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس میں ذاتِ الٰہی کی نسبت ایسی تعلیم ہو جس کے سامنے ہر ملک، قوم، نسل اور زمانہ کے سرِ تسلیم خم ہو جائیں" (حوالہ مذکور)

اظہارِ تعجب پادری برکت اللہ کے نام کے ساتھ ایم۔ اے کی ڈگری لکھی ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ذی علم صاحبِ قلم ہیں۔ آپ نے عربی میں منطق نہ پڑھی ہو تو انگریزی میں لاجک ضرور پڑھی ہوگی۔ اس لحاظ سے میں آپ کا ایک فقرہ نقل کرتا ہوں جو اس سے پہلے طولِ کلامی کی مثال میں بھی آچکا ہے وہ یہ ہے کہ

"پہلی شرط کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول عالمگیر ہوں۔ کوئی مذہب عالمگیر کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جس کے اصول عالمگیر نہ ہوں"

مجیب منطق کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ کسی چیز کی تعریف (ڈیفینیشن) دوری نہیں ہونی چاہیئے۔ دوری تعریف اس کو کہتے ہیں جس میں معرَّف یا اس کا کوئی جزء یا اس سے مشتق کوئی لفظ تعریفی الفاظ میں مکرر آجائے جیسے انسان کی تعریف یوں کریں کہ انسان وہ ہے جس میں انسانیت ہو۔ یا حیوان کی تعریف میں کہیں کہ حیوان وہ ہے جس میں حیوانیت پائی جائے۔

پادری صاحب کے مذکورہ فقرہ میں یہ دوری تعریف صراحۃً پائی جاتی ہے ایسے متکلم کے حق میں اہل منطق کہا کرتے ہیں۔

تو آشنائے حقیقت نۂ خطا ایں جا است

پادری صاحب کی غلطی اصولِ مناظرہ کے متعلق چاہیئے تو یہ تھا کہ پادری صاحب اپنی کتاب کے عنوان کو ملحوظ رکھ کر صرف اصول قرآن پر بحث کر کے اس جامع تعریف کے لحاظ سے ان کا کم درجہ ہونا ثابت کرتے مگر آپ نے جو کچھ کیا ہے وہ نہ صرف علم مناظرہ کے خلاف ہے بلکہ موجودہ عدالتوں میں مروجہ طریق گفتگو کے بھی مخالف ہے

عدالتی مثال ایک شخص دعوےٰ کرتا ہے کہ میرا فلاں مقروض اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اس

دیوالیہ قرار دیا جائے۔ عدالت کہتی ہے کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ تو جواب میں شخص مذکور کہتا ہے کہ میری دوکان خوب چلتی ہے اور میرے باپ دادا کا کارخانہ بڑا بارونق ہے۔

ناظرین انصاف سے بتائیں کہ عدالت اس جواب پر توجہ کرے گی؟ اس کے مطابق پادری صاحب کی تفریح سنئے! آپ عالمگیر مذہب کی تعریف بتا کر لکھتے ہیں کہ:۔

"ہم نے اپنی کتاب مسیحیت کی عالمگیری" کے باب دوم میں یہ ثابت کیا ہے کہ مسیحیت کی تعلیم کی اساس خدا کی محبت اور ابوت اور انسانی اخوت اور مساوات ہیں۔ اس حقیقت سے کسی صاحب عقل کو انکار کی مجال نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ مسیحیت کے یہ اصول اعلیٰ ترین ہیں اور زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہیں۔ لہذا ہر زمانہ میں ہر ملک اور قوم کے افراد ان پر عمل کر سکتے ہیں۔" (توضیح البیان ص۱۵)

ناظرین ذرا غور کریں کہ مسیحی مذہب کی عالمگیری کا ثبوت دینے کے لئے یہ کتاب نہیں لکھی گئی بلکہ قرآن مجید کی تعلیم سے عالمگیری کی نفی کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔ پھر شروع ہی میں مسیحیت کا ذکر کیوں کیا ہے۔

(نوٹ) اس اقتباس میں آپ نے جو اپنی کتاب مسیحیت کی عالمگیری" کا ذکر کیا ہے۔ ہم بھی آگے چل کر باب دوم میں اس کتاب کا ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

اس کے بعد اسلام کے متعلق آپ لکھتے ہیں:۔

"اسلام میں خدا کے ننانوے نام ہیں لیکن ان ننانوے ناموں میں "اب" یعنی باپ کا نام موجود نہیں اور نہ اس لفظ کا لطیف اور پاکیزہ مفہوم کسی اور نام سے قرآن میں موجود ہے۔ خدا کے تصور "اب" یا "رب" ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ پہلا تصور کلمۃ اللہ کا ہے دوسرا تصور اسلامی تصور ہے جو اسلام کی طبیعت، اصول اور شیوہ کا مظہر ہے یہی تصور اسلام کے عالمگیر مذہب ہونے کے مانع ہے۔ رب کا تصور اسلام کی روح رواں ہے اور آنحضرت نے دیدہ و دانستہ اس کو "باپ" کے تصور کی بجائے قائم کیا تاکہ خدا کے "باپ" ہونے کا تصور لوگوں کے دلوں سے نکل جائے" (ص۱۶)

مجیب | بالکل صحیح فرمایا ہے اَب کے معنی باپ کے ہیں۔ باپ کے لفظ کی تشریح کی

Marfat.com

ضرورت نہیں ۔اب کے معنی ہیں دو بلکہ تین مفہوم داخل ہیں۔ مثلاً اگر زید کسی کا اَب ہے تو اس کا تصور تین مفہوموں پر مشتمل ہوگا (۱) زید کی ذات (بحیثیت ذو اضافت) (۲) زید کی بیوی (۳) وہ ولد جس کا زید باپ ہے ۔جب تک کسی شخص کی ابوّت میں ان تین مفہوموں کا تصور نہ ہو وہ کسی کا اَب نہیں کہلا سکتا ۔آپ نے سچ فرمایا ہے کہ آنحضرت نے بلکہ خدا نے اب کے تصور سے ہٹانے کے لئے رب کا لفظ استعمال کیا ۔کیا آپ کے خیال میں اسلام نے اب کا لفظ بلا وجہ ترک کیا ، بلا وجہ نہیں بلکہ اس کی دلیل ایسی بتائی جو اَب کہنے والوں کے خیالی قلعے پر بم کا سا اثر کر گئی ۔ چنانچہ ارشاد ہے

اَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ

(خدا کی اولاد کیسے ہوگی اس کی تو بیوی ہی نہیں)

کیسی فلسفیانہ اور دقیق دلیل ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ٹرائیسکل (تین پہیوں والا سائیکل) کا ایک پہیہ ٹوٹ جائے یا توڑ دیا جائے تو دوسرے دو پہیے خود بخود بیکار ہو جائیں گے۔

ازالۂ شبہ شاید پادری صاحب اور ان کے ہم نواؤں کو خیال گزرے کہ ہم خدا کو ان معنی میں اَب نہیں جانتے جن معنی کے لحاظ سے اَب کے اندر تین مفہوم داخل ہیں تو جواب یہ ہے کہ وہ کونسی ضرورتِ داعی ہے کہ آپ اَب کا لفظ استعمال کریں جو موہم غلطی ہے اور رَب کا لفظ چھوڑ دیں جو بالکل صاف ہیں۔

اب کا لفظ صرف موہم غلطی ہی نہیں بلکہ عیسائیوں کے ایک بڑے گروہ کو غلطی میں ڈال چکا ہے ۔پادری علی بخش صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

" بعض مسیحیوں نے مریم کو ملکۂ آسمانی اور خدا کی جورو کہا ہے (معاذ اللہ!)
(تفسیر مصنفہ پادری علی بخش صاحب جلد اول ص۱۳۲)

خدا بھلا کرے پادری سلطان محمد خاں کا جنہوں نے رَب اور اَب کے معنی بتا کر پادری برکت اللہ کی غلطی کی اصلاح کر دی ۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ :۔

" خدا کو باپ کہنے کا یہ مطلب ہے کہ خدا ہمارا خالق ، مالک اور پروردگار ہے وہ تمام کائنات کا حقیقی بادشاہ اور فرماں روا ہے (اخوت لاہور بابت دسمبر ۳۹ء ص ۲۴)

Marfat.com

مجیب اب کے معنی کی یہ تشریح ایسی ہے جو فیصلہ کن ہے مگر چونکہ ہر ایک شخص کا دماغ اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا جہاں تک پادری سلطان محمد خاں کا پہنچا ہے۔ اس بنا پر اب کے لفظ سے غلطی لگ جانا ممکن ہے بلکہ واقعہ ہے اس لئے اسلام نے اس لفظ (اب) کے استعمال سے مسلمانوں کو منع کر دیا۔ پس پادری برکت اللہ کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ:۔

آنحضرت نے دیدہ دانستہ اس لفظ (رب) کو باپ (اب) کے تصور کی بجائے قائم کیا۔

پس اسلام آپ کے الزام کا التزام کرتا ہوا کہتا ہے ؎

مجھ میں اک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں

مزید برآں دنیا کے کسی ملک میں چلے جایئے ان کی زبان کا استعمال دیکھئے کہ وہ خدا کو اب (باپ) کہتے ہیں یا رب (پروردگار) کہتے ہیں۔ اس تحقیق کے بعد آپ کو یقیناً معلوم ہو جائیگا کہ دنیا کی اکثر آبادی خدا کو رب کہنا پسند کرتی ہے اور یہی اس کے عالمگیر ہونے کا ثبوت ہے۔

دوسرا اعتراض آپ لکھتے ہیں کہ:۔

اسلام کا اللہ حی القیوم، قادر مطلق، قہار اور جبار ہے۔ اس کا اور خلق کا باہمی تعلق خود مختار سلطان اور رعیت، آقا اور غلام کا تعلق ہے۔ خدا اور اس کی مخلوق میں باپ اور بیٹے کا تعلق نہیں۔ اگر اللہ مہربان، غفار اور الرحمٰن الرحیم ہے تو اپنی پدرانہ شفقت اور ازلی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ خسروانہ عنایات کی وجہ سے ہے۔ اگر آقا چاہے تو اپنے غلام کو معاف کرے اگر چاہے تو سزا دے۔ سب کچھ اللہ کی مطلق العنان مرضی پر موقوف ہے جس کو چاہے معاف کرے جس کو چاہے عذاب دے"۔

(بقرہ آیت ۲۸۴۔ آل عمران ۲۵،۲۴۔ مائدہ ۴۴ وغیرہ) (توضیح البیان ص۱۶،۱۷)

مجیب آپ نے پدرانہ شفقت کو خدائی ربوبیت سے بالاتر سمجھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پدرانہ شفقت رب کی غیر محدود شفقت میں سے شمہ بھر ہے اور وہ بھی اسی کی دی ہوئی۔ دیکھئے شیخ سعدی جیسا معلم اخلاق دونوں شفقتوں کا مقابلہ کرتا ہوا لکھتا ہے ؎

Marfat.com

اگر با پدر جنگ جوید کسے | پدر بے گماں خشم گیرد بسے
ولیکن خداوند بالا و پست | بعصیاں در رزق بر کس نہ بست

اس اعتراض کا دوسرا حصہ آپ کے الفاظ میں یہ ہے۔

"قرآن کا اللہ ایک قادر مطلق سلطان ہے جو ایک ذمہ دار ہستی نہیں بلکہ اللہ جو چاہے حکم دے" (مائدہ آیت ۱) لہذا قربانیوں کے وسیلہ سے اس کو خوش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن مسیحیت کا خدا محبت کا خدا ہے "وہ گنہ گار کی موت نہیں چاہتا؛ بلکہ یہ چاہتا ہے کہ گنہ گار اس کی جانب رجوع کرے" جس طرح دنیاوی باپ کی محبت اور دنیاوی ماں کی ماتما اس بات کی متقاضی ہے کہ ان کا نافرماں بیٹا ان کی جانب رجوع کرے اور اس بات کے لئے وہ ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اسی طرح خدا کی محبت اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ ہر ممکن طور سے گنہ گاروں کو اپنی جانب لائے

(یوحنا ۳: ۱۶، متی ۱۸: ۱۴، مرقس ۲: ۱۷ وغیرہ)

مجیب بندوں کے ساتھ خدا کی محبت کا ثبوت قرآن مجید کی آیات سے بکثرت ملتا ہے مثلاً۔

(۱) اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (پ۲-ع) (اللہ تعالےٰ لوگوں کے حال پر نہایت مہربان ہے)

(۲) اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ (پ۲-ع) (اللہ تعالےٰ لوگوں کے حال پر مہربان ہے مگر لوگ شکر نہیں کرتے)

(۳) اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ (پ۱۳-ع) (تمہارا رب لوگوں کی خطاؤں کو معاف کرتا ہے)

پس آپ کا یہ فقرہ کہ اللہ تعالےٰ ذمہ دار ہستی نہیں بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ذمہ دار ہستی اس بادشاہ کی ہوتی ہے جو عدل و انصاف کرے اور اپنی مرضی سے کسی کی حق تلفی نہ کرے قرآن مجید نے اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا (پ۵-ع) (اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ اگر کوئی نیکی

ہو اس کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے اور اپنی طرف سے بہت بڑا اجر دیتا ہے)

ایسا ہی آپ کا یہ فقرہ بھی غلط اور تعلیم انجیل کے سراسر خلاف ہے کہ:۔

"مسیحیت کا خدا محبت کا خدا ہے وہ گنہگار کی موت نہیں چاہتا ص۱۲"

اگر یہ بات صحیح ہے تو اس مسیحی ارشاد کے کیا معنی ہوں گے:۔

(۱) جو کوئی اپنے بھائی کو احمق کہے گا وہ آگ کے جہنم کا سزاوار ہوگا۔

(۲) جو بری خواہش سے کسی عورت پر نظر کریگا وہ جہنم میں ڈالا جائے گا (انجیل متی باب ۵)

اللہ رے اتنی خفگی کہ احمق کہنا! (بغیر ارتکاب فعل) محض بری نظر سے دیکھنا اتنا بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے کہ گنہگار تا ابد یا مدت دراز تک جہنم کا سزاوار ٹھیرتا ہے اس کے ساتھ ہی آپ کا یہ فقرہ بھی لائے دیتا ہوں کہ:۔

"مسیحیت کا خدا چاہتا ہے کہ گنہگار اس کی طرف رجوع کرے"

مسیحی خدا کی محبت کی مثالیں تو اوپر مذکور ہو چکی ہیں اب اللہ کی محبت کی مثال بھی سنئے! ارشاد ہے

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (پ۲۴ - ۴) میرے جن بندوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کئے ہیں ان کو کہہ دو کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ تمہاری ذراسی انابت پر اللہ سب گناہ بخش دے گا۔

پادری صاحب یہ ہے خدائی محبت اور وہ ہے خدائی غضب جس قدر سختی انجیل کے مذکورہ فقروں میں ہم نے دکھائی ہے وہ استاد داغ مرحوم کے کلام سے بھی بڑھ کر ہے۔ جو کہتے ہیں ؎

ایک ہی بات پہ داغ! تم ان سے بگڑ بیٹھے
اسی کا نام الفت ہے محبت اس کو کہتے ہیں

پس آپ کا یہ نتیجہ پیدا کرنا سراسر غلط ہے کہ:۔

دور حاضرہ کے لوگ صرف ایسے خدا کو ہی مان سکتے ہیں جس کی ذات محبت ہے۔ پس

Marfat.com

اسلامی تصورِ موجودہ نسل کے لئے ناقص ہے لیکن مسیحی تصورِ خدا ایک کامل تصور ہے (ص ۱۸)

مجیب | کیا خوب! انجیل کی مذکورہ تعلیم سے چشم پوشی کر کے تو ہم ایسا کہہ سکتے ہیں مگر انجیلی تعلیم کی روشنی میں دیکھنے والا مسیحیت کے خدا کو اس شعر سے مخاطب کرے گا ؎

کئے لاکھوں ستم اس پیار میں بھی آپ نے ہم پر
خدانخواستہ اگر خشمگیں ہوتے تو کیا کرتے

اصولِ اخوت

پادری صاحب نے اس سرخی کے نیچے قرآن اور انجیل کی تعلیمات متعلقہ اخوت میں فرق بتلاتے ہوئے لکھا ہے کہ انجیل کی اخوت انسانی ہے اور قرآن کی اخوت اسلامی ہے۔ اس بارے میں آپ کے الفاظ یہ ہیں:-

"ہم نے اپنی کتاب "مسیحیت کی عالمگیری" کے باب دوم میں اس موضوع پر مفصل بحث کر کے یہ بتلایا ہے کہ انجیلِ جلیل اخوتِ انسانی کا سبق دیتی ہے اور مساوات کی تعلیم و تلقین کرتی ہے چونکہ خدا کل بنی نوعِ انسان کا باپ ہے لہٰذا سب بنی آدم ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ کلمۃ اللہ نے حکم دیا کہ سب انسان بلا امتیاز رنگ، نسل، مذہب، درجہ یا قوم وغیرہ ایک دوسرے سے اپنے برابر محبت رکھیں۔" (توضیح البیان ص ۱۹)

مجیب اس بیان میں پادری صاحب نے قرآن اور انجیل دونوں کا خلاف کیا ہے۔ قرآن کی مخالفت تو آپ کو چنداں موردِ الزام نہیں بنا سکتی کیونکہ آپ کی غرض ہی یہ ہے مگر انجیل کی مخالفت کرنے کی تو آپ کو کسی طرح اجازت نہیں ہے۔ سنئیے! قرآن مجید اخوتِ انسانی کا صرف قائل ہی نہیں بلکہ اس کی لِمّ (دلیل) بھی بتاتا ہے چنانچہ فرماتا ہے

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی (پ ۲۶ - ع ۱۴)

یعنی اے انسانو! تم آپس میں بھائی بھائی ہو کیونکہ ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے۔

نیز ارشاد ہے:- وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ (پ ۴ - ع ۱۲)

یعنی آدم و حوا سے ہم نے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کیں۔

اس آیت میں بھی نسل انسانی کے اتحاد کی طرف توجہ دلا کر اخوت انسانی کی تعلیم دی گئی ہے اسی لئے قرآن مجید میں سب انسانوں کو یا بنی آدم کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ تاکہ ان کو اخوت انسانی یاد آجائے۔ مسلمانوں کو اسی انسانی برادری کے حق میں ارشاد ہوا ہے:۔

قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (پ ۱ ع ۱۰)

(سب لوگوں کے ساتھ خوش کلامی سے پیش آیا کرو)

اس سے بڑھ کر انسانی اخوت کا ثبوت اور کیا ہوگا۔

اس کے مقابلہ میں انجیل نے جن لفظوں میں غیر اسرائیل کو یاد کیا ہے ہم گمان نہیں کرتے کہ کوئی شریف آدمی دوسری قوموں کو ایسا کہے یا کوئی شریف انسان اسے اپنے حق میں سننے کا روادار ہو۔ ہم مجبور ہیں کہ پادری صاحب کے جواب میں اس کو نقل کریں ورنہ ہمارا دل اس سے کراہت محسوس کرتا ہے کیونکہ وہ الفاظ مبارکہ ہمارے مخاطب پادری برکت اللہ صاحب اور ان کے ہمنواؤں کو بلکہ ہم کو بھی شامل ہیں۔ پس سنیئے!

"ایک کنعانی عورت آئی اور کہا کہ اے خداوند (مسیح) مجھ پر رحم کر کہ میری بیٹی ایک دیو کے غلبہ سے بے حال ہے۔ اس نے جواب میں کہا میں اسرائیل (بنی اسرائیل) کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو دے دیں" (متی باب ۱۵، درس ۲۱)

پادری صاحب! ایک دفعہ پھر سارا قرآن پڑھ جایئے اور اپنے ساتھیوں کو بھی کہئے کہ وہ بھی پڑھ جائیں۔ پھر اس مضمون کی کوئی آیت ملے تو بتایئے جس میں آنحضرت کی قوم قریش کے سوا دوسری قوموں کو کتے کہا گیا ہو۔ اگر باوجود تلاش بسیار کے آپ لوگ کوئی ایسی آیت نہ پائیں تو پھر انصاف کیجئے کہ آپ نے مذکورہ اقتباس میں جو کہا ہے۔ وہ کہاں تک واقعات کی رو سے درست ہے۔ اور غور کریں کہ کہاں تک آپ نے واقعات کے اخفا سے کام لیا ہے۔ ع

ہم اگر عرض کریںگے تو شکایت ہوگی

Marfat.com

اسی نمبر میں پادری صاحب نے قرآن کے جہادی حکم کو بڑی رنگ آمیزی سے کئی صفحوں میں بیان کیا ہے جس کا لب لباب ان الفاظ میں آجاتا ہے :-

"ہر شخص اس امر کو تسلیم کرے گا کہ انجیل جلیل اور کلمۃ اللہ کے خطبات کی بنا پر کوئی شخص لوگوں کو لڑائی کے لئے ابھار نہیں سکتا۔ لیکن قرآن شریف میں خاص طور پر رسول عربی کو حکم ملتا ہے کہ "مسلمانوں کو لڑائی پر ابھار اور کافروں اور منافقوں پر سختی کر" اور ان کو "یہاں تک قتل کر کہ فتنہ یعنی غلبۂ کفر جاتا رہے اور تمام دین اللہ کا ہو جائے"۔ (توضیح البیان ص۳۲)

مجیب ہم شروع میں پادری صاحب کی شکایت کر آئے ہیں کہ آپ اخفائے واقعات کے عادی ہیں۔ مگر منصف مزاج لوگ مذہبی مباحثات میں خاصکر اخفائے واقعات کرنا جرم عظیم سمجھتے ہیں اور تمہید میں ہم یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ موسوی شریعت عیسائیوں کے لئے واجب العمل ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں مسئلہ جہاد نہ صرف مذکور ہے بلکہ واجب العمل ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ جہاد اسلام کی روح رواں ہے جس کی بابت ارشاد ہے ذروۃ الاسلام الجہاد لیکن جہاد کوئی ڈراونی چیز نہیں ہے بلکہ ایک شائستہ اور مقدس جنگ کا نام ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ (پ۔ ع)

یعنی جو لوگ تم سے مقابلہ میں لڑیں تم بھی ان سے لڑو

نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ تمہارا مقابلہ یا ایذا رسانی نہ کریں تم بھی ان سے کوئی تعرض نہ کرو۔ اب سنئے تورات شریف کا حکم جو عیسائیوں کی مقدس کتاب شریعت ہے جناب موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے :-

"جبکہ خداوند تیرا خدا تجھ کو اس سرزمین میں جس کا وارث تو ہونے جاتا ہے داخل کرے اور تیرے آگے سے ان بہت سی قوموں کو دفع کرے یعنی حتیوں اور جرجاسیوں اور اموریوں اور کنعانیوں اور فرزیوں اور حویوں اور یبوسیوں کو جو سات قومیں کہ بڑی اور قوی تجھ سے ہیں ۞ اور جب کہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کرے تو تو انہیں ماریو اور

Marfat.com

سو تم کچھو نہ تو ان سے کوئی عہد کرنا اور نہ ان پر رحم کرنا۔ نہ ان سے بیاہ کرنا۔ اس کے بیٹے کو اپنی بیٹی نہ دینا نہ اپنے بیٹے کے لئے اس کی کوئی بیٹی لینا۔ کیونکہ وہ تیرے بیٹے کو میری پیروی سے پھرائیں گے تاکہ وہ اور معبودوں کی عبادت کریں اور خداوند کا غصہ تجھ پر بھڑکے گا اور وہ تجھے یکایک ہلاک کر دے گا۔ سو تم ان سے یہ سلوک کرو تم ان کے مذبحوں کو ڈھا دو۔ ان کے بتوں کو توڑو۔ ان کے گھنے باغوں کو کاٹ ڈالو اور ان کی تراشی ہوئی مورتیں آگ میں جلا دو۔ کیونکہ تو خداوند اپنے خدا کے لئے پاک قوم ہے (استثنا باب ۷۔ ۱تا ۶)

ناظرین! حضرت مسیح کی مصدقہ موسوی شریعت میں جس کو پادری صاحب نے مخفی رکھا ہے جہاد کے متعلق کس قدر جبر و تعدی کا حکم موجود ہے۔ ایسا حکم یورپ کی گذشتہ اور موجودہ جنگ میں بھی کسی جابر سے جابر فاتح نے اپنے مفتوح کے حق میں جاری نہ کیا ہوگا۔ الامان! کیسے سخت احکام ہیں کہ مارو اور ان کے معبودوں کو توڑ دو۔ ان کے معبدوں کو گرا دو۔ ان کے باغوں کو اجاڑ دو۔ ان سے کسی قسم کا تعلق پیدا نہ کرو ؎

الامان! قہر الٰہی تھا یہ غصہ اس کا
آج قاتل نے نہ اپنا پرایا دیکھا

میں حیرت زدہ ہو گیا جب میں نے پادری صاحب کا یہ فقرہ دیکھا۔

"انجیل جلیل اور کلمۃ اللہ کے خطبات کی بنا پر کوئی شخص لوگوں کو لڑائی کے لئے ابھار نہیں سکتا۔"

میں یہ تو نہیں کہتا کہ پادری صاحب انجیل کی تعلیم بھول چکے ہیں۔ نہیں بلکہ وہی عادت مستمرہ اخفائے واقعات اپنا اثر دکھا رہی ہے۔ سنئے! انجیل جلیل میں کلمۃ اللہ (المسیح) کا ارشاد ہے۔

"یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا ہوں نہیں بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں کیونکہ میں اس لئے آیا ہوں کہ مرد کو اس کے باپ اور بیٹی کو اس کی ماں اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کروں" (متی باب ۱۰۔ فقرہ ۳۴)

Marfat.com

یہ عبارت حضرت کلمۃ اللہ کی زندگی کا پروگرام بتارہی ہے اور یہ بھی صراحتاً بتاتی ہے کہ آپ کی تعلیم میں تلوار چلانا بھی داخل تھا۔ چونکہ تلوار چلانے کے لئے جمعیت اور سامان جنگ کی ضرورت ہے جو مسیح کو حاصل نہ تھا اس لئے یہ ارادہ عملاً ظہور پذیر نہ ہوسکا۔ اس سے نفی ثابت نہیں ہوتی۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی مسلمان کہے کہ میں نے اس دفعہ سال بھر کی رخصت اس لئے حاصل کی ہے کہ میں مقامات مقدسہ کی زیارت کراؤں مگر علالتِ طبع یا سفر کی صعوبت اس کو مانع ہو تو یہ چیز اس کے ارادہ کی نقیض نہیں ہے قرآن مجید کا جہادی حکم بہ نسبت تورات کے بہت نرم ہے کیونکہ اس میں یہ بھی ارشاد ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (پ ۱۰۔ ع ۴)

(عین حالتِ جنگ میں فریقِ محارب اگر صلح پر آمادہ ہوجائے تو تم بھی ہوجاؤ)

پادری صاحب! ان دونوں جہادوں (موسوی اور محمدی) کا مقابلہ کرکے انصاف سے کہئے کہ ان میں سے کون سی جہاد انسانی فطرت پر مبنی ہے۔

پادری صاحب نے رسالہ زیرِ جواب کے ص ۲۲ پر سید مقبول احمد کی کتاب فلسفہ مذہب سے کچھ عبارت نقل کی ہے ہم اس عبارت کے جوابدہ نہیں ہیں کیونکہ سید صاحب نہ کوئی مذہبی پیشوا ہیں نہ مستند عالم ہیں کہ ان کی بات مسلمانوں کے لئے سند ہو۔ وہ اپنی بات کے ذمہ دار خود ہیں

فصل چہارم۔ اصولِ مساوات

اس فصل کے پہلے نمبر میں پادری صاحب یوں گویا ہوتے ہیں۔

"ہم نے اپنے رسالہ "مسیحیت کی عالمگیری"[1] کے باب دوم کی فصل اوّل میں یہ ثابت کردیا ہے کہ انجیلِ جلیل کا ایک ایک ورق مساوات کے سنہرے اصول سے مزیّن ہے۔ انجیل کے عالمگیر اصولِ محبت، اخوت و مساوات سے کوئی شخص یا طبقہ مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ انجیلی اصولِ مساوات نے ہر طرح کی تفریق اور درجہ بندی کو مٹا دیا۔ غلام اور آزاد۔ غریب اور دولت مند۔ اعلیٰ اور

---

[1] اس رسالے کا جواب کتاب ہذا کے دوسرے باب میں دیا جائے گا (مجیب)

ادنیٰ۔ عالم اور جاہل، مرد اور عورت کا امتیاز غرضیکہ ہر قسم کے امتیازات اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ (متی ۵،۷،۱۰ باب، توضیح البیان صفحہ ۳۳، ۳۴)

مجیب ہم پہلے کتاب ہٰذا کے صفحہ ۲۲ پر کلمۃ اللہ المسیح کا قول نقل کر چکے ہیں۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ اسرائیل کے سوا باقی قوموں کے افراد اتنے ذلیل ہیں گویا کتے ہیں۔ اس مسیحی ارشاد کی موجودگی میں کوئی مسیحی انسانی مساوات کا دعوےٰ کیونکر کر سکتا ہے۔ ہاں اسلام کہتا ہے کہ تم سب بنی آدم ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو (قرآن) نہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت ہے نہ سفید کو سیاہ پر کوئی برتری۔ کلکم بنو آدم و آدم من التراب (الحدیث) (تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہے)

آپ کا یہ کہنا کہ "انجیل کی تعلیم سے دنیا سے آزاد اور غلام کا امتیاز اٹھ گیا" انجیل کی تعلیم سے نہیں بلکہ یورپ کی آزاد منشی اور الحاد پسندی سے اٹھا ہے۔ ورنہ آج سے سو سال پہلے مسیحی ممالک میں بھی غلامی کا ثبوت ملتا ہے۔ اپنی کتاب مقدس تورات کا حکم سنیئے جس کے مطابق یہ رسم چلی آ رہی تھی۔

"جب تو کسی شہر کے پاس اس سے لڑنے کے لئے آ پہنچے تو پہلے اس سے صلح کا پیغام کو تب یوں ہو گا کہ اگر وہ تجھے جواب دے کہ صلح منظور اور دروازہ تیرے لئے کھول دے تو ساری خلق جو اس شہر میں پائی جاوے تیری خراج گذار ہو گی اور تیری خدمت کرے گی اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے جنگ کرے تو تو اس کا محاصرہ کر اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دیوے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر۔ مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کا سارا لوٹ اپنے لئے لے اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دی ہے کھائیو۔ اسی طرح سے تو ان سب شہروں سے جو تجھ سے بہت دور ہیں اور ان قوموں کے شہروں میں سے نہیں ہیں کیجیو۔ لیکن ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے۔ کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑیو[1] بلکہ تو ان کو حرم کیجیو۔ حتی اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور

---

[1] آغا تلوار میان کن ۱۲ منہ

Marfat.com

بیوی کو جیسا کہ خداوند تیرے خدا نے تجھے حکم کیا ہے تاکہ دے اپنے سارے
کریہہ کاموں کے مطابق جو انہوں نے اپنے معبودوں سے کئے۔ تم کو عمل کرنا نہ سکھلائیں
کہ تم خداوند اپنے خدا کے گنہگار ہو جاؤ (استثنا باب ۲۰: ۱۰ تا ۱۸)
جب تو لڑائی کے لئے اپنے دشمنوں پر خروج کرے اور خداوند تیرا خدا ان کو تیرے
ہاتھوں میں گرفتار کرے اور تو انہیں اسیر کر لائے اور ان اسیروں میں خوب صورت
عورت دیکھے اور تیرا جی اسے چاہے کہ تو اسے اپنی جورو بنائے تو تو اسے اپنے
گھر میں لا۔ اس کا سر منڈا اور ناخن کٹوا۔ تو وہ اپنا اسیری کا لباس اتار کے اور تیرے
گھر میں رہے اور ایک مہینہ بھر اپنے باپ اور اپنی ماں کے سوگ میں بیٹھے
بعد اس کے تو اس کے ساتھ خلوت کر اور اس کا خصم بن اور وہ تیری جورو
ہے (استثنا باب ۲۱: ۱۰ تا ۱۳)

اللہ رے خفگی! کس قدر سختی ہے کہ کسی سانس لینے والی چیز کو نہ چھوڑیو۔ سچ ہے

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

ناظرین! پادری صاحب کو اخفائے واقعات کی عادت ہے اسی لئے وہ دلیری سے ہر
ایک واقعہ کا انکار کر جاتے ہیں۔ مگر تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ ان کا دعویٰ
ہے کہ ع

من انداز قدت را مے شناسم

تعجب! پادری صاحب تو انسانی مساوات یہاں تک بڑھا رہے ہیں کہ انجیل[1] نے ہر
ایک قسم کے امتیازات اٹھا دیئے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ آج تک یہ امتیاز باقی ہے کہ دیسی
عیسائیوں اور یورپین عیسائیوں کے گرجے الگ الگ ہیں۔ عبادت گذاری کے وقت اگر خدا
کے سب بندوں کو یکساں حالت میں دیکھنا ہو تو مسجد میں آ کر دیکھئے۔ سچ ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

---

[1] تعلیم تو موزوں ہے۔ عمل ہو تو جانیں۔ ۱۲

اسی ذیل میں پادری صاحب نے کئی ایک باتیں ایسی لکھی ہیں جو ان کے سابقہ بیان کے سراسر خلاف ہیں۔ مثلاً

قریش کا تمام قوموں سے شریف النسب خیال کیا جانا کسی موالی کا یہ جرأت نہ کرنا کہ خالص عربی نژاد لڑکی سے بیاہ کی درخواست کرے وغیرہ۔ (ص۳۶)

حالانکہ آپ اسی کتاب کے شروع میں لکھ آئے ہیں کہ:-

"ہم اپنے استدلال کی بنا قرآن اور صرف قرآن پر ہی رکھیں گے۔" (ص۵)

اگر حافظہ کی کمزوری نہیں ہے تو اتنی جلدی بھول جانا قابل مصنف کی شان سے بعید ہے۔ اگر آپ بھولے نہیں تو ان دعاوی کا ثبوت قرآن مجید سے دیویں۔ ہاں ہم مانتے ہیں کہ اگر قریش یا سید وغیرہ اقوام عزت کے لائق ہیں لیکن یہی قریش اگر بدراہی اختیار کریں تو آیہ کریمہ تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَہَبٍ ان کے لئے نازل ہو چکی ہے۔ غرض اسلام میں مدار کار اعمال حسنہ ہیں۔ اسی لئے قریش کے سردار اور مسلمانوں کے امیر خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلال جیسے حبشی غلام کے حق میں سیدنا بلال فرمایا کرتے تھے۔ شیخ سعدی مرحوم سچ کہہ گئے ہیں۔

ہنر بنما اگر داری نہ جوہر　　　گل از خار است ابراہیم از آزر

آگے چل کر پادری صاحب نے اسلامی پردے پر بھی اعتراض کیا ہے اور یہ اعتراض کوئی نیا نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے پردہ دروں کی طرف سے یہ اعتراض ہوتا آیا ہے مگر معترضین اعتراض کرتے ہوئے قانون قدرت کو بھول جاتے ہیں۔ قانونِ قدرت یعنی نیچرل لاء یہ ہے کہ عورت مرد کے لئے جاذب توجہ ہے۔ اسی جذب کی حالت میں مرد کے دل میں بُرے بُرے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں یا ہو جانے ممکن ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے ان برے خیالات کو روکنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ:-

جو کوئی برے خیال سے عورت کو دیکھے وہ اپنی آنکھیں نکال پھینکے (متی باب ۵)

ہو سکتا ہے کہ یہ حکم زاہدانہ روش کے مطابق ہو مگر عام بشری تمدن میں ناممکن العمل ہے۔ اس لئے بانئ فطرت جل مجدہٗ نے انسانی فطرت کو ملحوظ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ عورت

Marfat.com

اپنے چہرے کو بالغ مردوں سے چھپایا کرے، وکتنا چھپائے؟ صرف اس قدر کہ اس کا چہرہ مرد کے لئے باعث کشش ثابت نہ ہو، بس اتنی تھوڑی سی پابندی کے ساتھ عورت کو اپنے خاوند یا باپ بیٹے وغیرہ کے ساتھ چلنا پھرنا یا بغرض تفریح سیر کرنا منع نہیں ہے۔ اس پر بھی پادری صاحب کو اعتراض ہو تو نیچرل شاعر کے اس شعر پہ غور کریں۔ جو انسانی فطرت کا اظہار کرتا ہُوا کہتا ہے ؎

بل بے خود بینئی زاہد کہ تیرے دیکھنے کو
منع کرتا ہے لو یہ اور تماشا دیکھو

صرف اتنے سے پردے پر کسی آزاد منش کا اعتراض کرنا اور پادری صاحب کا اس کو اپنی تائید سمجھنا ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم بھی ملحدین یورپ بریڈ لا وغیرہ کی تحریرات متعلقہ بائیبل اور دینِ مسیحی پیش کرکے پادری برکت اللہ صاحب کو بتائیں ؎

مشکل بہت پڑیگی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کر

قلبی شہادت ہمارا دعویٰ ہے کہ جو لوگ برہنہ رُو عورتوں کو دیکھتے ہیں وہ اپنے ضمیر کی حالت کا اندازہ کریں تو ایسے لوگ اگر نفسانیت سے مغلوب نہیں ہیں بے اختیار پکار اٹھیں گے کہ اسلامی پردہ واقعی ایک فطری امر ہے جس کا اظہار کسی نیچرل شاعر نے یوں کیا ہے ؎

دیدار مے نمائی و پرہیز مے کنی
بازارِ خویش و آتش ما تیز مے کنی

آریہ سماجی پردہ دری میں آریہ سماجی بھی مسیحیوں سے کم نہیں ہیں۔ بات بات میں پردہ کو لعنت لعنت کہنے کے عادی ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ ان دو گرؤوں سوامی دیانند اور منوجی نے نابالغ لڑکوں کو لڑکیوں کے سکول میں جانے سے بالاتفاق منع کیوں کیا ہے۔ پادری صاحب اگر آریوں سے ہمارے سوال کا جواب دلوا دیں گے تو ہم ان کا مونہہ مٹھائی سے بھر دیں گے۔

Marfat.com

اسی ضمن میں پادری صاحب نے مرد و عورت میں عدم مساوات کا الزام بھی اسلام پر لگایا ہے چنانچہ آپ کا فقرہ ذیل مضمون کی جان ہے :-

" ایام جاہلیت میں عورتوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی ۔ اسلام نے اس حالت کو کسی قدر بہتر بنا دیا ۔ لیکن ہم کو ایام جاہلیت اور اسلام کا موازنہ اور مقابلہ کرنا مقصود نہیں بلکہ ہم کو دیکھنا یہ ہے کہ آیا اسلام میں طبقہ نسواں کی حیثیت ایسی ہے کہ وہ بمقابلہ مسیحیت ایک عالمگیر مذہب ہونے کی صلاحیت رکھ سکے ۔

ایام جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ بیاہ کے لئے عورتیں خریدی جاتی تھیں ۔ زر مہر دلہن کو دیا جاتا تھا اور عورت شوہر کا مال متصور ہوتی تھی ۔ اسلام میں یہ قانون بحال رکھا گیا چنانچہ قرآن میں وارد ہے کہ " عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دو " (نساء آیت ۴) اس زر مہر کو ادا کرنے کی وجہ سے عورتیں آدمیوں کی نسبت کم درجہ خیال کی جاتی ہیں چنانچہ قرآن میں ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت بخشی ہے اور اس لئے بھی کہ مردوں نے عورتوں پر اپنا مال (زر مہر اور نان و نفقہ دیکھو ترجمہ نذیر احمد) خرچ کیا ہے پس نیک بخت عورتیں اپنے شوہروں کی اطاعت کرتی ہیں پس قرآن کے مطابق عورتیں پست درجے کی ہیں چنانچہ صاف لکھا ہے کہ مردوں کا عورتوں کے اوپر درجہ ہے " (توضیح البیان صفحہ ۳۸ ۔ ۳۹)

مجیب | اس الزام کا جواب دینے سے پہلے مرد و عورت میں قدرتی تعلق کا دیکھنا ضروری ہے اس میں شک نہیں کہ مرد اور عورت انسان کی دو صنفیں ہیں ۔ جن میں سے ایک سینیئر (اعلیٰ) اور دوسری جونیئر (ادنیٰ) ہے ۔ نظام عالم میں دنیا میں مختلف چیزوں کی طرف نظر کرنے سے یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ خالق کائنات نے ان سب چیزوں میں سے بعض کو مستعمل (کام میں لانے والی یا برتنے والی) بنایا ہے اور بعض کو مستعملہ (قابل استعمال) بنایا ہے ۔ بے جان چیزوں میں تو کچھ خفا نہیں ہے مثلاً کپڑا اور برتن وغیرہ سب چیزیں مستعملہ (قابل استعمال) ہیں ۔ جانداروں میں بھی قریباً تمام حیوانات انسان کے لئے مستعملہ ہیں ۔ مثلاً گھوڑا ، اونٹ ، ہاتھی ، گائے ، بیل ، بھینس وغیرہ ۔ اسی طرح انسان کی دونوں صنفوں (مرد عورت) کو بھی دیکھیں کہ ان میں بھی یہ دستور جاری

Marfat.com

ہے یا دونوں مساوی ہیں؛ بعد غور اس نتیجہ پر پہنچنا کچھ مشکل نہیں کہ بے شک مرد مستعمل (ا
والا) اور عورت مستعملہ (قابل استعمال) چیز ہے۔ اس دعوے پر مندرجہ ذیل فطری د
ملاحظہ کریں۔

دلائل فطریہ (۱) تزوج کی یہ غرض بالکل ظاہر ہے کہ مرد مستعمل اور عورت مستعملہ ہے ک
مرد اگر عورت سے جماع کرنا نہ چاہے تو عورت اس سے جبرًا نہیں کراسکتی۔ ہاں مرد جبرًا کر
تو کرسکتا ہے جس سے صاف ثابت ہوا کہ مرد مستعمل اور عورت مستعملہ ہے۔

(۲) آلۂ فعل خدا نے مرد کو عطا کیا ہے تو پھر مرد کے مستعمل ہونے میں کیا شک رہا؟

(۳) مرد، عورت کی ظاہری شکل وہیئت بھی اس نسبت کو بخوبی ظاہر کرتی ہے۔ مثلاً مرد
چہرے پر بوقت بلوغت عموماً بالوں کا نکلنا اور عورت کا چہرہ مدت العمر صاف رہنا جو ا
کے مرغوب الطبع ہونے کا بڑا ذریعہ ہے۔ اس نسبت کی قوی دلیل ہے۔

(۴) اولاد کے حق میں ماں کا مشقت اور سخت تکلیف اٹھانا۔ حالانکہ نطفہ یقیناً مرد
ہوتا ہے۔

(۵) مرد کا عموماً تنومند اور طاقت ور ہونا یہاں تک کہ تمام طاقت کے کاموں مثلاً
جنگ وغیرہ کا مکلف ہونا اور عورت کا عموماً اس سے سبکدوش رہنا اس امر کی دلیل ہے
کہ مرد مستعمل اور عورت مستعملہ ہے۔

پس ان دلائل فطریہ پر بنا کر کے قرآن مجید کی تعلیم کو جانچیں تو بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے
مستعمل پر فرض ہے کہ اپنے استعمال کا معاوضہ دے اور مستعملہ پر واجب ہے کہ اپنے مستعمل کی
اطاعت کرے ورنہ دونوں کی زندگی وبال جان ہو جائے گی۔

اصول عبادت اسلام کے طریقِ عبادت پر بھی پادری صاحب کو اعتراض ہے آپ
لکھتے ہیں کہ:۔

"خدا کی عبادت کے اصول پر نظر کرو تو یہی نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ مسیحیت عالمگیر مذہب ہے اور
اسلام قوم عرب کا مذہب ہے۔" (توضیح البیان ص۴۲)

مجیب اس موقع پر بھی ہم کو وہی شکایت ہے کہ پادری صاحب اصولِ مناظرہ کی پابندی

Marfat.com

تہ نہیں کرتے یا جانتے ہی نہیں۔ پادری صاحب اور ان کے ہمنوا اس کا فیصلہ کر کے ہیں
بس۔ اہل علم حضرات غور کریں پادری صاحب کا دعوےٰ ہے کہ

اسلام میں عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں

چنانچہ آپ کی کتاب کا نام "توضیح البیان فی اصول القرآن" یہی مدعا بتا رہا ہے کہ آپ کی حیثیت کتاب میں یہ ہے کہ آپ قرآنی اصولوں کے عالمگیر ہونے کی نفی کریں برخلاف اس کے آپ نے کچھ کہا ہے وہ آپ کی مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔

آداب و طرزِ عبادت کی نسبت خداوند مسیح نے فرمایا ہے کہ خدا روح ہے اور ضرور ہے کہ اس کے پرستار روح اور سچائی سے اس کی پرستش کریں" (یوحنا ۴: ۲۴) ہماری رسائی باپ کے پاس ایک ہی روح میں ہوتی ہے (افسی ۲: ۱۸) ہم ہیں جو خدا کی روح کی ہدایت سے عبادت کرتے ہیں" (فلپی ۳: ۳) خداوند سب سے جو اس کو پکارتے ہیں نزدیک ہے۔ ان سب سے جو سچائی سے اسے پکارتے ہیں" (زبور ۱۴۵: ۱۸)

پھر اوقاتِ عبادت کی نسبت انجیلی ہدایت ہے کہ" ہر وقت اور ہر طرح سے روح میں دعا اور منت کرتے رہو" (افسی ۶: ۱۸) دعا مانگنے میں مشغول اور شکرگذاری کے ساتھ اس میں بیدار رہو" (کلسی ۴: ۲) "ہر وقت دعا مانگتے رہنا اور ہمت نہ ہارنی چاہیئے" (لوقا ۱۸: ۱) "ہر وقت جاگتے اور دعا مانگتے رہو" (لوقا ۲۱: ۳۶) دعا مانگنے میں مشغول رہو" (رومیوں ۱۲: ۱۲) بلا ناغہ دعا مانگو" (تسلنیکی ۵: ۱۷)

(توضیح البیان صفحہ ۴۲)

مجیب | کوئی صاحبِ نظر اہلِ علم ہمیں بتائے کہ اس عبارت اور اسی مضمون کی ایک لمبی عبارت (جو تقریباً دو صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے) آپ کے دعوے متعلقہ اصول قرآن سے کیا تعلق رکھتی ہے؟

آپ کی مثال | یہ ہے کہ مدعی (زید) کہتا ہے کہ میں نے بکر سے سو روپیہ لینا ہے اور باوجود تقاضا پر تقاضا کرنے کے بکر نہیں دیتا۔ میرا ثبوت یہ ہے کہ میں بڑا سوداگر ہوں کئی منڈیوں میں میری دوکانیں ہیں اور میری ساکھ بہت زیادہ ہے۔ کیا معنی؟

Marfat.com

(چاول سفید ہیں لہٰذا زمین گول ہے چنانچہ اس طویل عبارت کے نتیجہ کے طور پر لکھتے ہیں۔

"اب ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ عبادت کے یہ اصول عالمگیر ہیں۔ خدا کی پرستش روح اور سچائی سے کرنی چاہیئے۔ عبادت کے لئے کوئی خاص اوقات مقرر نہیں اور نہ کوئی جگہ مقرر ہے۔ ہر وقت اور ہر جگہ انسان اپنے آسمانی باپ کی طرف رجوع کر سکتا ہے زمان و مکان کی قیود کہیں نہیں ہیں۔" (توضیح البیان ص۴۹)

مجیب آپ کی ساری عبارت سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک عبادت صرف توجہ الی اللہ اور ذکر اللہ کا نام ہے جسے قرآن مجید نے ایک مختصر سے فقرہ میں ادا کر دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اللہ کا ذکر بڑی چیز ہے)

نیز فرمایا ہے۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ (پ۵۔ ع۱۲)

(کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے اللہ ہی کو یاد کیا کرو)

بس اب تو پادری صاحب خوش ہو گئے ہوں گے کہ قرآن مجید بھی بلا قید زمان و مکان ذکر الٰہی کا حکم دیتا ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ اسلام میں پنجوقتہ نماز کا حکم بھی ہے جس پر آپ کو اعتراض ہے چنانچہ آپ کے اعتراض کے الفاظ یہ ہیں۔

"برعکس اس کے قرآن مجید میں اسلامی آداب عبادت میں زمان و مکاں کی قیود موجود ہیں جو ہمارے دعوے کی مصدق ہیں کہ اسلام عالمگیر نہیں بلکہ صرف آنحضرت کے ہم وطن عربوں کے لئے تھا۔" (توضیح البیان ص۹۴)

مجیب اس اقتباس میں بھی ہمیں پادری صاحب کی مناظرانہ غلطی کا شکوہ ہے۔ آپ کی کتاب کا موضوع یہ ہے کہ اسلام عالمگیر مذہب نہیں ہے" کیوں نہیں؟ اس لئے کہ اس میں عبادت مثلاً نماز کے لئے زمان اور مکان کی شرط ہے۔ بہت اچھا! لیکن آپ کا یہ کہنا کہ اسلام صرف عربوں کے لئے تھا؟ اس فقرہ کو عالمگیری کی نفی سے کیا تعلق؟ کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ عرب تو زمان و مکاں کی پابندی سے نماز پڑھ سکتے ہیں مگر ہم عجمی لوگ نہیں پڑھ سکتے؟ اگر یہی مطلب ہے

Marfat.com

تو آپ ہندوستان کی کسی مسجد میں جا کر دیکھ لیجئے یا کم سے کم اپنے محلہ کے قریب کسی مسجد میں جا کر معائنہ کیجئے کہ مسلمان زمان و مکان کی پابندی سے نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اگر اس فقرہ کے معنی کچھ اور ہیں تو کھول کر بیان کیجئے۔ اگر اسلامی احکام میں عالمگیری نہیں ہے تو اس میں سب ملک برابر ہونے چاہئیں۔ عرب کی اس میں کیا خصوصیت ہے۔ یہ شکایت ہمیں فنِ مناظرہ کی حیثیت سے ہے کہ پادری صاحب کے دعوے اور دلیل میں تقریب تام نہیں ہوتی۔ ہمارا یقین نہ ہو تو پادری سلطان محمد خان سے پوچھ لیجئے۔

اب ہماری دوسری شکایت سنئے کہ آپ ہمیشہ اخفائے واقعات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مسیحیوں کی نماز کی کتاب (جس کا نام دعائے عمیم ہے) مطبوعہ مطبع افتخار دہلی ۱۸۸۹ء کے صلا پر دیباچہ میں لکھا ہے۔

صبح اور شام کی نماز کی ترتیب جس کو سال بھر پڑھنا اور عمل میں لانا ہے

اس سے اگلے صفحے پر (جو اصل کتاب کا صفحہ اول ہے) یوں لکھا ہے:۔

فجر کی نماز کی ترتیب

سال کے ہر روز کے لئے

فجر کی نماز کے شروع میں خادم الدین (امام نماز مسیحیاں) بائیبل کی ان آیتوں میں سے جو نیچے لکھی ہیں ایک یا کئی ایک بلند آواز سے پڑھے اور اقرار عمیم جسے ساری جماعت خادم الدین سمیت گھٹنے ٹیک کر اسکے پیچھے پیچھے پڑھے کہے۔ مغفرت کے کلمے یا گناہوں کی معافی کے قسیس اکیلا کھڑا ہو کر فرمائے اور لوگ گھٹنے ٹیکے رہیں تب خادم الدین گھٹنے ٹیک کر بلند آواز سے خداوند کی دعا پڑھے۔ آؤ ہم سجدہ کریں اور جھکیں، اور خداوند کے حضور جو ہمارا پیدا کرنے والا ہے گھٹنے ٹیکیں کہ وہی ہمارا خدا ہے۔

اسی قسم کے فقرات اصل کتاب میں صلہ سے صلا تک نمازِ فجر کے بیان میں درج ہیں۔

اس سے آگے صلا پر شام کی نماز کا بیان ہے اس میں بھی یہی ترتیب ملحوظ رکھی ہے۔

ناظرین کرام! لفظوں کے ہیر پھیر کو چھوڑ کر ملاحظہ کیجئے کہ مسیحی نماز میں بھی حرکت و سکون

Marfat.com

اور وقت کی پابندی پائی جاتی ہے یا نہیں؛ ایسی حالت میں اگر ہم پادری صاحب کو یہ مصرع سنائیں تو بالکل بجا ہے ع

این گناہیست کہ در شہر شمانیز کنند

اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ پادری صاحب کسی خاص وجہ سے اخفائے واقعات کے مرتکب ہونے ہیں ورنہ اگر آپ گرجاہیں جاتے ہوں گے اور صبح وشام کی نماز پڑھتے ہوں گے اور اپنی نماز میں حرکت سکون بھی کرتے ہوں گے باوجود اس کے آپ اسلامی نماز کی ہیئت اور زمان و مکان پر اعتراض کرتے ہیں۔ سچ ہے۔ ع

منکرمے بودن وہم رنگ مستاں زیستن

مختصر یہ ہے کہ اسلام نے دو قسم کی عبادت فرض کی ہے۔ ایک قسم میں زمان و مکان کی کوئی شرط نہیں ہے۔ اس کا نام ذکر اللہ ہے۔ ہر وقت اور ہر جگہ خدا کو یاد کئے جاؤ کوئی پابندی نہیں۔ دوسری قسم کی عبادت وہ ہے جس میں زمان و مکان کی شرط ملحوظ ہے جیسے نماز پنجگانہ باجماعت جمعہ اور عیدین وغیرہ اور ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے۔ دوسری قسم کی عبادت جو زمان و مکان سے مشروط ہے ساری دنیا کے مسلمان بلا تکلّف ادا کرتے ہیں (فللہ الحمد!) کیا اس کے باوجود اسلام کے اصول عالمگیر ہونے میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے؛ ہرگز نہیں۔ میں پادری صاحب کو مشورہ دیتا ہوں کہ اگر وہ اسلام کی عالمگیری دیکھنا چاہتے ہیں تو پروفیسر ارنلڈ (انگریز) کی کتاب "پریچنگ آف اسلام" یا اس کا اردو ترجمہ "دعوتِ اسلام" ملاحظہ کریں جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام دنیا کے کونے کونے میں کس طرح پہنچ گیا۔

اسی طرح پادری صاحب نے اسلامی روزہ پر بھی اعتراض کیا ہے۔ یہ اعتراض خصوصیت سے قابلِ غور ہے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں:۔

"علیٰ ہذا القیاس روزہ کے فریضہ پر غور کرو جس کے باعث سحری سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے سے پرہیز کرنا لازم ہے، اول کھانا، پینا، اشیائے خوردنی وغیرہ سے پرہیز کرنا ایک جسمانی امر ہے۔ جس کا تعلق حقیقی روحانیت اور قربِ الٰہی سے نہیں ہے۔

"کھانا ہمیں خدا سے نہیں ملائے گا۔ نہ کھائیں تو ہمارا کچھ نقصان نہیں۔ اور اگر کھائیں تو نفع نہیں" (اکرہ ۸: ۸) علاوہ بریں اسلامی روزہ ایسا ہے کہ کل بنی نوع انسان اس کی شرائط کی تعمیل کرنے سے قاصر رہتے ہیں" (توضیح البیان صہ ۵۴)

مجیب یہاں بھی پادری صاحب کی مناظرانہ غلطی ہے کہ اپنے دعوے اور دلیل میں تقریب پیدا نہیں کرتے تعجب ہے کہ آپ اسلام کی مخالفت میں ایسا ادھار کھائے بیٹھے ہیں کہ اعتراض کرتے ہوئے نہ اپنی مسلمہ الہامی کتاب (تورات) کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ انجیل کا۔ یہودیوں کو موسوی تعلیم کے ذریعہ روزہ رکھنے کا حکم ہوا تھا جس میں کھانا پینا بند ہونے کی وجہ سے لازمی طور پر چہرہ اداس ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ ریاکاری کے طور پر چہرہ کی اداسی میں مزید ترقی دے کر دکھایا کرتے تھے ان کی اصلاح کے لئے مسیح نے فرمایا کہ :۔

جب تم روزہ رکھو ریاکاروں کی مانند اپنا چہرہ اداس نہ بناؤ۔ جب تو روزہ رکھے اپنے سر پر چکنا لگا اور منہ دھو تاکہ تو آدمی پر نہیں بلکہ تیرے باپ پر جو پوشیدہ ہے روزہ دار ظاہر ہو (متی باب ۶: ۱۶ تا ۱۸)

مجیب مسیح کے اس ارشاد سے کئی باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) سابقہ امم کو روزہ کا حکم ہونا (۲) یہودیوں کا روزہ میں ریاکاری کرنا (۳) مسیح کا ان کو ریاکاری سے منع فرمانا (۴) روزے کا حکم بحال رکھنا۔

کیا پادری صاحب ہمیں اس روزہ کی حقیقت بتا سکتے ہیں جو مسیح نے بحال رکھا۔ اس میں کھانے پینے کے متعلق کیا حکم تھا اور اس کا وقت کون سا تھا۔ بہر حال ہم ان سوالوں کے جوابات کے منتظر ہیں۔ پادری صاحب کا یہ اعتراض بھی معقولیت سے بہت دور ہے کہ

"کل بنی نوع انسان روزہ کی شرائط کی تعمیل کرنے سے قاصر رہتے ہیں"

ہم مانتے ہیں کہ بے شک قاصر رہتے ہیں مگر کیا بنی نوع انسان کفارہ کی تعلیم قبول کرنے سے قاصر نہیں رہتے۔ اسے بھی چھوڑیئے۔ کیا ترک حرام اور ترک کذب سے قاصر نہیں رہتے؟ کیا لوگ مروجہ قانون (تعزیرات ہند) کی تعمیل کرنے سے قاصر نہیں رہتے؟ اس سے شریعت یا قانون میں کیا نقص لازم آتا ہے؟ ہاں اگر آپ یوں اعتراض کرتے ہیں کہ :۔

Marfat.com

بنی نوع انسان روزہ نہیں رکھ سکتے" تو ہم آپ کو جواب دیتے کہ کل اسلامی دنیا میں روزہ رکھا جاتا ہے۔ ہاں اگر مہاشہ دھرم پال کے "ترک اسلام" کا یہ اعتراض آپ کے ذہن میں ہے کہ جہاں چھ چھ مہینے کا دن رات ہے وہاں روزہ کی کیا صورت ہے؟ تو ہم اس کا جواب وہی دیتے جو ترک اسلام میں دیا ہوا ہے کہ

وہاں روزہ رکھنا فرض ہی نہیں ہے کیونکہ وہاں سرے سے ماہ رمضان ہی نہیں ہوتا جو روزہ رکھنے کے لئے ظرف زمان ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (پ۲-ع۷)

(جو کوئی رمضان شریف کا مہینہ پائے وہ روزہ رکھے)

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں کہ۔

"اس کے برعکس مسیحیت نے روزہ کے لئے خاص اوقات اور مہینے مقرر نہیں کئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "خدا کی بادشاہت کھانے پینے پر نہیں بلکہ راستبازی اور میل ملاپ اور اس خوشی پر موقوف ہے جو روح القدس کی طرف سے ہوتی ہے" (روم ۱۴: ۱۶) ص ۵۴

مجیب اول تو یہ مسیح کا ارشاد نہیں ہے۔ اس لئے اس کو مسیحیت میں داخل کرنا پادری صاحبان کی سینہ زوری ہے۔ علاوہ اس کے اس عبارت کو روزے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس میں کھانے پینے میں پرہیز کرنے والوں کے حق میں ارشاد ہے کہ اپنے اخلاق بھی اچھے رکھیں ایسے لوگ ہر زمانے میں ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہیں۔

یہودیوں اور مسیحیوں کے علاوہ مسلمانوں میں بھی ہیں جو پرہیزگاری کی راہ سے پانی بھی چھان کر پیتے ہیں مگر مزاج کے کڑوے اور بداخلاق ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے یہ ارشاد بالکل بجا ہے۔ اس کو روزہ سے کوئی تعلق نہیں۔ روزے کا ثبوت متی کی عبارت مرقومہ سے صاف ثابت ہے۔

اگر اس عبارت کو اصطلاحی روزہ سے کچھ تعلق ہوتا تو الفاظ یوں ہوتے کہ

خدا کی رضا جوئی صرف کھانا پینا چھوڑنے سے حاصل نہیں ہوتی۔

چنانچہ ایک حدیث نبوی کا مضمون بھی یہی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

Marfat.com

من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس للہ حاجۃ ان یدع طعامه وشرابه. الحدیث (جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا اور برا کام کرنا ترک نہ کرے خدا کو اس کی پرواہ نہیں کہ اس نے اپنا کھانا پینا چھوڑ دیا ہے)

پس عبارتِ مذکورہ کو روزہ کے ساتھ وابستہ کرنا آپ کی زبردستی ہے کیونکہ یہ صرف ایک عام اخلاقی تعلیم ہے۔

پادری صاحب! اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے اپنی مقدس کتابوں کو بنظرِ غائر دیکھ لیا کریں اور دل میں یقین رکھا کریں کہ غیر مسیحی لوگ بھی ان کتابوں کی تعلیم سے واقف ہیں۔

آگے چل کر پادری صاحب نے اسلام کے حکم متعلقہ قربانی پر بھی اعتراض کیا ہے مگر اعتراض بھی ایسا مزیدار ہے کہ اس کا جواب دینے کو جی نہیں چاہتا آپ لکھتے ہیں کہ

"جانوروں کی قربانی کا اصول درحقیقت مذہب کی عالمگیریت کے منافی ہے" (ص۵۵)

پادری صاحب! تورات کی قربانیاں بھی آپ کو یاد ہیں؟ (ملاحظہ ہو کتاب احبار باب (۱ تا ۱۰) اسلامی قربانی کیوں منافی ہے؟ کیا اس لئے منافی ہے کہ ہر جگہ قربانی کے لئے جانور نہیں ملتے؟ نہیں جانوروں کی کم یابی کی وجہ سے منافی نہیں بلکہ اس کی وجہ کچھ اور ہے جو نہایت معقول اور دلپذیر ہے چنانچہ پادری صاحب خود ہی فرماتے ہیں کہ:۔

"ہندوستان کو دیکھ لو ہر سال قربانی کی عید پر فساد ہوتا ہے کیونکہ اہل اسلام کی قربانی سے اہل ہنود کی دل آزاری ہوتی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا یہ اصول اور حکم ہر ملک پر حاوی نہیں ہو سکتا" (ص۵۶)

جوابِ اول پادری صاحب! آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندو لوگ عام قربانی پر خفا نہیں ہوتے بلکہ خاص گائے کی قربانی پر خفا ہوتے ہیں۔ اگر ہم ایسے موقع پر جہاں فساد کا خطرہ ہو بھیڑ بکری کی قربانی کریں۔ پھر تو قربانی کا حکم عالمگیر مذہب کے منافی نہ ہوگا؟

جوابِ دوم کسی قوم کی بے جا ناراضگی کی وجہ سے اگر کوئی مذہبی عمل غلط ہو سکتا ہے تو آپ بتائیے کہ پنجاب کے دیہات میں جاٹ خصوصاً سکھ لوگ جو مسلمانوں کی مسجدوں میں اذان ہونے اور عیسائی گرجاؤں میں گھنٹے بجنے پر خفا ہوتے ہیں پھر کیا ان کی ناراضگی سے

Marfat.com

۴۰۱

یہ افعال بھی عالمگیریت کے منافی ہیں۔ عالمگیر مذہب کی جو تعریف آپ نے کی ہے اس پر نظر ثانی کر کے یہ فقرہ بھی بڑھا دیجئے کہ

عالمگیر مذہب وہ ہوتا ہے جس کی تعلیم سے کوئی قوم یا شخص رنجیدہ نہ ہو۔

پھر ہم پوچھیں گے کہ مسیحی لوگ جب اپنی کسی بستی میں گائے ذبح کرتے ہیں تو اس سے بھی ہند قوم ناراض ہوتی ہے یا نہیں؛ پس سمجھ لیجئے کہ ع

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

علاوہ اس کے ذرا اوپر چلئے! مسیح کی تعلیم سے یہودی ناراض ہوتے تھے یا نہیں؛ ضرور ہوتے تھے بلکہ ایسے ناراض ہوئے کہ ہندو لوگ بھی مسلمانوں کی قربانی سے اتنے ناراض نہیں ہوتے تھے۔ یہودی تو مسیح کے حق میں اپنی ناراضگی کا اظہار ایسے سنگین لفظوں میں کرتے تھے اور کرتے ہیں کہ ع اگر گویم زباں سوزد

اس کے بعد پادری صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"ہم نے کتاب مسیحیت کی عالمگیری کے باب دوم میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ کلمۃ اللہ (مسیح) کے اصول جامع اور عالمگیر ہیں" (صفحہ ۵۶)

جواب آپ کی اس مایۂ ناز کتاب کا جواب اسی کتاب کے باب دوم میں دیا جائیگا انشاء اللہ پادری صاحب اصول مناظرہ کے ماتحت اپنی پوزیشن کی پروا نہیں کرتے۔ ہم اپنی حیثیت سے کیوں گریں۔ آپ اس امر کے مدعی ہیں کہ "قرآن کے اصول عالمگیر نہیں ہیں"۔ ہم اتنے حصے کے جواب دہ ہیں۔ باقی رہا انجیل کا عالم گیر ہونا۔ یہ ایک الگ مضمون ہے اس لئے اس کا جواب بھی الگ ہوگا۔ آپ تو اپنی حیثیت کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ ہم آپ کے پیچھے کیوں چلیں۔

وہ اپنی خُو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

اس کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ:۔

"قرآن کے اصول اور اسلام کے احکام عالمگیر ہونے کی اہلیت نہیں رکھتے وہ زمان و مکاں کی قیود سے آزاد نہیں بلکہ قیود شرعیہ کی زنجیروں اور دیگر پابندیوں سے جکڑے

Marfat.com

ہوئے ہیں۔ وہ جامد اور ٹھوس ہیں جو ضرورتِ زمانہ اور حالتِ خاص کے مطابق نہیں ڈھالے جا سکتے ہیں۔ ضروریات زندگی تغیر پذیر ہوتی ہیں، پس وہ ہر ملک، قوم اور زمانہ کیلئے یکساں نہیں ہوتیں، لیکن اسلامی احکام ان تغیرات کے مطابق حسب ضرورت تبدیل نہیں کئے جا سکتے۔ کیونکہ شارع کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ اس کے احکام کا غیر عرب پر بھی اطلاق کیا جائے گا۔ تمام دنیا کے ممالک کے لوگ اور ہر زمانہ کے مختلف افراد ایک ہی لاٹھی سے ہانکے نہیں جا سکتے۔ خود حضرت رسول عربی کی حین حیات میں آپ کو موقعہ اور محل کے مطابق اور تغیر حالات کے باعث چند احکام بدلنے پڑے تھے۔ ناسخ و منسوخ کا مسلمہ مسئلہ اس امر پر شاہد ہے" (ص۵۷)

مجیب اس کا جواب کتاب ہذا کے صفحہ ۴ پر آچکا ہے۔ جہاں نماز کا ذکر ہے۔ یہاں بھی ہم مختصر جواب دیتے ہیں کہ اسلام کا کوئی حکم بھی ایسا نہیں ہے جو کل دنیا کی اقوام پر حاوی نہ ہو سکے۔

سب سے پہلا حکم توحید و رسالت کا عقیدہ ہے یعنی کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) پر ایمان لانا۔ دوسرا حکم پنجگانہ نماز پڑھنا ہے۔ تیسرا حکم زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ چوتھا حکم ماہ رمضان کے روزے رکھنا ہے۔ پانچواں حکم عمر بھر میں ایک دفعہ حج کرنا ہے۔ یہ سب حکم ایسے عالمگیر ہیں کہ ان کی شہادت زمانہ کے واقعات دے رہے ہیں کہ آج مسلمان کروڑہا کی تعداد میں ہر براعظم اور ہر ملک میں آباد ہیں جہاں ان احکام کی تعمیل برابر ہوتی ہے۔ آپ مزید تحقیق کرنا چاہیں تو دو راستے کھلے ہیں (۱) دنیا کا سفر کرکے اسلامی ممالک کو دیکھ لیں (۲) ابن بطوطہ کا سفرنامہ پڑھ لیں یا انگریز پروفیسر مسٹر آرنلڈ کی کتاب "پریچنگ آف اسلام" یا اس کا اردو ترجمہ "دعوت اسلام" دیکھ لیں۔ اس کتاب میں مصنف نے کل دنیا میں اشاعت اسلام اور اہل اسلام کے مذہبی اعمال کا ذکر کیا ہے۔ ان دو طریقوں میں سے جو طریقہ بھی آپ اختیار کریں گے اس کے بعد امید ہے کہ آپ اس اعتراض کو واپس لیں گے۔

اسی ضمن میں آپ نے لارڈ ہیڈلے (انگریز نومسلم) کی ایک چٹھی کا اقتباس نقل

Marfat.com

کیا ہے کہ

انگریزوں کو سوئر اور شراب کے ترک کرنے اور نماز پنجگانہ پڑھنے کا حکم دینا ان کی طبیعت کے خلاف ہے۔ (ص ۶۱)

مجیب | پادری صاحب! یہ احکام اسلام قبول کرنے سے مانع نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ لارڈ ہیڈلے کو بھی اسلام لانے سے مانع نہیں ہوئے۔ مگر مسیح کا ارشاد ذیل ہدایت قبول کرنے سے سخت مانع ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:-

"مال اپنے واسطے زمین پر جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور مورچہ خراب کرتے ہیں اور جہاں چور سیندھ دیتے ہیں۔ بلکہ اپنا مال اپنے لئے آسمان پر جمع کرو، جہاں نہ کیڑا نہ مورچہ خراب کرتے ہیں اور نہ وہاں چور سیندھ دیتے نہ چراتے ہیں" (انجیل متی باب ۶: ۱۹ تا ۲۰)

مجیب | پادری صاحب! بتائیے کہ اس حکم پر یورپ اور امریکہ کے لکھ پتی ساہوکار بلکہ ہندوستانی کلیسیا بھی عمل کر سکتی ہے اور دنیا بھر کے غیر مسیحی تجارت پیشہ لوگ ساہوکار، سیٹھ اور امیر لوگ کہاں تک اس حکم کی تعمیل کر سکتے ہیں خود مسیح کے سامنے ایک ایسا ہی واقعہ پیش ہوا تھا جس کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

"تب یسوع نے (ایک متلاشی نجات[1]) سے کہا اگر تو کامل ہوا چاہتا ہے تو جا کے سب کچھ جو تیرا ہے بیچ ڈال اور محتاجوں کو دے کہ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا تب آ کے میرے پیچھے ہو لے۔ وہ جوان یہ سن کر غمگین چلا گیا کیونکہ بڑا مالدار تھا"

تب یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولتمند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے بلکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکہ سے گزر جانا اس سے آسان ہے کہ ایک دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو (انجیل متی باب ۱۹: ۲۱ تا ۲۴)

مجیب | پادری صاحب! یہی مالدار متلاشی نجات اگر دربار محمدی میں حاضر ہو کر عرض کرتا تو وہاں سے اس کو یہ حکم صادر ہوتا ہے

---

[1] اس سے مراد نجات ہے (مجیب)

"تو ایک سال گذرنے پر اپنے مال کا چالیسواں حصہ راہِ خدا میں دے دیا کرا ور باقی اپنی ضروریات کے واسطے محفوظ رکھ لیا کرے"

تو شخص مذکور اس حکم پر بڑی خوشی اور آسانی سے عمل کر کے نجاتِ اخروی کا مستحق ہو جاتا اور پہلے کی طرح سارا مال فی سبیل اللہ خرچ نہ کرنے کی صورت میں نجات سے محروم نہ رہتا اللہ اللہ کیسی سخت ہدایت ہے کہ مالدار کا نجات پانا اس سے بھی زیادہ مشکل ہے کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے گذر جائے

مسیحی دوستو! آؤ ہم دونوں (مسیحی اور مسلم) ان دونوں تعلیموں (محمدی اور مسیحی) میں امتحان دیں۔ پھر دیکھیں کون پاس ہوتا ہے کون فیل ہے

بس ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج تیرا امتحان پر

علاوہ اس کے خنزیر اگر حرام خور قوم کو قبولِ اسلام سے مانع ہے تو یہ قبولِ مسیحیت سے بھی مانع ہے کیونکہ خنزیر کے متعلق جو حکم قرآن میں ہے وہی حکم تورات میں بھی ہے۔ اس کتاب کی تمہید میں (صفحہ ۱۲ پر) ہم لکھ چکے ہیں کہ تورات ہی مسیحیت کے لئے شریعت کی کتاب ہے۔ اس بارے میں تورات کی ہدایت یہ ہے:۔

"سوئر کہ کُھر اس کا دو حصہ ہوتا ہے اور اس کا پاؤں چرا ہے پر وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی ناپاک ہے تمہارے لئے۔ تم ان کے گوشت میں سے کچھ نہ کھائیو اور ان کی لاشوں کو نہ چھوئیو کہ یہ ناپاک ہیں تمہارے لئے" (احبار باب ۱۱: ۷-۸)

مجیب حرمتِ خنزیر کے متعلق یہ عبارت بالکل صاف ہے[1]۔ اسلئے ہم پادری صاحب کو مشورہ دیتے ہیں کہ جب تک وہ تورات کی اس ہدایت کو منسوخ کر کے نئی بائیبل نہ شائع کریں۔ اشاعتِ اسلام کیلئے خنزیر کو بطور رکاوٹ پیش نہ کیا کریں بلکہ مناسب ہے کہ ہم دونوں آپس میں مشورہ کر لیا کریں کہ خنزیر کے بدلے ان لوگوں کو کیا چیز دی جائے جسسے وہ گروہ دینِ حق کی طرف رجوع کر سکیں ہم اپنی طرف سے گوشت خوروں کے سامنے دنبے بکرے وغیرہ کا گوشت پیش کرتے ہیں اگر آپ ہم سے متفق ہیں تو ہم کہیں گے ع شکر للہ کہ میانِ من و تو صلح فتاد

---

[1] حرمتِ شراب کے لئے دیکھو امثال ۲۰: ۱ اور پولوس کا خط بنام افسیوں ۵: ۱۸

اگر آپ کے پاس کچھ اور ہے تو اپنی مذہبی تعلیم کے ماتحت اسے پیش کیجئے۔

اسی ضمن میں آپ نے ایک آزاد روش مسلم کا کلام پیش کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"اگر اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے تو کیوں ہم عربی قومی خصائص کے لئے مثلاً ختنہ عقیقہ طوافِ کعبہ، سعی صفا و مروہ و امتناع لحم خنزیر، احکامِ وراثت، نکاح طلاق و ازدواج بیع و شرا بلکہ ایک خاص طریقۂ عبادت کے لئے جو بالتخصیص عربی زبان میں ہو مجبور کئے جاتے ہیں (مقولۂ نگار مندرجہ کتاب نیر جواب ص۶۳)

مجیب | پادری صاحب! آپ مثل مشہور "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کیوں صحیح ثابت کر رہے ہیں اگر آپ ایسے آزاد رو لوگوں کی رائے کا سہارا تلاش کریں گے تو ہم بھی مسٹر بریڈلا (جن کے نام سے لاہور میں بریڈلا ہال بنا ہوا ہے) جیسے معزز رکن پارلیمنٹ انگلستان کی کتاب "تناقضاتِ بائیبل" پیش کر دیں گے۔ پھر شکایت نہ ہو۔

سنئے! اس عبارت میں آپ نے ختنے کا ذکر کیا ہے۔ اس کا حکم بھی تورات میں موجود ہے[1] عقیقہ بھی تورات کی بے حساب قربانیوں میں داخل ہے۔ طواف کعبہ بھی اشاعتِ اسلام سے مانع نہیں ہے کیا آپ نے کبھی سنا نہیں ہے کہ جس طرح عرب لوگ اعمالِ حج ادا کرتے ہیں اسی طرح ہندوستان، جاوا، سماٹرا اور چین، روس وغیرہ ممالک کے لوگ بھی مناسکِ حج بجا لاتے ہیں معلوم نہیں آپ واقعات سے چشم پوشی کیوں کرتے ہیں کیا کسی دور دراز ملک کے لوگوں نے آپ کے پاس شکایت کی ہے کہ ہم اس لئے اسلام میں داخل نہیں ہو سکتے کہ اس کے احکام کی تعمیل ہم سے نہیں ہو سکتی جب کہ خدا کے فضل سے ہر ملک کے لوگ احکام اسلامیہ کی تعمیل کر رہے ہیں تو آپ قاضی صاحب کی طرح شہر کے اندیشہ سے کیوں دبلے ہوئے جا رہے ہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ عبادت کے وقت عربی الفاظ کے استعمال پر کیوں مجبور کئے جاتے ہیں۔ آپ ہماری طرف سے ایڈیٹر "نگار" کو اطلاع دے دیں کہ ان کو عربی الفاظ میں نماز پڑھنی اگر مشکل معلوم ہوتی ہے تو وہ حسب فتویٰ امام ابوحنیفہ صاحبؒ اپنی مادری زبان میں نماز پڑھ لیا کریں پس یہ وجہ بھی قبولِ اسلام سے مانع نہیں ہو سکتی۔ اگر ان کو پڑھنی ہی نہیں تو ناحق کی حجتیں نہ تراشا کریں۔

---

[1] پیدائش ۱۰:۱۷

Marfat.com

ہاں آپ نے ایک عجیب فقرہ لکھا ہے جس کی تصدیق دنیا میں شاید کوئی ایک شخص بھی نہ کرے گا۔ گو یہ فقرہ بھی کسی آزاد خیال مسلم کی رائے ہے۔ مگر آپ نے اسے اپنی تائید سمجھ کر نقل کیا ہے اس لئے اسے بھی ہم آپ ہی کی طرف منسوب سمجھتے ہیں۔ فقرہ مذکور یہ ہے:

میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام میں تغیر کا خیال ہی ندارد ہے اس لئے ترقی کا جوہر بھی مفقود ہے (ص ۶۵)

مجیب | اس کا جواب بالکل آسان ہے جس کی تفصیل یوں ہے کہ

مسیحی تاریخ کی ابتدا سے پیغمبر اسلام علیہ السلام کی بعثت تک چھ صدیوں کے واقعات سامنے رکھ لیں۔ اسی طرح بعثتِ محمدیہ سے چھ سو سال تک کے واقعات کو ملحوظ رکھیں پھر علم تاریخ کی شہادت سے ان دونوں زمانوں کا موازنہ کرنا چاہیں تو ہم آپ کی دعوت پر آپ کے گرجے میں آکر مقابلہ کر کے دکھانے کو تیار ہیں۔ بے شک آپ سارے یورپ کی مسیحی تاریخ کو سامنے رکھیں اور ہم مختلف ممالک میں اشاعتِ اسلام کی تاریخ کو آپ کے سامنے رکھ دیں گے اور اپنی تقریر کو اس شعر سے شروع کریں گے ؎

ادھر آپیارے ہنر آزمائیں | تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

اگر آپ اس مقابلہ کی تکلیف برداشت نہ کر سکیں یا آپ کے احباب اس سے مانع ہوں تو ہم آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ آپ انگریز پروفیسر آرنلڈ کی کتاب "پریچنگ آف اسلام" (دعوتِ اسلام) کا مطالعہ کر کے صحیح رائے قائم کریں۔

ناظرین! خدا کی شان ہے کہ اسلام جو اپنے اندر ہر قسم کے پُرحکمت احکام رکھتا ہے (اعتقادیہ ہوں یا عبادیہ، اخلاقیہ ہوں یا سیاسیہ) اس پر اعتراض کرنے کو وہ صاحب پیش ہوتے ہیں جن کے مذہب کی اصل تعلیم میں ترقی کرنے کا نمونہ یہ ہے:

"ظالم کا مقابلہ نہ کر بلکہ جو تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اگر کوئی چاہے کہ تجھ پر نالش کر کے تیری قبا لے کرتے کو بھی اسے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار لے جاوے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا (متی باب ۵: ۳۹ تا ۴۱)

Marfat.com

عجیب کیا ہی دل خوش کن تعلیم ہے جو سوائے کتابی زینت کے عمل میں آ ہی نہ سکے۔

مثال پچھلے دنوں گاندھی جی نے اپنے عقیدہ کے ماتحت جنگ یورپ سے متاثر ہو کر وزیر اعظم برطانیہ کو لکھا تھا کہ:۔

ہٹلر اگر انگلستان پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تو اپنا ملک بلا مقابلہ اس کے حوالے کر دو۔

حکومت انگلستان کی طرف سے اس کا جواب جو آیا اس کا مضمون اس شعر میں ہے ؎

نہ کریں میرے لئے حضرت ناصح تکلیف
خود طبیعت دل بیتاب کو سمجھالے گی

یہ ہے مسیحی مذہب کی ترقی کا ذریعہ جو در حقیقت تنزل بلکہ موت کے برابر ہے مسیحی قوم کا بنیادی پتھر قسطنطین اعظم ہوا ہے۔ قسطنطنیہ کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اس بادشاہ کے جانشینوں نے بھی عربوں اور ترکوں کے حملوں کے وقت اس سنہری اصول پر عمل نہیں کیا بلکہ بڑے زور سے حملہ آوروں کا مقابلہ کر کے آخری دم تک جان توڑ مزاحمت کرتے رہے حالانکہ یہ لوگ مذہب کے لحاظ سے بڑے پکے عیسائی تھے۔ اس کے علاوہ صلیبی جنگوں میں مسیحیوں نے جو کچھ کیا وہ کسی تاریخ دان سے مخفی نہیں ہے نہ صرف یہ کہ ظالم کا مقابلہ نہ کیا بلکہ سلطان صلاح الدین ایوبی پر حملہ آور ہونے کو یورپ کی کل مسیحی سلطنتیں متفق ہوگئیں۔ وہ شریف انسان رچرڈ شیر دل ان سب کو لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ جس میں سب پادری شریک ہوئے یہ لوگ سوتے اٹھ کر صبح کو اپنے خواب سناتے کہ

آج رات مقدسہ مریم نے ہمیں ہدایت کی ہے کہ میرے بچوں کو کہہ دو کہ اس جنگ میں خوب ڈٹ کر لڑو۔

جب پادری لوگ اس تدبیر سے بھی کامیاب نہ ہوئے تو یہ بات بنائی کہ چونکہ فوج کے سب سپاہی گنہگار ہیں اس لئے فتح نہیں ہوتی ہمیں چاہیئے کہ معصوم (بے گناہ) بچوں کی فوج تیار کریں چنانچہ انہوں نے نابالغ بچوں کی ایک فوج بنائی جس کا افسر بھی ایک گڈریے کا لڑکا مقرر ہوا جس کی عمر قریباً گیارہ سال تھی۔ نابالغوں کی اس فوج نے گاڑیوں میں بیٹھ کر یروشلم کا رخ کیا۔ راستے میں جب کوئی بستی آتی تو بچے پوچھتے کہ یروشلم یہی ہے۔ اس سفر میں ہر مقام

Marfat.com

کے مسیحی لوگ ان کی خوب خاطر تواضع کرتے اور پادری لوگ ان کو دعائیں دیتے مگر نتیجہ یہ ہوا کہ بادِ مخالف چلنے کی وجہ سے ان مجاہدین کے کچھ جہاز تو سمندر ہی میں غرق ہو گئے اور جو باقی بچے وہ کسی اور ساحل پر جا لگے (ہائی روڈ آف ہسٹری)

پادری صاحب! کیا اس جنگ میں مسیح کی یہ تعلیم کہ ظالم کا مقابلہ نہ کر" عمل میں لائی گئی یا ترک کی گئی۔

علاوہ اس کے موجودہ جنگ یورپ (۱۹۴۱ء) میں مسیحی قومیں جو کچھ کر رہی ہیں وہ مسیح کی تعلیم عدم تشدد کے مطابق ہے یا اس کے خلاف؟ ؎

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

ایک اور حوالہ پادری صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"مولانا عبدالماجد صاحب بی اے مرحوم مولانا محمد علی کے اخبار ہمدرد دہلی میں بعنوان "ہماری بے بسی" یہ سوال پوچھتے ہیں اور فرماتے ہیں ہم کو جو مذہبی آزادی ہندوستان میں حاصل ہے اس کا اندازہ روزمرہ کی چند مثالوں سے فرمائیے۔ ہم میں سے ایک شخص حرامکاری کا مرتکب ہوتا ہے اس کے بعد وہ اپنے تئیں حد شرعی کے لئے پیش کرتا ہے کیا قانون وقت ہم کو اس کی اجازت دیگا کہ ہم اسے سنگسار کریں؟ ایک مسلمان چوری کرتا ہے دوسرے مسلمان اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنا چاہتے ہیں۔ کیا اس اسلامی سزا دینے کے بعد وہ مسلمان خود سرکاری مجرم نہ قرار پائیں گے؟ شراب کی آزادانہ تجارت اور آبکاری و افیون کے محکموں کو مسلمانانِ ہند اگر توڑنا چاہیں تو از روئے قانون توڑ سکتے ہیں؟" (۱۹ر فروری ۱۹۲۵ء) (ص ۶۷)

مجیب اس اقتباس کا مطلب بجائے خود صحیح ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کے احکام دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ احکام ہیں جو مسلم افراد کے لئے ہر حال میں واجب العمل ہیں جیسے نماز روزہ وغیرہ۔ یہ تو کسی حالت میں بھی نہ مرفوع ہیں اور نہ مشکل۔ اسلامی احکام کا دوسرا حصہ سیاست اور حکومت پر مبنی ہے یعنی اس قوم سے متعلق ہے جو برسرِ حکومت ہو۔

Marfat.com

اسی حصے میں قوانین فوجداری اور تعزیرات وغیرہ شامل ہیں۔ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی زندگی دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ مکی ہے دوسرا مدنی۔ آپ کی مکی زندگی میں سیاسی امور داخل نہ تھے بلکہ مدنی زندگی میں داخل ہوئے تھے۔ اس کے باوجود اسلام مکہ شریف میں بھی مکمل تھا اور مدینہ منورہ میں بھی مکمل تھا۔ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی زندگی جو خدا کی تقدیر سے دو حصوں میں منقسم ہوئی اس میں یہی راز مخفی ہے کہ جو مسلم قوم اپنی غفلت یا بدقسمتی سے برسر حکومت نہ ہونے کے باعث تعزیرات جاری نہ کر سکے۔ عنداللہ وہ بھی باایمان مسلم متصور ہو۔ جیسے وہ غریب مسلمان جس کے پاس مال نہیں ہے خیرات اور حج ادا نہ کرنے کے باوجود بھی مسلمان ہے۔

پادری صاحب! آپ ایم اے ہو کر اسلامی تاریخ سے اتنے ناواقف کیوں ہیں؟ کیا آپ نے اسلامی تاریخ میں نہیں پڑھا کہ اسلام ہندوستان میں تو بیشک فاتحانہ انداز میں آیا مگر چین وغیرہ ممالک میں تاجرانہ اور سیاحانہ حیثیت سے داخل ہوا۔ ابتداء سے آج تک وہاں اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی مگر مسلمان کروڑوں کی تعداد میں وہاں پائے جاتے ہیں پس یہ تاریخی واقعات ہماری تائید کرتے ہیں۔ اسلام حکومت کی حالت میں بھی دین الٰہی ہے اور رعایا ہونے کی صورت میں بھی دین الٰہی ہے جس طرح امیری کی حالت میں بھی اسلام دین الٰہی ہے اسی طرح غریبی کی حالت میں بھی دینِ الٰہی ہے۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ برسر حکومت ہو کر مسلم قوم اسی طرح ایک معزز قوم شمار ہوتی ہے جس طرح آج کل ہندوستان میں انگریز ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ماتحت اقوام مسلمان نہیں۔ دیکھیے ہندوستان میں مختلف قومیں جیسے پٹھان، ترک اور مغل وغیرہ آئے لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ حاکم قوم نے اپنے ماتحت ہندوستانی مسلمان قوموں کو مسلمان ہی نہ سمجھا ہو۔

پس اقتباس مذکورہ سے آپ کا یہ نتیجہ نکالنا (کسی طرح صحیح نہیں) جو آپ نے مندرجہ ذیل الفاظ میں نکالا ہے:۔

"کیا اس قسم کا اضطرار اور بے چینی یہ ثابت نہیں کرتی کہ اسلامی قوانین عالمگیر نہیں ہیں۔ آج کون سی مہذب سلطنت زناکاری کی سزا سنگساری اور چوری کی سزا قطع ید مانتی

تجویز کرے گی، یہ قوانین رسولِ عربی کے زمانہ کے اہلِ عرب کے لئے نہایت موزوں تھے لیکن چونکہ وہ ابتدائی قرونِ اسلام کے لئے موضوع ہوئے تھے چودہ سو سال کے بعد دورِ حاضرہ کے حالات پر ان کا اطلاق نہیں ہو سکتا" (ص ۶۶)

مجیب | عالمگیریت کا جواب تو ہو چکا۔ یہ نتیجہ نکالتے ہوئے غالباً آپ کو حکومتِ حجاز کا علم نہیں ہوگا جو آج ساری دنیا میں اصل اسلامی حکومت کا نمونہ ہے میرا مشورہ ہے کہ آپ حج کے دنوں میں کسی مسیحی کو حجاز میں بھیجیں اور ساتھ ہی اس کو کہہ دیں کہ وہ وہاں جا کر چوری کرے۔ پھر اگر وہ اپنے ہاتھ سالم لے کر آ جائے تو مجھے اطلاع دیں۔ میں بھی اس کی زیارت کو آؤنگا آپ نے ازراہ توہین اس زمانہ میں اسلام کے ان قوانین کا اطلاق نہ ہو سکنے کا چبھتا ہوا اعتراض کیا ہے۔ پادری صاحب! واقعاتِ صحیحہ اصل راہنما ہوتے ہیں جن کی راہنمائی میں غلطی نہیں ہو سکتی۔ آپ ہندوستان میں جرائم کی رپورٹ ملاحظہ کریں۔ آپ انہی آسانی کے لئے اخبار "پرکاش" ۲۴ نومبر ۱۹۳۲ء دیکھ سکتے ہیں۔ اگر یہ پرچہ آپ کو نہ ملے تو اپنی پڑوسی جماعت احمدیہ کا آرگن اخبار "پیغامِ صلح" مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۱۳ دیکھ لیجئے کہ ملک میں ہر سال گذشتہ سال کی نسبت جرائم زیادہ ہوتے ہیں۔ برخلاف اسکے عرب میں جا کر دیکھئے جہاں اسلامی حکومت قائم ہے وہاں آپ چوری، رہزنی، زناکاری وغیرہ اخلاقی جرائم شاذونادر پائیں گے یہ نظارہ دیکھ کر اسلام کے حق میں آپ کے منہ سے بے ساختہ یہ شعر نکلے گا۔

اسلام! | کیا جانے تجھ میں کیا ہے کہ لوٹے ہے تجھ پہ جی
یوں اور کیا جہاں میں کوئی حسیں نہیں

ہاں جناب! ہم تو اتنے حصے سے فارغ ہو گئے اور اب ہماری بھی سن لیجئے اور اپنے دوستوں کو بھی سنائیے!

مسیح نے فرمایا ہے کہ میں "تلوار چلانے آیا ہوں"[۱] (کتاب ہذا صفحہ ۴۲)

کیا ہندوستان کے مسیحی لوگ بھی اس حکم پر عمل کر سکتے ہیں۔ اگر کر سکتے ہیں تو شوق سے کریں اگر نہیں کر سکتے تو مسیحی مذہب عالمگیر کیسے ہوا ع ہا تھ لا استاد کیوں کیسی کہی

---

[۱] متی باب ۱۰: ۳۴-۳۵

تنبیہ | صـ۶۲ سے صـ۶۷ تک پادری صاحب نے چند مسلم اہل قلم کی مختلف رائیں نقل کی ہیں جو ان دنوں کی ہیں جن دنوں قانون خلع اور عدم فسخ نکاح مرتدہ کا بل مرکزی اسمبلی میں پیش تھا۔ اس زمانہ میں بعض اہل علم کی رائے تھی کہ حکومت سے قانون بنوانے کی ضرورت نہیں بلکہ ہمیں اپنی اصلاح خود کرنی چاہیئے۔

اس رائے کے اصحاب نے اپنی رائے کو قوت دینے کے لئے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ حکومت سے قانون بنوانا گویا شریعت کو ناقص ماننا ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ "اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ" پادری صاحب بہت خوش ہو گئے کہ ہمارے ہاتھ بڑا زبردست ہتھیار آ گیا کیونکہ بعض مسلمان عالموں نے تسلیم کر لیا کہ اسلام ایک غیر مکمل مذہب ہے۔ اسی کو کہتے ہیں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا

پادری صاحب! احکام شریعت دو قسم کے ہیں۔ یہ تقسیم اسلام سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر ایک مذہب میں پائی جاتی ہے۔ منوجی کا دھرم شاستر ہو یا شریعت موسوی۔ دونوں میں یہ تقسیم برابر پائی جاتی ہے بعض احکام شخصی ہوتے ہیں جن کے ذمہ دار افراد ہوتے ہیں بعض جماعتی جن کی ذمہ دار حکومت ہوتی ہے آپ نے ان اہل علم کی رائے تلاش کرنے میں ناحق زحمت اٹھائی ہے میں آپ کو آسان راستہ بتائے دیتا ہوں۔ آئندہ اعتراض کرنا ہو تو اس طرح کیا کرو کہ

اسلام کے احکام چور کا ہاتھ کاٹو، زانی کو سزا دو وغیرہ اس قسم کے احکام چونکہ حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے عام مسلمان ان جرائم کی سزا نہیں دے سکتے پس اسلام ایک ناکمل مذہب ہے، کیونکہ ہر ملک میں اس کے احکام کی تعمیل نہیں ہوتی"

پادری صاحب! دیکھا نہ ؎

تیغ تو اوچھی پڑی تھی گر پڑے ہم آپ ہی
دل کو قاتل کے بڑھانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

شریعت کا کامل یا غیر کامل ہونا تو اس امر پر موقوف ہے کہ اس کے احکام قابلِ عمل ہیں یا نہیں۔ رہا یہ کہ ان کے عمل درآمد میں کوئی امر مانع ہو تو یہ بات اس میں دخل انداز نہیں ہے

Marfat.com

اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ کسی گاؤں میں وبا پڑ جائے اور وہ لوگ رمضان کے روزے نہ رکھ سکیں تو روزوں کی فرضیت پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ یہی حال پادری صاحب کا ہے مسیحی مذہب پر جو اعتراضات ہیں ان پر آپ غور نہیں کرتے ان کی تفصیل ہم رسالہ ہذا کے دوسرے باب میں کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ!

پادری صاحب نے رسالہ زیر جواب کے صفحہ سے صفحہ تک اہل قرآن اور اہلحدیث کے مناظرات کا ذکر کیا ہے جس میں خاکسار ابوالوفاء اور مولوی احمد الدین امرتسری کے تحریری مکالے کا بھی ذکر ہے اور آپ نے از خود حکم بن کر یہ فیصلہ بھی دیا ہے کہ اہلحدیث حق بجانب ہیں (شکریہ!) نتیجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنوعی حکم کا فیصلہ کسی ذاتی غرض پر مبنی ہے وہ غرض یہ ہے کہ قرآن کو غیر مکمل کتاب ثابت کیا جائے چنانچہ اس بحث کے اخیر میں آپ نے یہی نتیجہ نکالتے ہوئے لکھا ہے کہ

"قرآن ایک غیر مکمل کتاب ہے" (صفحہ ۹)

اس لئے میں اس مناظرے کی روئداد سے اپنے پہلے پرچے کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں قرآن اور حدیث کے تعلق کا ذکر کرنے کے بعد میں نے یہ فقرے بھی لکھے تھے کہ:۔

"اس کی مثال آج کل کی اصطلاح میں یوں ملتی ہے کہ قانون سازی لیجسلیٹو کونسل کا کام ہے ہائی کورٹ کا کام قانون سازی نہیں مگر جس قانونی دفعہ پر ہائیکورٹ کسی صورت میں فیصلہ کر دے تو تمام صوبہ کے لئے وہ فیصلہ مثل قانون کے نافذ ہوتا ہے اور اگر پریوی کونسل کے جج کسی جانب رائے قائم کردیں تو ان کا فیصلہ سارے ممالک محروسہ کے لئے حجت ہو جاتا ہے حالانکہ وہ فیصلہ قانون نہیں بلکہ قانون کی تشریح اور حسب قانون فیصلہ ہے۔ ٹھیک اسی طرح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو قرآن مجید کے ساتھ نسبت خاص حاصل ہے۔ اس لئے حدیث نبوی کے احکام کو خدا تعالیٰ نے احکام الٰہیہ میں شمار کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ
(پ ۵ - ع)

Marfat.com

(اے نبی! آپ نے ان لوگوں کو دیکھا جن کو کہا گیا کہ جنگ سے ہاتھ بند رکھو اور نماز پڑھتے رہو" (برہان القرآن ص۳)

پادری صاحب! قرآن اور حدیث کے باہمی تعلق کی تصویر ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اہل قرآن کو بھی اس سے انکار نہ ہونا چاہیئے کیونکہ وہ بھی بعض قرآنی احکام کو باوجود عموم لفظی کے احادیث سے خاص کر لیتے ہیں۔ مثلاً نماز جمعہ کا حکم۔ جس کی بابت آیت کریمہ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ میں لفظ عام ہے۔ یہ لوگ سخت گرمی کے موسم میں عام مسلمانوں کی طرح دوپہر کے وقت ہی نماز جمعہ پڑھتے ہیں۔ فتفکروا یا اولی الالباب۔

تنبیہ ضروری پادری صاحب عمر کے لحاظ سے ابھی بڑھاپے کو نہیں پہنچے مگر میں دیکھتا ہوں کہ آپ پر نسیان غالب ہے۔ اسی لئے علم کلام کی رُو سے آپ اپنی حیثیت بھول جاتے ہیں۔ پس وہ غور سے سنیں۔ قرآن مجید میں (بالفرض) اگر جملہ ضروری احکام نہیں ہیں اور ایسے احکام ہم حدیثوں سے اخذ کریں تو بھی قرآن کے عالمگیر ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ عالم گیر مذہب کی تعریف میں آپ نے لکھا ہے کہ:۔

"عالمگیر مذہب کی لازمی شرط ہے کہ اس کے اصول دنیا کے کل ممالک اور اقوام پر حاوی ہو سکیں اور اس کا پیغام یہ اہلیت رکھتا ہو کہ زمان و مکان کی قیود سے آزاد ہو۔ اور کسی خاص قوم یا زبان یا ملک سے متعلق نہ ہو" (توضیح البیان ص۱۵)

اس تعریف کی روشنی میں میں کہہ سکتا ہوں کہ قرآن مجید میں اگر فقط ایک دو حکم ہوتے مثلاً نماز اور زکوٰۃ تو بھی قرآن عالمگیر ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اس حالت میں بھی سب قومیں اس پر عمل کر سکتی ہیں۔

آپ اپنے مذکورہ الفاظ کو غور سے دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کسی مذہب کی عالمگیریت اور چیز ہے احکام کی تفصیل اور چیز ہے۔ آپ عالمگیریت اور

Marfat.com

تفصیل کو لازم ملزوم قرار دینے میں غلطی پر ہیں۔ پس آئندہ ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کریں۔ اسلام کے برخلاف لکھتے ہوئے یہ بات دل میں رکھا کریں کہ مسلم متکلمین بال کی کھال اتارنے والے ہیں۔ ؎

سنبھل کے رکھیو قدم دشتِ خار میں مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

ناظرین کرام! پادری صاحب کی بے چارگی ملاحظہ کیجئے کہ قرآن مجید کی عالمگیریت پر بحث کرتے ہوئے ان لوگوں کے نام پیش کرتے ہیں جو جمہورِ اسلام میں اسی نظر سے دیکھے جاتے ہیں جس نظر سے عیسائیوں میں یورپ کے اہل بدعت اور ملحدین کو دیکھا جاتا تھا۔

جہاں تک نفس قرآن کی تعلیم کے مضمون کا تعلق ہے وہ تو ختم ہو گیا۔ باقی رہا آپ کا خطاب قادیانیوں اور لاہوریوں سے۔ سو اس کے جواب وہ وہی لوگ ہیں چنانچہ آپ کے مندرجہ ذیل الفاظ

"جب سے مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے قادیان کی تاریک چار دیواری سے جہاں علم و عقل کا دم گھٹتا ہے نکل کر لاہور کی علمی فضا میں سانس لینا شروع کیا ہے۔ آپ نے اپنے پیر حضرت اقدس مسیح موعود مہدی معہود حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کرشن ثانی کی بعض باتوں اور فاسد عقیدوں سے عملاً توبہ کر لی ہے" صفحہ ۲

اتباع مرزا کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ آپ جانیں اور وہ جانیں۔ آپ کی پارٹی کے رکن رکین پادری عبدالحق صاحب ہمیں کہا کرتے ہیں کہ

آپ (ثناء اللہ) ہمارے اور اتباع مرزا کے معاملات میں دخل نہ دیا کریں کیونکہ ہم دونوں مسیحی ہیں فرق اتنا ہے کہ ہم مسیح ناصری کے پیرو ہیں اور وہ مسیح قادیانی کے۔

اس لئے ہم ان کے مشورے کے مطابق آپ کے اور احمدیوں کے معاملہ میں دخل نہیں دیتے بلکہ خاموش رہتے ہیں۔ بقول ع۔ محتسب را درونِ خانہ چہ کار

Marfat.com

Marfat.com

باب دوم

مسیحیّت کی عالمگیری پر ایک نظر

سنے ہوں گے چمن میں سینکڑوں نالے ہزاروں کے
کلیجہ تھام لو اب دل جلے فریاد کرتے ہیں

پادری برکت اللہ صاحب نے اپنی دوسری کتاب میں مسیحی مذہب کی عالمگیری پر بحث کی ہے۔ ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا کیونکہ عرب کا مقولہ مقولہ

"تعرف الاشیاء باضدادھا"

بہت مشہور ہے۔ یعنی چیزیں مقابلہ سے پرکھی جاتی ہیں۔

مگر اس کتاب میں آپ نے پھر وہی اصولی غلطی کی ہے (جو آپ جیسے مصنفوں سے بعید نہیں ہے) اصول معقول یہ ہے۔

ثبت العرش ثم انقش

(پہلے تخت بناؤ پھر اس پر نقش کرو)

علم مناظرہ کا اصول بھی یہی ہے کہ دعوے اگر قابل تشریح ہو تو پہلے اس کی تشریح کی جائے پھر اگر دلیل کی حاجت ہو تو دلیل بھی پیش کی جائے۔ یہی طریق آج کل عدالتوں میں بھی مروج ہے مگر پادری صاحب کا عمل اس اصول پر ہے ؎

نہ پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

پادری صاحب کو چاہیئے تھا کہ اس کتاب میں پہلے مسیحی مذہب کی تصویر دکھاتے یعنی آپ بتاتے کہ مسیحی مذہب میں فلاں فلاں عقائد اور احکام ہیں جو ساری دنیا کے لئے قابل قبول

Marfat.com

اور قابلِ عمل ہو سکتے ہیں۔ ایسا کرنے سے شاید آپ کو یہ نقصان ہوتا کہ مضمون چند صفحات میں ختم ہو جاتا جو بلحاظ ضخامت کے کتاب کی بجائے کتیب (ٹریکٹ) ایں موسوم ہوتا جو آپ جیسے بڑے پادری کی شان کے لحاظ سے بہت کم درجے کا سمجھا جاتا۔ خیر پادری صاحب نے جو کچھ کیا ہے سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔ ہمیں اس سے کیا مطلب۔ ع

محتسب را درونِ خانہ چہ کار

آپ نے عالمگیر مذہب کی تعریف کے متعلق مختلف عنوانات کے ماتحت جو کچھ لکھا ہے اسے ہم یک جا لکھ دیتے ہیں۔ پادری صاحب فرماتے ہیں۔

(۱) عالمگیر مذہب کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے اصول ارفع اور اعلےٰ ترین ہوں۔ ان اصولوں میں یہ صفت ہو کہ دنیا کے سب لوگوں کی ضمیریں ان کو مان سکیں (ص۹)

(۲) لازمی امر ہے کہ عالمگیر مذہب خدا کی نسبت ایسی تعلیم دے جس کے سامنے ہر زمانہ اور قوم کی گردنیں جھک جائیں۔ (ص۱۰)

(۳) کوئی مذہب عالمگیر کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا جس کے اصول عالمگیر نہ ہوں۔ جس مذہب کے اصولوں میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ ہر ملک، قوم اور زمانہ اور نسل کے لوگوں پر حاوی ہو سکے۔ وہ مذہب فقط ایک ملک یا قوم یا زمانہ یا پشت کے لوگوں کے لئے ہی مفید ہو سکتا ہے۔ (ص۱۲)

(۴) لازم ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول نہ صرف زمانۂ ماضی کے لئے کسی خاص قوم یا ملک یا پشت یا زمانہ کے صحیح رہبر رہ چکے ہوں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ان اصولوں کا اطلاق دورِ حاضرہ کے تمام ممالک و اقوام پر ہو سکے (ص۱۴)

(۵) چونکہ عالمگیر مذہب کا تعلق کل اقوامِ عالم کے ساتھ ہے اور وہ زمانہ ماضی دورِ حاضرہ اور زمانہ مستقبل کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ بھی واجب ہے کہ اس کے اصول اعلیٰ ترین اور بلند ترین پایہ کے ہوں لہٰذا یہ ضروری ہے کہ عالمگیر مذہب کے اصول مذاہب عالم کے اعلےٰ اصول کے جامع ہوں (ص۱۷)

(۶) عالمگیر مذہب کے لئے نہ صرف یہ ضروری ہے کہ اس کے اصول اعلیٰ، ارفع، جامع اور

Marfat.com

کامل ہوں بلکہ یہ اشد ضروری ہے کہ اس میں یہ کامل نمونہ بھی ہو جس کی شخصیت میں وہ اعلےٰ اور افضل اصول پائے جائیں والدین اور استاد اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ اصولوں کی تلقین سے نمونہ دکھانا بہتر ہوتا ہے (ص۲۳)

عجیب

ان سارے اصولوں پر ہمارا صاد ہے۔ ان اصولوں کے ذکر کے بعد پادری صاحب نے "مسیحیت" کے عالمگیر ہونے کا دعوےٰ کیا ہے جو انہی کے الفاظ میں درج ہے۔ پادری صاحب اصل مطلب کی بات یوں لکھتے ہیں کہ:۔

"مسیحی مذہب اکیلا واحد مذہب ہے جو ان تمام شرائط کو جن کا ذکر اس باب میں کیا گیا ہے بدرجہ احسن پورا کرتا ہے۔

کلمۃ اللہ (مسیح) کی تعلیم تمام اعلیٰ ترین اور بلند ترین اصول پر مشتمل ہے۔ مسیحیت خدا اور انسان کی نسبت وہ تعلیم دیتی ہے جس سے دیگر مذاہب یکسر خالی ہیں۔ کلمۃ اللہ نے خدا کی ذات کی نسبت جو تعلیم دی ہے وہ بے نظیر لاثانی اور ابدی ہے۔" (ص۲۰)

ناظرین! زیر خط الفاظ کو غور سے پڑھیں۔ بس یہی ایک مرکزی بحث ہے۔ سب سے پہلے ہم اسی مسئلہ کی تحقیق کرتے ہیں کہ مسیحیت نے خدا کی نسبت کیا تصور پیش کیا ہے اور جو کیا ہے وہ اس قابل ہے کہ کوئی عقل سلیم اسے قبول کر سکے۔ اس جگہ ہم پادری صاحب کا ایک مختصر سا فقرہ نقل کر کے اس کو علم تاریخ کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ پادری صاحب نے نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں خدا اور مسیح کا تصور یوں دکھایا ہے کہ:۔

"عیسائی لوگ خدا در مسیح پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا پر اس لئے ایمان رکھتے ہیں کہ وہ مسیح کی مانند ہے" (مسیحیت کی عالمگیری ص۱۲۲)

اگرچہ یہی ایک فقرہ مسیحی مذہب کے خدوخال کی شناخت کے لئے کافی ہے مگر ہم تاریخ مسیحیت کی روشنی میں اس فقرہ کی تفصیل پر نظر ڈالتے ہیں۔ اس سے پہلے ناظرین مختصر سی تمہید سن لیں تیسری صدی عیسوی میں عیسائیوں میں مسیح کی شخصیت کی نسبت اختلاف شدید پیدا ہو گیا اس زمانہ میں بادشاہ قسطنطین اعظم عیسائی ہو چکا تھا۔ اس لئے اس نے مسیحی امت کی ہمدردی کے پیش نظر اس معاملہ میں دخل دے کر پادریوں کی ایک کونسل سے اس کا

Marfat.com

فیصلہ کرا دیا۔ جس کی تفصیل مندرجہ ذیل عبارت میں ملتی ہے تواریخ مسیحی کلیسیا مصنفہ پادری ڈبلیو۔ پی ہیرس بی۔ اے میں لکھا ہے:

"شہنشاہ کونسٹنٹائن اس ارادہ سے کہ کلیسیا میں زیادہ جھگڑے نہ پڑیں۔ ہسپانیہ کے شہر کورڈوا کے بشپ ہوسیس کو جو کہ مذہبی معاملات میں شہنشاہ کا صلاح کار تھا۔ اسکندریہ کو بھیجا اور الگزنڈر اور ایریس کے نام خطوط ارسال کئے جن میں تحریر فرمایا کہ یہ جھگڑا صرف لفظی تکرار ہے۔ خدا کے بھید انسانی سمجھ و ادراک سے بالا ہیں۔ اس پر تو سکندریہ میں اور بھی آگ لگ گئی۔ زیادہ فساد مچنے لگا۔ سو ہوسیس واپس شہنشاہ کے پاس آ گیا۔ اور شہنشاہ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ چونکہ اس اہم معاملہ کا فیصلہ ضروری تھا اور بعض اور بھی مشکلات تھیں۔ لہٰذا شہنشاہ نے کلیسیا کے تمام بشپوں کی ایک کونسل بتھینیا کے شہر نائیسیہ میں ۳۲۵ء کے درمیان منعقد کی اگرچہ اس سے پیشتر بھی کئی کونسلیں ہوئیں۔ مگر وہ اپنے اپنے علاقہ کی ضروریات کے مطابق تھیں۔ لیکن یہ کونسل کونسل عمیم ہوئی جس کا مدعا یہ تھا کہ تمام کلیساؤں کے وکیل جمع ہو کر اپنے ایمان اور حقیقی برادری کو ظاہر کریں۔ اس کونسل میں قریباً ۱۵۰۰ ڈیلیگیٹ اور ۳۰۰ سے زیادہ بشپ فراہم ہوئے۔ جو عموماً مشرقی کلیساؤں سے آئے تھے۔ چونکہ علاوہ مسئلہ ایریس کے اور باتیں بھی قابل فیصلہ تھیں۔ اس لئے کونسل تین مہینہ تک قائم رہی۔ افتتاحی خطبہ خود شہنشاہ نے پڑھا۔ اگرچہ مباحثہ میں شہنشاہ شامل رہا۔ مگر معاملہ کونسل کے پریزیڈنٹوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیا۔ اس کونسل میں تین پارٹیاں تھیں۔

الف۔ آرتھوڈوکس۔ جن کی تعداد تیس ایک کے قریب تھی۔ ان کے لیڈر الگزنڈر ماسیس ہوسیس اور اتھاناسیس جو الگزنڈریا کا آرچ ڈیکن تھا۔

(ب) کونسرویٹو۔ ان کی تعداد قریباً ۲۰۰ تھی۔ ان کا لیڈر قیصریہ کا بشپ یوسیبیس تھا یوں تو یہ لوگ ایرین خیالات سے متفق نہ تھے مگر یہ خیال کرتے تھے کہ کلیسیا کو اس سے چنداں نقصان کا اندیشہ نہیں۔ اس لئے ایریس سے چنداں سختی نہ کرنی چاہئے

Marfat.com

ج۔ ایرین جن کا لیڈر ایریس تھا۔ اس کے ساتھ نکومیڈیا کا بشپ یوسی بیس اور بعض مشرقی بشپ تھے جو ایریس کو پسند کرتے تھے۔

بہت مباحثہ کے بعد نکومیڈیا کے بشپ کی لیڈری میں اٹھارہ ایرین نے ایک ایرین عقیدہ کونسل میں پیش کیا۔ اور کونسل سے منظوری کی درخواست کی، لیکن اس درخواست پر سخت شورش مچ گئی اور عقیدہ پھاڑ کر پرزے پرزے کر دیا۔ اس پر ایریس کے تمام دوستوں نے ایریس کو چھوڑ دیا۔ اور ایرین ازم نامنظور ہو کر رد کر دیا گیا اس کے بعد قیصریہ کے بشپ یوسی بیس نے وہ عقیدہ پیش کیا جو اس کی کلیسیا میں رائج تھا۔ کونسل نے اس عقیدہ کو آرتھوڈکس ایمانی عقیدہ منظور کیا۔ اس پر اتھاناسیس نے عقیدہ کو زیادہ واضح کرنے کی خاطر ذیل کی تین باتیں شامل کرنے پر زور دیا۔

الف۔ خدا کا اکلوتا بیٹا ایسی تشریح کہ وہ باپ کے جوہر سے ہے۔

(ب) مصنوع نہیں بلکہ مولود۔

ج۔ اس کا اور باپ کا ایک ہی جوہر ہے۔

یہ سب کچھ منظور ہو گیا اور آخر میں ان لوگوں پر لعنت پھٹکار درج کی گئی جن کا یہ ایمان ہے کہ ایک وقت تھا کہ مسیح نہ تھا، وہ اپنے تجسّم سے پہلے موجود نہ تھا وہ نیست سے ہست کیا گیا، باپ اور بیٹے کا ایک جوہر نہ تھا، وہ مخلوق اور تبدیل پذیر ہے

یہ عقیدہ اتھاناسیس کی تشریح اور ان لعنتوں کے ساتھ کونسل میں منظور کیا گیا اور تمام بشپوں نے سوائے دو کے اس پر دستخط کر دیئے۔ سوا ایریس اور ان دو بشپوں کے جلاوطن کیے گئے اور الرّیہ کو بھیجے گئے اور حکم ہوا کہ ایریس کی تمام تحریرات جلائی جاویں" (تواریخ مسیحی کلیسیا ص۱۷۳ تا ص۱۷۵)

ناظرین کرام! اس کونسل میں اتھاناسیس کا جو عقیدہ منظور کیا گیا اس کی تشریح ایک اور کتاب میں یوں شائع ہوئی ہے۔

مقدس اتھاناسیس کا عقیدہ جو کوئی نجات چاہتا ہو اس کو سب باتوں سے پہلے

ضرور ہے کہ عقیدہ جامعہ رکھے۔ اس عقیدے کو جو کوئی کامل اور بے داغ نگاہ نہ رکھے وہ بے شک عذاب ابدی میں پڑے گا۔

اور عقیدہ جامعہ یہ ہے کہ ہم تثلیث میں واحد خدا کی اور توحید میں تثلیث کی پرستش کریں۔ نہ اقانیم کو ملائیں نہ ماہیت کو تقسیم کریں کیونکہ باپ ایک اقنوم بیٹا ایک اور روح قدس ایک اقنوم ہے۔ مگر باپ بیٹے اور روح قدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر عظمتِ ازلی یکساں جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا اور ویسا ہی روح قدس ہے۔ باپ غیر مخلوق بیٹا غیر مخلوق اور روحِ قدس غیر مخلوق۔ باپ غیر محدود، بیٹا غیر محدود اور روح قدس غیر محدود۔ باپ ازلی، بیٹا ازلی اور روح قدس ازلی تاہم تین ازلی نہیں بلکہ ایک ازلی۔

اسی طرح تین غیر محدود نہیں اور نہ تین غیر مخلوق بلکہ ایک غیر مخلوق اور ایک غیر محدود یوں ہی باپ قادرِ مطلق بیٹا قادرِ مطلق اور روحِ قدس قادرِ مطلق۔ تو بھی تین قادر مطلق نہیں بلکہ ایک قادر مطلق ہے۔ ویسا ہی باپ خدا، بیٹا خدا اور روحِ قدس خدا۔ تس پر بھی تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا۔ اسی طرح باپ خداوند بیٹا خداوند اور روح قدس خداوند۔

تو بھی تین خداوند نہیں بلکہ ایک خداوند۔ کیونکہ جس طرح مسیحی عقیدہ سے ہم پر فرض ہے کہ ہر ایک اقنوم کو جداگانہ خدا اور خداوند مانیں۔ اسی طرح دین جامع سے ہمیں یہ کہنا منع ہے کہ تین خدا یا تین خداوند ہیں۔

باپ کسی سے مصنوع نہیں نہ مخلوق نہ مولود۔

بیٹا اکیلے باپ سے ہے مصنوع نہیں نہ مخلوق پر مولود ہے۔

روحِ قدس باپ اور بیٹے سے ہے نہ مصنوع نہ مخلوق نہ مولود پر نکلتا ہے۔

پس ایک باپ ہے نہ تین باپ ایک بیٹا ہے نہ تین بیٹے۔ ایک روح قدس ہے نہ تین روح قدس۔

اور اس تثلیث میں ایک دوسرے سے پہلے یا پیچھے نہیں۔ ایک دوسرے سے

Marfat.com

بڑا یا چھوٹا نہیں۔ بلکہ تینوں اقانیم باہم ازل سے برابر یکساں ہیں۔
اس لئے سب باتوں میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا تثلیث میں توحید کی اور توحید میں
تثلیث کی پرستش کرنی چاہیئے۔ پس جو کوئی نجات چاہتا ہے اسے ضرور ہے کہ تثلیث
کی بات ایسا ہی سمجھے۔ علاوہ اس کے نجاتِ ابدی کے لئے ضرور ہے کہ ہمارے
خداوند یسوع مسیح کے مجسم ہونے پر بھی ایمان صحیح رکھے۔ کیونکہ ایمان صحیح یہ ہے
کہ ہم اعتقاد اور اقرار کریں کہ خدا کا بیٹا ہمارا خداوند یسوع مسیح خدا اور انسان بھی ہے
خدا ہی باپ کی ماہیت سے عالموں کے پیشتر مولود اور انسان ہے۔ اپنی ماں کی ماہیت
سے عالم میں پیدا ہوا۔ کامل خدا اور کامل انسان نفس ناطقہ اور انسانی جسم کے ساتھ
الوہیت کی راہ سے باپ کے برابر اور انسانیت کی راہ سے باپ سے کمتر۔ وہ
اگرچہ خدا اور آدمی بھی ہے پر دو نہیں بلکہ ایک مسیح ہے۔ ایک ہی اس طور پر نہیں
کہ الوہیت کو جسم سے بدل ڈالا بلکہ انسانیت کو خدا میں لیا۔ سب طرح سے ایک
ہی ماہیت کے ملانے سے نہیں بلکہ اقنوم کی یکتائی سے۔ کیونکہ جس طرح نفس ناطقہ
اور جسم ایک انسان ہے اسی طرح خدا اور انسان ایک مسیح ہے جس نے ہماری
نجات کے واسطے دکھ اٹھایا۔ عالمِ ارواح میں جا اترا۔ تیسرے دن مردوں
میں سے جی اٹھا۔" (دعائے عمیم از صفحہ ۲۴ تا صفحہ ۲۶)

برادران! یہ ہے مسیحی مذہب کا بنیادی پتھر اور اس کا تاریخی پس منظر۔ پادری فنڈر صاحب
ہندوستان میں سب سے پہلے انگریز پادری ہیں جن کا مباحثہ مولوی رحمت اللہ صاحب
کیرانوی مرحوم سے ہوا تھا۔ یہ مشہور پادری صاحب اپنی کتاب "میزان الحق" میں
مسیح کی بابت لکھتے ہیں:۔

"انجیل سے صاف ظاہر و یقین ہے کہ یسوع مسیح صرف تعظیم کی راہ سے خدا کا بیٹا
نہیں کہلاتا بلکہ فی الحقیقت الوہیت کے مرتبہ میں ہے اور صفاتِ الوہیت اس
میں پائی جاتیں (رہیں) اور وہ خدا کے ساتھ ایک ہے اور خود خدا ہے۔"

(میزان الحق مطبوعہ ۱۸۹۲ء صفحہ ۱۳۶)

Marfat.com

یہی پادری صاحب اپنی دوسری کتاب (مفتاح الاسرار) میں مسیح کی شخصیت کی بابت یوں رقم طراز ہیں۔

"وہ جو جنگل میں جلتے ہوئے بوٹے میں موسیٰ پر ظاہر ہوا مسیح تھا" (ص۳۵)

مجیب | ان حوالہ جات کا نتیجہ ہم اپنے لفظوں میں نہیں بلکہ پادری فنڈر صاحب ہی کے الفاظ میں بتلاتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"اس (مسیح) نے ہم بندوں پر واجب کیا کہ جیسا باپ کو ویسا ہی اس کو مانیں اور اس کی بندگی کریں (مفتاح الاسرار ص۱۷)

ناظرین غور کریں کہ کیسی پیچیدہ تعلیم ہے جو انسان کی عقل سلیم کے صریح خلاف ہے۔ ایک طرف خدائے واحد حی القیوم کی عبادت کریں دوسری طرف اس کے ساتھ مسیح کی بھی عبادت کریں جس کی پیدائش اور موت کی بابت انجیل متی میں لکھا ہے کہ:۔

"اب یسوع مسیح کی پیدائش یوں ہوئی الخ ×× یسوع (مسیح) نے پھر بڑے شور سے چلا کر جان دی" (انجیل متی باب ۱: ۱۸، ایضاً باب ۲۷: ۵۰)

مسیح کی زندگی پر غور کرو ساری عمر دشمن اس پر غالب رہے۔ آخر حسب شہادت انجیل اس کو گرفتار کرکے کانٹوں کا تاج پہنایا اور پھانسی کے تختے پر لٹکایا۔ وہ مظلوم اس مصیبت کی حالت میں عاجزانہ دعائیں کرتا رہا۔ چنانچہ انجیل متی میں لکھا ہے کہ:۔

"(مسیح) کچھ آگے بڑھ کر منہ کے بل گرا اور دعا مانگتے ہوئے کہا کہ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ (موت) مجھ سے گذر جائے" (متی باب ۲۶: ۳۹)

ہم اس امر میں زیادہ تفصیل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے خود پادری فنڈر صاحب لکھتے ہیں۔

"عقل انسانی یسوع مسیح کی الوہیت کا مرتبہ دریافت کرنے اور پہچاننے میں عاجز و قاصر ہے (میزان الحق ص۱۴۷)

ہمارے خیال میں پادری صاحبان کو اس معقولی مسئلہ میں غلطی لگی ہوئی ہے۔ عقل کا کسی چیز کے ادراک سے قاصر رہنا اور بات ہے اور کسی چیز کو مردود قرار دینا اور بات۔ عیسائی حضرات ان دو نکتوں میں فرق نہیں کرتے۔ اس کی مثال سنئے! عقل دو دونے پانچ کے ادراک

Marfat.com

سے قاصر نہیں ہے بلکہ اس کو غلط جان کر مردود قرار دیتی ہے۔

ٹھیک اسی طرح مخلوق کو خالق سمجھنا یا عابد کو معبود ٹھیرانا عقل کے صریح خلاف ہے یہ بات نہیں کہ عقل اس کے فہم سے قاصر ہے۔ قرآن مجید نے اس علمی نکتہ کو ان مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (پ۱۴-ع۲)

(کیا خالق و مخلوق دونوں معبود ہو سکتے ہیں)

ہماری مخاطب مسیحی پارٹی کے ایک رکن پادری عبدالحق صاحب اس مغلق عقیدہ کو یوں حل کرتے ہیں:۔

"کلام مقدس سے یہ معرفت حاصل ہوتی ہے کہ ذات الوہیم میں باپ، بیٹا اور روح القدس تین اقنوم ہیں (متی ۱۸، ۱۹) اور ان اقانیم کا امتیاز بطون ذات میں ہے کسی خارجی ما بہ الامتیاز کا گزر نہیں اور نہ کسی بیرونی تفریق کو اس میں راہ ہے اقنوم اول کو لفظ باپ، اقنوم ثانی کو کلام، اقنوم ثالث کو روح القدس سے تعبیر کیا گیا ہے" (رسالہ اثبات التثلیث ص۱۶)

مجیب | بہت خوب! پادری صاحب موصوف چونکہ منطقی تقریر کیا کرتے ہیں اس لئے ہم ان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کسی شے کے بطن میں تین مختلف اقانیم کا ہونا ان اقانیم کے منشا کے بغیر کیسے ہو سکتا ہے۔ جب تک کسی شے میں تین چیزوں کا منشا[1] مختلف نہ ہو۔ وہ تین نہیں کہلا سکتیں۔

اہل منطق کہتے ہیں کہ انسان حیوان ناطق ہے۔ بے شک اس کے خارجی وجود میں ان جزؤں کے درمیان ایسا امتیاز نہیں ہے جیسا کہ ہم کشتی میں لوہے اور لکڑی کی صورت میں امتیاز پاتے ہیں۔ مگر عقل انسانی انسان کے باطن میں ان دو چیزوں کا منشا الگ الگ پاتی ہے۔ کسی امتیازی ادراک کی وجہ سے عقل انسانی حیوانیت کو عام سمجھ کر اسے جنس کے نام سے موسوم کرتی ہے اور ناطق کو فصل سے تعبیر کر کے مقوم نوعیت ٹھیراتی ہے

---

[1] منشا سے مراد منطقی اصطلاحی منشا ہے۔ یعنی مصدر نہ بمعنی مرضی ۱۲ منہ

Marfat.com

اور ان دونوں جزوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت قرار دیتی ہے۔ اگر کوئی پوچھے کہ عقل ایسا کیوں کرتی ہے تو عقل کی طرف سے اس کا جواب یہ ہوگا کہ میں انسان کی ماہیت میں دو چیزیں پاتی ہوں ایک چیز حیوانیت ہے جس میں وہ دوسرے جانداروں کے ساتھ شریک ہے۔ دوسری چیز انسان کا ادراک ہے جو دوسرے حیوانوں میں نہیں پایا جاتا۔ پادری عبد الحق صاحب کا مافی الضمیر غالباً یہی ہے کہ جس طرح انسان کے باطن میں دو مختلف اجزا موجود ہیں، اسی طرح خدا کے باطن میں تین مختلف اجزا، باپ، بیٹا اور روح القدس پائے جاتے ہیں۔

اس تمثیل کے بعد ہم اہل منطق کے قاعدہ سے پادری صاحب سے یہ سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ انسان اپنی ماہیت میں اجزائے ذہنیہ کے لحاظ سے مرکب ہے یا بسیط۔

سب اہل منطق اس پر متفق ہیں کہ انسان مرکب ہے اور اس کی ترکیب کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے دو جزوں میں عموم خصوص کی نسبت پائی جاتی ہے جو اثنینیت پر مبنی ہے پس اب حسب عقیدہ مسیحیاں خدا کے مرکب ہونے میں کوئی شک باقی رہا؟ (ہرگز نہیں) یہ بحث تو خدا تعالےٰ کی ذات کی نسبت ہے۔ مسیح کی ذات کی نسبت تو مطلع صاف ہے۔ مسیح کے حق میں مقدس اتھاناسیس کا حسب ذیل عقیدہ بالکل واضح ہے:-

"جس طرح نفس ناطقہ اور جسم ایک انسان ہے اسی طرح خدا اور انسان ایک مسیح ہے" (حوالہ مذکور)

پس مسیح کے حق میں کیسا صاف فیصلہ ہے کہ وہ دو جزوں سے مرکب ہے اس سے زیادہ واضح بیان کیا ہوگا اس سے ثابت ہوا کہ عیسائیوں کا ایک معبود (مسیح) یا تثلیث کا ایک اقنوم (رکن) مرکب ہے۔ اس کے ساتھ یہ منطقی قضیہ بھی ملا لیجئے کہ "جو مرکب ہے وہ حادث ہے" پس مسیح اپنی ذات میں حادث (مخلوق) ہے۔ دیکھئے قرآن مجید کیسی پتہ کی بات بتاتا ہے ارشاد ہے۔ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (پ ۳ - ع ۱۴)

ملہ عیسی علیہ السلام کی مثال (پیدائش میں) حضرت آدم کی سی ہے۔ ۱۲ منہ

ناظرین کرام! کیا مسیح کے متعلق یہ عقیدہ عالمگیر ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے یا وہ جو عیسائی
سکھاتے ہیں جس کی تفصیل ابھی مذکور ہوئی ہے ؎

بس تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا
یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

(نوٹ) نزول قرآن کے زمانہ میں عیسائیوں کے دو گروہ زیادہ مشہور تھے جو حضرت مسیح کی نسبت مختلف خیالات رکھتے تھے ایک گروہ کا قول تھا کہ خود خدا تعالےٰ مجسم ہو کر بشکل مسیح دنیا میں ظاہر ہوا۔ دوسرا گروہ وہ تھا جس کا خیال تھا کہ مسیح تثلیث کا ایک اقنوم (جزء) ہے جو مجسم ہو کر بشکل انسان دنیا میں آیا۔ یہی دو گروہ آج بھی موجود ہیں۔ پہلے گروہ کا عقیدہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہے کہ:۔

خدا تعالےٰ نے گنہگاروں کی نجات کا انتظام اپنی حسن پیش بینی سے کیا اور تجسم اختیار کر کے انسان پر اپنی پاک مرضی ظاہر کی (دیباچہ کتاب کلام اللہ ص م)

اس گروہ کا رد قرآن مجید نے ان الفاظ میں کیا ہے :۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (پ ۶ ع)

(کافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ ہی مجسم ہو کر مسیح ابن مریم کی شکل میں آ گیا ہے)

دوسرے گروہ کا عقیدہ اصل الفاظ میں وہ ہے جو پادری عبدالحق صاحب نے عبارت مرقومہ بالا میں ظاہر کیا ہے جس میں آپ نے تثلیث کی تصویر دکھائی ہے۔ اس گروہ کا رد قرآن مجید نے بالا الفاظ ذیل کیا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (پ ۶ ع)

(کافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ خدا کے باطنی حصے تین ہیں جن میں سے ایک باپ (خدا) ہے

تیسرا گروہ عیسائیوں میں وہ ہے جو مسیح کے ساتھ اس کی والدہ مریم کی بھی عبادت کرتا ہے اور اس سے اپنی حاجات طلب کرتا ہے

سکندر آباد دکن میں میں نے رومن کیتھولک عیسائیوں کا گرجا دیکھا جس میں مریم صدیقہ کا مجسمہ نصب ہے اس کے سامنے عیسائی لوگ ہندوؤں کی طرح ڈنڈوت (سلام) کرتے

Marfat.com

ہیں۔ نزول قرآن کے زمانہ میں یہ گروہ عرب میں بکثرت پایا جاتا تھا ان کا رد قرآن مجید میں ایک خاص پیرائے میں کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:۔

مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ ۖ كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۗ اُنْظُرْ كَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ○ (پ ۶ ۔ ع ۱۴)

مسیح ابن مریم اللہ کا ایک رسول تھا اس سے پہلے کئی رسول گزر چکے تھے اس کی ماں خدا کی نیک بندی تھی، یہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے دیکھو ہم کس طرح دلائل بیان کرتے ہیں پھر بھی یہ لوگ بہکے چلے جاتے ہیں۔

اہل منطق کے نزدیک دلیل کی دو قسمیں ہیں ایک لمّی اور دوسری انّی۔ علت کے علم سے معلول کا علم حاصل ہو تو وہ دلیل لمّی کہلاتی ہے۔ جیسے سورج کا وجود دن کے لئے دلیل لمّی ہے۔ معلول سے علت کا علم حاصل ہونا دلیل انّی ہے جیسے سرعت نبض سے بخار کا علم حاصل ہوتا ہے۔ کوئی شخص کھانے کا محتاج ہو تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ معبود نہیں ہے۔ یہ دلیل انّی اور لمّی دونوں قسم کی ہو سکتی ہے۔ مگر اس کو انّی کہنا زیادہ راجح ہے بہر حال یہ ایک یقینی دلیل ہے کیونکہ خدا کی ذات کھانے پینے سے بالکل بے نیاز ہے (وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ) اسی لئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ ہم مسیحیوں کے عقائد کی اصلاح کے لئے دلائل بیان کرتے ہیں مگر پھر بھی یہ لوگ بہکے چلے جاتے ہیں۔

الحاصل یہ کہ قرآن مجید میں مسیح کی شخصیت کی بابت الفاظ ذیل میں جو ارشاد ہوا ہے

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ (پ ۶ ۔ ع ۳)

وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ [1] (پ ۳ ۔ ع ۱۳)

اس کو تو عقل سلیم مان سکتی ہے لیکن مسیحی لوگ ان کی نسبت جو اعتقاد رکھتے ہیں جس کا ثبوت عبارات مرقومہ بالا میں دیا گیا ہے۔ وہ اہل عقل کے نزدیک کسی طرح قابل قبول نہیں ہے چنانچہ مسیحی رسالہ "اخوت" ہمارے قول کی تائید میں لکھتا ہے کہ:۔

---

[1] مسیح اللہ کا رسول ہے اور دونوں جہان میں معزز و مقرب ہے ۱۲ منہ

Marfat.com

"مسیح نے کہا تھا کہ "میں اور باپ ایک ہیں" اس قسم کے بیانات نہایت وحشت انگیز اور لرزہ خیز ہیں اور آج بھی انہیں سن کر اہل دنیا کے دلوں میں کچھ کم کراہیت اور نفرت پیدا نہیں ہوتی" (اخوت لاہور بابت جنوری ۱۹۴۱ء صلا)

مجیب معاصر موصوف نے بالکل سچ کہا ہے واقعی یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک ہی شخص ازلی بھی ہو اور حادث بھی، خدا بھی ہو اور انسان بھی، کھائے پئے بھی بچے جنے مرے بھی۔ پھر بھی خدا کا خدا بنا رہے۔ متضاد باتیں پادری برکت اللہ اور ان کے ہمنواؤں کے سوا کوئی دوسرا شخص نہیں مان سکتا۔ چنانچہ پادری برکت اللہ صاحب اسی رسالہ میں لکھتے ہیں:۔

"حقیقت عیسوی ایسی حقیقت ہے جس کی کہنہ تک پہنچنے میں عقل انسانی ورطہ حیرت میں پڑی ہوئی ہے۔ (مسیحیت کی عالمگیری ص۱۳)

اس حیرت کی وجہ ہم پادری صاحب ہی کے الفاظ میں بتاتے ہیں۔ ایک طرف تو آپ لکھتے ہیں کہ:۔

الوہیت کی ساری معموری اس (مسیح) میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے (ص۳۸)

اس کے ساتھ ہی آپ یہ بھی لکھتے ہیں:۔

"الوہیت اور کامل انسانیت آں خداوند (یسوع مسیح) کی شخصیت میں نظر آتی ہیں (صفحہ ایضاً)

اس کے باوجود آپ یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔

"آپ (مسیح) فرماتے ہیں کہ میں صرف خدا اور اس کی رضا کو ہی اپنی نظروں کے سامنے رکھوں گا اور صرف اسی کو سجدہ کروں گا" (ص۴۳)

پادری صاحب مزید فرماتے ہیں

آپ (مسیح) خدا سے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہ ہوئے آپ میں اور خدا میں مغائرت نظر نہیں آتی (ص۱۵۲)

ناظرین کرام! یہ ہے مسیحی تعلیم جو خدا اور مسیح کی نسبت ہمیں بتائی جاتی ہے ہم اس پر کیا سوال کریں۔ جبکہ ہمیں یہ کہہ کر روک دیا گیا ہے کہ اس مسیحی عقیدہ کو سمجھنے سے عقل حیرت میں ہے اگر پوچھیں تو جواب یہی ملے گا کہ جس عقل سے آپ سوال کرتے ہیں وہ بیچاری تو حیرت زدہ ہے لیکن ہم

Marfat.com

خدا کے فضل سے کہہ سکتے ہیں کہ ہماری عقل حیرت زدہ نہیں ہے بلکہ ہماری عقل صائب الرائے ہے
اس لئے ہم پادری صاحب اینڈ پارٹی اور ان کی معرفت کل مسیحی دنیا سے سوال کرتے ہیں کہ:۔

انجیل متی کا یہ فقرہ کہ "مسیح نے صلیب پر چلا کر جان دی"

اس چلا کر جان دینے کے وقت بھی مسیح مجسم خدا تھا یا نہیں ۔ اور اس میں اور خدا میں کوئی مغائرت تو نہ تھی ۔ پھر چلا کر جان کس نے دی ۔

یہاں پہنچ کر ہم تو رک جاتے ہیں آپ ہی بتایئے کہ وہ کون تھا؟

ع اگر گویم زباں سوزد

پادری صاحب! آپ نے مسیحی مذہب کو عالمگیر ثابت کرنے کے لئے قلم اٹھایا ہے۔ مگر مسیحیت کی تصویر ایسی دکھائی ہے جسے دیکھ کر ہر ایک ادنی و اعلیٰ بقول آپ کے محو حیرت ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہو گا ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بو العجبی است

جہلاء اور کم عقلوں کو تو آپ کہہ دیں کہ تم کو عقل نہیں ۔ اگر عقل مند لوگ اعتراض کریں تو ان کو جواب دیں کہ عقل خود حیرت میں ہے ۔ اور کہنے کو یہ دعوے کریں کہ

"مسیحیت عالمگیر مذہب ہے"

مختصر یہ ہے کہ مسیح کے متعلق جو تعلیم قرآن مجید نے دی ہے وہ بے شک قابل قبول ہے اس کے قبول کرنے میں عقل انسانی کو کسی قسم کی حیرت نہیں ہوتی ۔ مثلاً ارشاد ہے :۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

(پ ۲۵ - ع ۱۲) (مسیح ہمارا نیک بندہ ہے ہم نے اس پر انعام کیا اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہادی بنایا)

اس آیت کا مطلب صاف ہے حضرت مسیح خدا کے نیک بندے اور رسول تھے الوہیت میں ان کو کوئی حصہ نہ تھا اس مضمون کی تائید انجیل بھی کرتی ہے ۔ چنانچہ مسیح فرماتے ہیں ۔

"ہمیشہ کی زندگی (نجات) یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں (یوحنا ۱۷ : ۱۳ از بائیبل مطبوعہ ۱۹۱۶ء)

Marfat.com

اس نقرے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ یہ اعتقاد رکھیں

لا الٰہ الا اللہ عیسیٰ رسول اللہ

ناظرین کرام! خدا کی ذات وصفات میں توحید کا اقرار ہر ایک مذہب کا بنیادی اصول ہے۔ جو اس میں پاس ہے وہی کامیاب ہے اور جو اس میں فیل ہے وہی ناکام ہے۔ قرآن مجید نے خدا کی ذات وصفات کا ذکر جن لفظوں میں کیا ہے۔ ان میں نہ کوئی الجھن ہے نہ حیرت ہے بلکہ ایسے شستہ اور شائستہ الفاظ ہیں کہ ہر سننے والے کے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ ط هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُکُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ ط لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ (پ ۲۲ - ع ۱۳)

(اے لوگو! اپنے اوپر اللہ کی مہربانی یاد کرو کیا اس کے سوا کوئی اور خالق ہے جو اوپر سے پانی برسا کر اور زمین سے پیدا کر کے تمہیں رزق دیتا ہے اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں پھر تم کہاں بہکے جاتے ہو۔

اس کے برخلاف مسیحی مذہب کے اقوال گذشتہ صفحات میں نقل ہو چکے ہیں۔ ایک قول ان کے ساتھ اور ملا لیجئے جو ڈپٹی آتھم مسیحی مناظر نے مرزا صاحب قادیانی کے مقابلہ میں مباحثہ امرتسر میں پیش کیا تھا کہ:۔

"ہم سے جو استفسار یہ ہے کہ مسیح نے کیا بتایا تھا خدا نے تو زمین و آسمان اور سب چیزیں بنائیں۔ بجواب اس کے عرض ہے کہ بحیثیت انسانیت کے تو اس نے کچھ نہیں بنایا لیکن بحیثیت مظہر اقنوم ثانی کے جو کچھ بنا ہے اسی کے وسیلے سے بنا ہے اور باپ کو کسی نے دیکھا تک نہیں مگر بیٹے نے خلق کرنے کے وسیلے سے اسے دکھلا دیا۔" (جنگ مقدس مصنفہ مرزا صاحب ص ۵۰)

یہ ہے مسیحی تعلیم کا بنیادی پتھر جس پر پادری صاحبان کو ناز ہے۔ ایک طرف مسیح ابن مریم کی پیدائش اور موت کا ذکر کرتے ہیں۔ دوسری طرف اس کو زمین اور آسمان کا خالق

Marfat.com

ٹھہراتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ اسی بنا پر مسیحی مذہب کو عالمگیر بتلاتے ہیں اور اسلام کو اس کے خلاف محل اعتراض قرار دیتے ہیں۔ کیا ہی سچ ہے ؎

بت کریں آرزو خدائی کی ۔۔۔ شان ہے تیری کبریائی کی

ایک علمی سوال

خاصۃ الشیء ما یوجد فی شیء لا یوجد فی غیرہ

یہ ایک منطقی اصول ہے کہ ہر ایک چیز کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو کسی ایک چیز میں پایا جائے اور اس کے غیر میں نہ پایا جائے یہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک منفک اور دوسرا غیر منفک۔ مثلاً غالب علی الکل ہونا خدا تعالےٰ کا خاصہ ہے اور یہ غیر منفک ہے یعنی کسی وقت یا کسی آن میں یہ غلبہ اس کی ذات سے علیحدہ نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ انسان کا زور اس کی ذات سے منفک (جدا) ہوجاتا ہے کہ ایک وقت شہ زور پہلوان ہوتا ہے اور دوسرے وقت کمزور۔ ایک وقت اگر ذی شان بادشاہ ہے تو دوسرے وقت اسیر قیدی ہے۔ اہل علم کے نزدیک جب یہ اصول معقول اور مقبول ہے تو ہم پادری صاحب سے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ جس وقت خداوند تعالیٰ مجسم ہو کر مسیح کی شکل میں نمودار ہوا تو غلبہ کاملہ جو اس کا خاصہ ہے اصول مذکور کے ماتحت اس وقت بھی ضرور اس کی ذات میں موجود ہوگا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ دشمنوں کے ہاتھوں مغلوب ہو کر اسیر ہوا۔ کانٹوں کا تاج پہنایا گیا۔ اس کی پسلی میں بھالا مارا گیا آخر اس نے "ایلی ایلی لما سبقتنی" کہتے ہوئے سولی پر چلّا کر جان دی۔ (انجیل متی باب ۲۷:۵)

یہاں پہنچ کر عیسائیوں کے سامنے دو راستے آجاتے ہیں جس کو چاہیں اختیار کریں اول یہ کہ اعلان کردیں کہ مسیح جس نے یہ الفاظ کہے تھے وہ خدا نہ تھا بلکہ ایک انسان تھا دوسرے یہ کہہ دیں کہ غلبہ کاملہ خدا کا خاصہ نہیں ہے، اگر ہے تو قابلِ انفکاک ہے۔ پہلی شق اختیار کرنے کی صورت میں مسیحی مذہب کا امتیازی طغریٰ اٹھ جاتا ہے۔ دوسری صورت اختیار کرنے کی صورت میں کلیسا میں دہریت کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔

اور ایسا عاجز خدا جس سے غلبہ منفک ہوجائے کسی دانش مند انسان کے ماننے کے قابل نہیں ہوسکتا۔ کم از کم ہم مسلمان تو ایسے خدا کو ماننے سے قطعاً معذور ہیں۔ ایسا کہنے

Marfat.com

...ان کو قرآن شریف میں سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (پ ۲۴-ع)

...ری صاحب نے اپنا گھر شیشے کا بنا کر قرآن جیسے مضبوط قلعے پر جو گولے برسائے ہیں اس کا ...ناظرین کے لئے قابل شنید ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

اسلام کے اصول اور مسیحیت جب ہم قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت ہم پر ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس میں جتنی خوبیاں موجود ہیں وہ سب کی سب کتاب مقدس میں اعلیٰ ترین شکل میں پائی جاتی ہیں × × قرآن بار بار اقرار کرتا ہے کہ جو صداقت اس میں پائی جاتی ہے وہ محض کتب سابقہ سے ماخوذ ہے اور اس حقیقت کو اپنی صداقت کی دلیل میں پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن عربی میں صرف اس واسطے آیا ہے تاکہ سابقہ کتب مقدسہ کی صداقتوں کو اہل عرب کے لئے سلیس عربی زبان میں پیش کرے تاکہ اہل عرب پر اتمام حجت ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ "قرآن ہم نے نازل کیا اس لئے کہ تم یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے صرف دو ہی فرقوں (یعنی یہود اور عیسائیوں) پر کتاب نازل ہوئی تھی اور ہم ان کتابوں کی عبرانی اور یونانی زبانوں کی وجہ سے) ان کے پڑھنے سے غافل تھے یا یوں کہو کہ اگر ہم پر کتاب (عربی میں) نازل ہوتی تو ہم یہودیوں اور عیسائیوں سے زیادہ ہدایت پر ہوتے۔ سواب تمہارے رب سے تمہارے پاس (عربی) میں حجت آگئی اور ہدایت اور رحمت ہے۔ سو اس سے زیادہ ظالم کون جس نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا" (انعام آیت ۱۵۶ نیز دیکھو سورہ نحل آیت ۱۰۵۔ حم سجدہ ۲ ۴۴۔ یوسف ۲ رعد ۷، ۳۰۔ طٰہٰ ۱۱۲۔ زمر ۲۹۔ شوریٰ ۵۔ زخرف ۲۔ احقاف ۱۱ وغیرہ۔ دور حاضرہ کے مسلم علماء اس حقیقت کے معترف ہیں کہ قرآن کی تمام صداقتیں کلمۃ اللہ کی تعلیم میں پائی جاتی ہیں۔ ہم انشاء اللہ یہاں یہ ثابت کریں گے کہ وہ صداقتیں قرآن میں

لے مشرکوں نے کما حقہٗ خدا کی قدر نہیں کی ۱۲ منہ

Marfat.com

صرف غیر مکمل حالت میں موجود ہیں۔ لیکن انجیل جلیل میں وہ کامل ترین اور پاکیزہ ترین شکل میں موجود ہیں۔" (صنا تا صنا)

مجیب اسلام کی توحید بقول پادری صاحب ناقص اور انجیل کی تثلیث کامل ہے۔ بس یہ ہے ایک امر تنقیح ۔ از روئے قانون مناظرہ اور قانون انصاف ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم پر دلیل دینے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ کیونکہ پادری صاحب اس کو کتب سابقہ میں منزل مانتے ہیں باقی رہا تثلیث کا مسئلہ تو اس کا ثبوت پادری صاحب جیسے مسیحوں کے ذمے ہے جو اس کے قائل ہیں۔ سب سے پہلے وہ حضرت موسیٰ کی کتابوں سے اس کے بعد دوسرے انبیاء کرام کے صحف سے اس کا ثبوت دیں۔ پھر اس کو عقلی طور پر ثابت کریں۔ بہر حال اس کا ثبوت اہل تثلیث کے ذمے ہے کیونکہ وہ مزعین کے قائل ہیں اور ہم بلا خوف تردید اعلان کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے تثلیث کے ابطال پر جو دلائل قاہرہ پیش کئے ہیں ساری مسیحی دنیا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی ۔ اگر کسی پادری میں ہمت ہے تو زبانی باتیں چھوڑ کر معقولیت کے ساتھ دلائل کا جواب دے۔

مختصر یہ ہے کہ ہم مانتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم متعلقہ توحید کتب سابقہ میں موجود تھی۔ مگر مسیحیوں نے جب اس کو بگاڑ دیا تو خداوند تعالے نے ان بگاڑنے والوں کو تحریف کا الزام دے کر اہل دنیا کو خالص توحید کا سبق دیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ[1] (پ ۶ ع ۱۴)

پادری صاحب نے اس اعتراف کے باوجود کہ قرآنی تعلیم کتب سابقہ سے ماخوذ ہے اس کی تردید بھی کرتے جاتے ہیں۔

دوسرا اعتراض پادری صاحب لکھتے ہیں:۔

---

[1] اے اہل کتاب! اپنے دین میں بے جا زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

"سب سے بڑا دعوےٰ جو اسلام کا ہے وہ شرک کی مذمت اور وحدتِ الٰہی کی دعوت ہے ۔ لیکن اسلامی توحید کا تصور ایک بے معنی شے ہے اور از روئے منطق و فلسفہ یہ تصور ناکارہ ہے ۔ لہٰذا توحید کے اس ناقص پہلو کو مسیحیت میں دخل نہیں" (ص۱۰۱)

مجیب منطق اور فلسفے کا نام سن کر ہم خوش ہوئے تھے اور بے ساختہ ہمارے منہ سے نکلا تھا ۔ ع

نکتہ چینیوں کے کھلیں دفتر اُدھر تمہارے اِدھر ہمارے

مگر افسوس ہے کہ اتنا بڑا دعویٰ کر کے پادری صاحب خاموشی سے گزر گئے ۔ پادری صاحب کی جرأت قابلِ ملاحظہ ہے کہ آپ ایک ایسی قوم کو منطق اور فلسفے کا نام سنا کر ڈراتے ہیں جس نے ان دونوں علموں پر ایسا قبضہ کیا ہوا ہے کہ بغیر اطلاع پائے کسی کو خیال تک نہیں گزرتا کہ یہ علوم یونانیوں کی ایجاد ہیں کیونکہ عموماً یہی سمجھا جاتا ہے کہ عربوں کی ایجاد ہیں ۔ ایسی قوم پر ان علوم کا نام لے کر رعب ڈالنے کی جرأت پادری صاحب جیسا شخص ہی کر سکتا ہے لطف یہ ہے کہ پادری صاحب کے اس معقول مقولہ کا جواب خود انہی کے قلم سے نکل گیا ہے چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ :-

اسلام کا یہ مایۂ ناز عقیدہ اپنی پاکیزہ ترین حالت میں کتاب مقدس میں موجود ہے لیکن کلمۃ اللہ کی تعلیم اسلامی نظریہ کے ناقص عناصر سے پاک ہے (صفحہ ۱۰۲)

مجیب بہت خوب !! اسی کو کہتے ہیں "جادو وہ جو سر پر بولے" آپ کے اس بیان سے یہ نتیجہ صاف نکلتا ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم متعلقہ توحید کتب انبیاء کے عین مطابق ہے بالکل ٹھیک ہے ۔ قرآن مجید بھی یہی فرماتا ہے ۔ سنئے ارشاد ہے :-

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ (پ۱۴ - ع۱۰)

ہم نے ہر قوم میں ایک رسول یہی پیغام دے کر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور

Marfat.com

بناوٹی معبودوں سے بچو:

قرآن مجید نے بطور تکمیل توحید حضرت عیسٰی کا یہ قول انہی معنی میں نقل کیا ہے:۔
مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ (پ۔ ع)
(اے خدا! میں نے اپنے اتباع کو وہی بات کہی تھی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے")

حضرت مسیح کی اس حکایت کا اصل حوالہ انجیل یوحنا میں ملتا ہے جہاں مسیح فرماتے ہیں کہ:۔
"ہمیشہ کی زندگی (نجات کا ذریعہ) یہ ہے کہ وے تجھ کو سچا خدا اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں (انجیل یوحنا باب ۱۷، ۲ از بائیبل مطبوعہ ۱۸۸۳ء)

مسیح نے اس قول میں اپنی رسالت کا واضح لفظوں میں اقرار کیا ہے۔
(نوٹ) خود پادری صاحب نے یہ حوالہ اپنی کتاب "دین فطرت" کے صفہ ۱۳۰ پر نقل کیا ہے۔

مسیحی دوستو! قرآن، توراۃ اور انجیل کے بتائے ہوئے راستے کو چھوڑ کر جو بھی راستہ کوئی اختیار کرے گا وہ جہنم کو لے جانے والا ہوگا۔ پس یہ بات یاد رکھو کہ ایسا شخص اپنی ذات کے علاوہ مخلوق خدا کو گمراہ کرنے کی ذمہ داری بھی اپنی گردن پر لیتا ہے۔

قریب ہے یار! روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

مختصر یہ ہے کہ اس فقرہ میں بھی آپ نے جو دعوے کیا ہے اس کا ثبوت آپ کے ذمے باقی ہے کیونکہ آپ نے تسلیم کرلیا ہے کہ اسلامی توحید کتب مقدسہ سے ماخوذ ہے۔ مگر بقول آپ کے وہ ناکمل ہے اور اس کی تکمیل آپ کے زعم میں الوہیت مسیح کی صورت میں ہوئی ہے جس کی تفصیل ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ذرا غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ تکمیل ویسی ہی ہے جیسی آگ روغنی لکڑی کی تکمیل کرتی ہے۔ پادری فنڈر سے لے کر آج تک تو کسی پادری سے اس دعوے کا ثبوت ہو نہیں سکا۔ آئندہ دیدہ باید! ہماری تحقیق میں دو مسئلے ایسے ہیں جو بالکل مساوی ہونے کا حق رکھتے ہیں۔ ایک مسئلہ تثلیث ہے اور دوسرا مسئلہ دو دونے پانچ ناممکن ہے کہ ان دونوں مسئلوں کو کوئی ریاضی دان یا منطق دان پادری صحیح ثابت

Marfat.com

کر سکے خواہ وہ اپنی کتاب کا نام "اثبات التثلیث" ہی رکھے۔ اہل عقل جانتے ہیں کہ نام اور چیز ہے اور کام اور چیز ہے ع

شیر قالین دگر است و شیر نیستاں دگر

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں:۔

"خدا اور انسان کے باہمی رشتہ اور تعلقات کے متعلق جو تعلیم قرآن اور اسلام میں ہے ان میں جو صداقت کے پہلو ہیں وہ تمام کے تمام مسیحیت میں بوجہ احسن موجود ہیں۔ مثلاً قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا خالق ہے۔ مالک ہے، پروردگار ہے وغیرہ وغیرہ (انعام آیت ۱۰۲، ۱۰۲۔ نحل ۳۔ ۱۷ وغیرہ) یہ تمام باتیں کتاب مقدس میں بطرز احسن موجود ہیں۔ لیکن قرآنی تعلیم کا جو غلط پہلو ہے کہ خدا ایسی جابر ہستی ہے جو اپنے قہر سے گنہگار انسان کو فنا کر دیتی ہے اور دوزخ میں ڈال کر خوش ہوتی ہے (نحل ۲۵۔ احقاف ۱۹۔ جاثیہ ۷، ۲۰۔ مومن ۴۷۔ طلوع ۱ وغیرہ) اس قسم کی باطل تعلیم سے مسیحیت سراسر پاک ہے۔" (صفحہ $\frac{102}{103}$)

مجیب | خالق اور مخلوق کا تعلق جیسا قرآن مجید نے بیان کیا ہے اس سے اچھا تو کیا اس کے برابر بھی کوئی نہیں بیان کر سکتا۔ آپ نے قرآن کی کمی اور نقص بتانے کو خدا کے متعلق جابر اور قاہر دو لفظ منتخب کئے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ آپ ان عربی لفظوں کا ترجمہ کسی عربی دان پادری سے پوچھ لیتے۔ تو آپ سے یہ غلطی سرزد ہو کر موجب ندامت نہ ہوتی جابر جبر سے مشتق ہے جس کے معنی اصلاح حال کے ہیں۔ جبیرہ مرہم والی پٹی کو کہتے ہیں جو زخم پر لگائی جاتی ہے کیونکہ وہ بھی اصلاح کرتی ہے۔ اسی لئے احادیث کی دعاؤں میں ایک لفظ وَاجْبُرْنِی بھی آیا ہے جس کے معنی ہیں اے خدا میری حالت سنوار دے یہ بالکل صحیح ہے کہ خدا جابر ہے۔ انہی معنی میں کسی عارف کا قول ہے ؎

میرے مولا میری بگڑی کو بنانے والے　　　میرے ہادی مجھے بھولے کو چلانے والے

قاہر کے معنی ضابطہ کے ہیں۔ ضابطہ اس بادشاہ کو کہتے ہیں جس کی رعایا سرتابی نہ کر سکے۔ یہ وصف خدا کی ذات میں علی وجہ الکمال پایا جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔

Marfat.com

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر ضابطہ ہے)

چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ البتہ اردو زبان میں ان دونوں لفظوں کے معانی میں تبدیلی آگئی ہے۔ جیسے عزیز اور مشفق وغیرہ الفاظ کے معانی تبدیل ہوگئے۔ عربی زبان میں عزیز کے معنی غالب کے ہیں۔ ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ اردو میں فارسی کے وسیلہ سے چھوٹے رشتہ دار کو کہا جاتا ہے۔ اسی لئے انشاءات میں اصطلاح ہے کہ بڑا چھوٹے کو عزیز من لکھتا ہے اور چھوٹا بڑے کو عزیز نہیں بلکہ بزرگوار من لکھ کر خطاب کرتا ہے۔ اسی طرح عربی زبان میں مشفق کے معنی ہیں ڈرنے والا جیسا کہ ارشاد ہے:۔ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ اردو میں مشفق اور مہربان ایک معنی میں ہیں۔ ایک اردو شاعر کہتا ہے ؎

مشفق لکھوں شفیق لکھوں دلربا لکھوں
حیرت میں ہوں کہ آپ کے القاب کیا لکھوں

پس آپ کے یہ دونوں اعتراض عربی زبان سے ناواقفیت پر مبنی ہیں۔ درحقیقت یہ دونوں وصف جو قرآن مجید نے خدا کی ذات میں بتائے ہیں ان کی شان کے لئے نہایت موزوں ہیں اور آپ کا اعتراض اس شعر کا مصداق ہے ؎

چو بشنوی سخن اہلِ دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جا است

اسی طرح آپ کا یہ کہنا کہ :۔

"خدا ایسی ہستی ہے جو انسان کو فنا کر دیتی ہے اور دوزخ میں ڈال کر خوش ہوتی ہے"

قرآن اور تورات دونوں کے خلاف ہے۔ قرآن مجید کی جن آیات کا آپ نے حوالہ دیا ہے ان میں اس مضمون کا اشارہ تک نہیں ہے کہ خدا انسان کو دوزخ میں ڈال کر خوش ہوتا ہے البتہ کافروں کی سزا کا ذکر ہے۔ سو اس کا ثبوت چاہو تو تورات کا مزمومہ ذیل حوالہ دیکھ لو۔ حضرت موسیٰ کو کافروں کے متعلق حکم ہوتا ہے :۔

" جب کہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کرے تو انہیں مار یو اور حرم کیجیو نہ تو ان سے

لہ تعبد ۱۲ منہ

کوئی عہد کریو نہ ان پر رحم کریو نہ ان سے بیاہ کرنا (استثنا باب ۷)

مجیب بتلائیے کہ یہ احکام کس قسم کے ہیں یہ رحم ہے یا جبر ہے؟ اور قرآن کے موافق ہیں یا مخالف؟ اور آپ کی کتاب مقدس میں یہ حوالہ ہے یا نہیں؟

پادری صاحب! شیشے کا گھر بنا کر دوسروں پر پتھر برسانا

"کارِ خردمنداں نیست"

اسی کے متعلق پادری صاحب مزید فرماتے ہیں :-

"خدا اور انسان کے باہمی تعلق کی بنا خوف اور دہشت نہیں بلکہ محبت ہے انجیل جلیل میں ارشاد ہے کہ کامل محبت خوف کو دور کر دیتی ہے" (روم ۵/۱ - ۱یو ۴/۱۸ - ۴/۱۷ وغیرہ) پس مسیحیت میں یہ تمام اصول اپنی پاکیزہ ترین اور اعلےٰ ترین شکل میں موجود ہیں جو قرآن میں صرف مکمل طور پر ہی پائے جاتے ہیں اور یہ بھی حق ہے کہ قرآنی تعلیم کے ناقص اور غلط پہلو مسیحیت میں موجود نہیں ہیں" (ص ۱۰۳)

مجیب یہ بالکل صحیح ہے کہ خدا اور انسان میں باہمی تعلق محبت کا ہے ۔ قرآنی ارشاد :-

اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (پ ۲ - ع ۱)

کو غور سے پڑھئے مگر مجرموں کو نافرمانی کی سزا دینا بھی خدائی عدل کے عین مطابق ہے ورنہ قرآن مجید پر اعتراض کرتے ہوئے تورات کے ساتھ صحف انبیاء کو بھی دیکھ لیجئے ۔ البانہ ہو کہ یہ مصرع صادق آئے کہ ع

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں :-

اسلام نے خدا کے متعلق یہ تعلیم دی ہے کہ خدا اپنی مخلوقات سے بلند و بالا ہے (نحل ۶۲ نساء ۳۸ وغیرہ) اور اس صداقت کے عنصر پر اس قدر زور دیا ہے کہ خدا اور انسان کے درمیان ایک وسیع خلیج پیدا کر دی ہے ۔ مسیحیت میں بھی یہ تعلیم موجود ہے کہ خدا کائنات سے بلند و بالا ہے (زبور ۱۳/۱۸ - اعمال ۱۷/۲۴ وغیرہ) لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے ناقص پہلو کو اپنے اندر لے کر اس نے خدا اور انسان میں کوئی خلیج پیدا نہیں کی ۔ خدا کے بلند و بالا

Marfat.com

ہونے اور اس کے حاضر و ناظر ہونے میں جو صداقت کے پہلو ہیں وہ مسیحیت میں نہایت دلکش اور پسندیدہ حالت میں موجود ہیں۔ اسلام نے خدا اور انسان کے درمیان خلیج پیدا کرکے یہ تعلیم دی ہے کہ خدا فرشتوں کے ذریعہ انسان سے کلام کرتا ہے اور یوں اپنی مرضی انسان پر ظاہر کرتا ہے، چنانچہ قرآن جبرائیل فرشتہ کے ذریعہ رسول عربی پر نازل ہوا لیکن مسیحیت یہ تعلیم دیتی ہے کہ خدا ہمارا باپ ہے جس کی ذات محبت ہے لہذا اس میں اور انسان میں کوئی خلیج واقع نہیں۔" (صفحہ ۱۰۳/۱۰۴)

مجیب | تمام شکر ہے کہ قرآن مجید نے خدا کی نسبت جو تعلیم دی ہے کہ اس کی ذات مخلوق سے بلند اور بالاتر ہے۔ پادری صاحب کو کلیتاً تسلیم ہے۔ ہاں بڑی وجہ فرق یہ بتائی ہے کہ قرآن جبرائیل کو پیغام رسانی کا ذریعہ قرار دیتا ہے لیکن مسیحیت کہتی ہے کہ خدا ہمارا باپ[1] ہے خدا اور انسان میں کوئی خلیج نہیں ہے۔ خلیج کا لفظ تشریح طلب ہے اس سے پادری صاحب کی مراد اگر یہ ہے کہ قرآنی تعلیم کے موجب خدا اور بندے کے درمیان کوئی چیز رکاوٹ ہے جیسے خلیج خشکی کے دو ٹکڑوں کے درمیان حدِ فاصل ہوتی ہے تو ایسا کہنا بالکل غلط ہے کیونکہ خدا کے متعلق ارشاد ہے

هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ (پ ۲۷ ۔ ع ۱۷)

(خدا ہر وقت اور ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے)

نیز ارشاد ہے:

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (پ ۲۶ ۔ ع ۱۶)

(خدا انسان کی شاہ رگ سے زیادہ قریب ہے)

اگر مراد یہ ہے کہ بقولِ قرآن جبرائیل پیغام رسانی کا ذریعہ ہے تو ہم اسے تسلیم کرتے ہیں سلسلۂ انبیاء علیہم السلام میں ہمیں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ چنانچہ بائیبل شہادت دیتی ہے۔ کہ حضرت لوط کی قوم پر عذاب لانے والے فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اس کے علاوہ حضرت زکریا علیہ السلام کے پاس خدا کا فرشتہ آیا اور ان کو بیٹے کی خوشخبری دی

---

[1] خدا کو اب (باپ) اور ربّ کہنے کی بحث کتاب ہذا کے صفحہ ۲۷ سے ۲۹ تک ملاحظہ کریں۔

Marfat.com

ذرا اور قریب آئیے اور میں آپ کے گھر کی بہت بڑی خلیج کا پتہ بتاؤں۔ انجیل لوقا میں لکھا ہے۔

"چھٹے مہینے جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے جلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرت تھا بھیجا گیا۔ ایک کنواری کے پاس جس کی یوسف نامی ایک مرد سے منگنی ہوئی تھی۔ اور اس کنواری کا نام مریم تھا۔ اس فرشتہ نے اس کے پاس اندر آکر کہا۔ اے پسندیدہ سلام! (انجیل لوقا باب اول)

پادری صاحب فرمایئے! فرشتے کی خلیج حائل کرنے والی پہلی کتاب بائیبل ہے یا قرآن؟ سچ ہے۔ ع

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

مسیحیت کی خصوصیت جو پادری صاحب نے بتائی ہے وہ قابل دید و شنید ہے فرماتے ہیں:۔

"مسیحیت یہ تعلیم دیتی ہے کہ خدا ہمارا باپ ہے جس کی ذات محبت ہے لہذا اس میں اور انسان میں کوئی خلیج واقع نہیں اور خدا کا کلام خود مجسم ہوا اور اس نے مسیح میں ہو کر اپنے آپ کو بنی نوع انسان پر ظاہر کیا (یوحنا ۱ باب عبر ۱-۱/۸ وغیرہ) اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام میں انسان خدا کے ساتھ حقیقی رفاقت نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ قرآن کے مطابق خدا "بے نیاز" ہے (سورۃ اخلاص وغیرہ) لاپرواہی اور محبت دونوں ایک جگہ ہو نہیں سکتے محبت ایک رشتہ ہے۔ جو محب اور محبوب کے درمیان ہوتا ہے لیکن جہاں بے نیازی ہو وہ نہ کوئی محب ہو سکتا ہے اور نہ محبوب اور نہ محبت کی رفاقت کا امکان ہو سکتا ہے۔" (ص۱۰۴)

مجیب | بس تجسّم خدا کا یہی وہ امتیاز ہے جس پر عیسائی قوم نازاں ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام اور دیگر عقلاء اس پر نالاں۔ چنانچہ پہلے ہم اس کی تفصیل کر چکے ہیں (دیکھو کتاب ہذا کا ص۶۶) پہلے حوالوں میں آپ نے خود خدا کو مجسم کہا اور یہاں خدا کے کلام کو مجسم کہا ہے یہ دورنگی قابل غور ہے "خدا کا کلام مجسم ہوا" یہ فقرہ قابل تشریح ہے۔ اس کی تشریح اگر یہ ہے کہ جو کلام متکلم کے ساتھ عرض کے درجے میں تھا وہ مجسم ہوا۔ تو یہ بالبداہت غلط ہے کیونکہ یہ فلسفے کا مسئلہ ہے کہ عرض جوہر سے کبھی جدا نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ مراد ہے کہ خدا کے

Marfat.com

کلام (حکم) سے مسیح کا وجود ظہور پذیر ہوا تو یہ صحیح ہے۔ قرآن مجید بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ مگر انہی معنی میں دنیا کے کل اعراض و جواہر موجود ہوئے۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے:-

اِنَّمَا اَمْرُہٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ (پ ۲۳۔ ع ۴)

ان معنی سے خدا کے کلام سے مسیح کے مجسم ہونے میں کوئی خاص امتیاز نہیں رہتا اگر آپ کو یہ بات کھٹکے کہ اگر خصوصیت نہیں ہے تو مسیح کا نام لے کر قرآن مجید نے کیوں کہا۔

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ ۚ اَلْقٰھَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ (پ ۶۔ ع ۳)

تو جواب اس کا یہ ہے کہ آپ عام سلسلہ توالد کے خلاف خدا کے حکم سے بن باپ محض ماں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اسی لئے آپ کی شان میں مذکورہ الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ اس میں یہود کی تردید بھی مقصود ہے جو ممدوح کی شان میں ناجائز مولود وغیرہ الفاظ کہہ کر اپنا اعمال نامہ سیاہ کرتے تھے۔

ہاں آپ نے یہ خوب کہا کہ قرآنی تعلیم کے مطابق خدا بے نیاز ہے "لاپرواتی اور محبت ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں"۔ پادری صاحب! معاف فرمایئے۔ آپ نے خدا کی بے نیازی کا مطلب نہیں سمجھا۔ اگر میں یہ کہوں کہ سورۂ اخلاص کے جس لفظ کو آپ نے مدنظر رکھا ہے اس کے معنی بھی نہیں سمجھے تو بے جا نہیں ہوگا۔

سنئے! خدا اس لحاظ سے بے نیاز ہے کہ وہ اپنی ذات وصفات میں کسی مخلوق کا محتاج نہیں جس کو بہادر شاہ (بادشاہ دہلی) نے ایک مخمس میں یوں ادا کیا ہے ؎

نہ پرستش کا تو محتاج نہ محتاج عبادت — نہ عنایت تجھے درکار کسی کی نہ حمایت
نہ شراکت ہے کسی سے نہ کسی سے ہے قرابت — نہ نیازت نہ ولادت نہ بفرزند تو حاجت

تو جلیل الجبروتی۔ تو امیر الامرائی

اس کا ثبوت دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم اور آپ دونوں گروہ مانتے ہیں کہ دنیا کی کل کائنات حادث ہے جس کا نتیجہ صاف ہے کہ ایک زمانہ تھا جب کہ خدا اکیلا ہی تھا۔ اس کے

۱؎ خدا جب کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے حکم دیتا ہے کہ "ہو جا" پس وہ ہو جاتی ہے۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

ساتھ کوئی مخلوق نہ تھی۔ یہ ہے اس کی بے نیازی کا مطلب۔ اس کی مثال بھی دگو گھٹیا ہی سہی)
دے سکتے ہیں غور سے سنو!

ایک شخص صاحبِ اولاد ہے۔ وہ اپنی اولاد کا کسی بات میں محتاج نہیں ہے بلکہ اولاد اس کی محتاج ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ باپ اپنی شفقتِ پدری کے تقاضا کی وجہ سے سب پر یکساں نوازش کرتا ہے۔

پادری صاحب! اگر آپ خود بھی صاحب اولاد ہیں تو اپنے ضمیر سے پوچھئے۔ اگر نہیں ہیں تو کسی صاحبِ اولاد دوست سے پوچھئے کہ وہ اپنی اولاد سے بے نیاز ہونے کے باوجود ان کے ساتھ شفقت اور محبت سے پیش آتا ہے یا نہیں؟

اس مثال سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے بے نیازی اور محبت میں جو مغائرت سمجھی ہے وہ غلط ہے۔

آئیے میں آپ کو بتاؤں کہ سورۂ اخلاص کی آیت اَللّٰہُ الصَّمَدُ کے اصح معنی وہ ہیں جو حضرت حسن بصری سے منقول ہیں یعنی اللہ المقصود۔ صمد کے معنی مقصود کے بھی آتے ہیں اس کی شہادت میں معلقہ کا ایک شعر پیش کرتا ہوں ؎

انطلقت الجمع العظیم تلاقنی
علی ذروۃ البیت الکریم المصمد

پس آیت زیر بحث کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں انسان کا اصل مقصود خدا کی رضا جوئی ہے دگرہیچ۔ اسی بنا پر حضرت مسیح نے کیا ہی سچ فرمایا ہے:-

"اے میرے باپ اگر میرے پئے بغیر (موت کا) یہ پیالہ نہیں گذر سکتا تو تیری مرضی ہو (متی ۲۶:۴۲)"

اللہ اللہ! کیسی عبودیت اور کیسی رضا جوئی ہے۔ کیا ہی سچ ہے ؎

تیغ گر زنت بکف دگفت کہ نازم ایں است
سر فرو بردم و گفتم کہ نیازم ایں است

باوجود اس کے پادری صاحب ناداں ہو کر لکھتے ہیں:-

"میں خدا کے بلند و بالا ہونے اور اس کے حاضر و ناظر ہونے کے متعلق جو تعلیم قرآن میں پائی

Marfat.com

جاتی ہے وہ کامل طور پر انجیل جلیل میں موجود ہے۔ لیکن کلمۃ اللہ کی تعلیم اسلام کی تعلیم کے نقائص سے پاک ہے" (صفحہ ۱۰۱)

ناظرین کرام! یہ ہے پادری صاحب کا زور قلم یا بالفاظ دیگر بے جا ضد اور تعصب۔ اس امر کو تسلیم کرنے کے باوجود کہ قرآن کی تعلیم کامل طور پر انجیل میں پائی جاتی ہے۔ پھر اس کو ناقص بتانے میں نقصان کیا ہے۔ وہی مرکزی نقطہ کہ "مسیح مجسم خدا ہے" جس کی تردید پہلے کافی ہو چکی ہے (کتاب ہذا صفحہ ۶۶) پادری صاحب کو اسی پر ناز ہے۔ آپ کے خیال میں یہی تعلیم انجیل کی خوبی اور بے نظیری کا ثبوت ہے۔ سچ ہے ؎

آ گیا داغ اس کے دل میں یہ غرور — شکل ہے دنیا میں لاثانی میری

"قرآن کے مطابق خدا رحمان اور رحیم ہے جو ہمارے گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ (مائدہ ۷۴ وغیرہ) صداقت کا یہ پہلو اپنی بہترین شکل اور پاکیزہ ترین صورت میں انجیل جلیل کی تعلیم میں پایا جاتا ہے (مرقس ۱۱/۲۵۔ افسی ۴/۳۲۔ کلسی ۳/۱۳ وغیرہ) لیکن اسلامی تعلیم میں بڑا نقص یہ ہے کہ خدا کی رحمت کا اخلاقیات سے تعلق نہیں۔ اس میں اخلاقی عنصر موجود نہیں۔ کیونکہ رحم کرنا اور گناہوں کا بخشنا اس کی مطلق العنان مرضی پر موقوف ہے" (صفحہ ۱۰۴)

مجیب | پہلے ہم بتا آئے ہیں کہ انجیل نے گناہ کی سزا بڑی سخت بتائی ہے۔ حتیٰ کہ از روئے انجیل کسی کو احمق کہنا دخول جہنم کا موجب ہے (متی باب ۵ ۲۲) اس کے علاوہ انجیل کی سختی مندرجہ ذیل حوالہ سے بھی ثابت ہے۔ مسیح فرماتے ہیں کہ:۔

"اگر تیری آنکھ تجھے ٹھوکر کھلا دے اسے نکال ڈال کہ خدا کی بادشاہت میں کانا داخل ہونا تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ دو آنکھیں رکھتے ہوئے جہنم کی آگ میں ڈالا جائے جہاں ان کا کیڑا نہیں مرتا اور آگ نہیں بجھتی۔ کیونکہ ہر ایک شخص آگ سے نمکین کیا جائے گا۔ (مرقس ۹ باب کی ۴۹)

ہاں آپ نے قرآن کے مضامین پر اچھی طرح غور نہیں کیا اور غور کر بھی نہیں سکتے کیونکہ آپ کا منشا عیب جوئی ہے۔ سنئے جن الفاظ پر آپ کو اعتراض ہے وہ یہ ہیں:

Marfat.com

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ (پ - ع ١٣)

یہ ایک مجمل کلام ہے جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ مجرم کی بڑی شخصیت بھی اس کو عذاب الٰہی سے بچا نہیں سکتی اور محسن (نیکوکار) کی ادنیٰ شخصیت اس کی ترقی میں رکاوٹ نہیں ہے باقی رہا یہ مطلب کہ خدا کس پر رحم کرے گا اور کس کو عذاب دے گا اس کا ذکر دوسری آیت میں مفصل ملتا ہے سنئیے! ارشاد ہے :۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرًا (پ ٢٧ - ع ١٩)

(خدا کسی متکبر اور مغرور سے محبت نہیں کرتا۔

اِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ (پ ١٦ - ع ١٣)

(خدا تائب لوگوں کے لئے بخشنہار ہے)

اس آیت کو آپ اپنے اس فقرہ کے ساتھ ملا کے پڑھیں :۔

لہٰذا خدا کی ذات تقاضا کرتی ہے کہ وہ گناہوں کو معاف کرے اور تائب گنہکار کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے (ص ٤٥)

کہئیے اب بھی آپ کی غلطی رفع ہوئی یا نہیں؟

مزید سنئیے! قرآن مجید کا عام قانون ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (پ ٢ - ع ١)

(خدا سب لوگوں پر مہربان اور شفیق ہے)

مگر خدا تعالےٰ چونکہ باوجود رحیم و کریم اور غفار و ستار ہونے کے عادل اور انصاف پسند بھی ہے اس لئے وہ طائع اور طاغی (فرمانبردار اور نافرمان) کے ساتھ یکساں معاملہ کرنا اپنے عدل و انصاف کے خلاف جانتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (پ ٢٣ - ع ١١)

کیا ہم مومن اور نیکوکار لوگوں کا انجام ملک میں فساد کرنے والوں جیسا کر دیں گے۔ یا پرہیزگاروں کو انجام کے لحاظ سے بدکاروں جیسا بنا دیں گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

Marfat.com

بس یہی وہ پاک تعلیم ہے جس کو پادری صاحب محل اعتراض سمجھتے ہیں۔ مگر اہل نظر اس کی خوبی اور حسن کے پیش نظر کہتے ہیں ؎

اسلام! کیا جانے تجھ میں کیا ہے کہ لوٹے ہے تجھ پہ جی
یوں اور کیا جہاں میں کوئی حسین نہیں

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں۔

"قرآن کے مطابق خدا گناہ کا بانی ہے (اعراف آیت ۱۷۸۔ بنی اسرائیل ۱۷۔ شوریٰ ۵۴۔ ہود ۲۶ و ۱۲۰ وغیرہ) کلمۃ اللہ کی تعلیم اس باطل عقیدہ سے پاک ہے"۔ (ص ۱۰۵)

مجیب | معلوم ہوتا ہے کہ پادری برکت اللہ صاحب پادری عماد الدین صاحب کا ترجمۂ قرآن سامنے رکھتے ہیں۔ اسی لئے آپ کو قرآن فہمی میں غلطی لگ جاتی ہے۔ ان ساری آیتوں میں صرف سورۂ اعراف کی آیت زیر بحث آسکتی ہے۔ باقی آیتوں کا مضمون بالکل صاف ہے آیت موصوفہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (پ ۹ ع ۱۲)

تفصیل | عربی زبان میں لام جارہ دو معنی کے لئے آتا ہے ایک تو معنی علت کے لئے دوسرے معنی غایت کے لئے جس کو انجام کہتے ہیں۔ علّت کا لام وہ ہوتا ہے جس کا مدخول دوران فعل میں فاعل کی نیت میں موجود ہو جیسے ضربتہٗ للتادیب (میں نے اس کو ادب سکھانے کے لئے مارا) اس سے معلوم ہوا کہ فاعل کی نیت میں ادب سکھانا داخل ہے۔ غایت کی مثال یہ آیت ہے:۔

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا (پ ۲۰ ع ۱۴)

یہ آیت حضرت موسیٰ اور فرعون کے قصہ میں ہے۔ اس کا ترجمہ پادری عماد الدین نے یوں کیا ہے۔

پھر اسے فرعون کے لوگوں نے اٹھا لیا تاکہ ان کے لئے ایک دشمن اور باعث غم ہو

Marfat.com

جائے (ترجمۂ عمادی صفحہ ۴۸۱)

عجیب | یہ ترجمہ اس لئے غلط ہے کہ فرعون والوں کی نیت میں یہ داخل نہیں تھا کہ وہ بچہ (موسیٰ) ان کا دشمن بن جائے۔ کیونکہ آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ

فرعون والوں نے موسیٰ کو پکڑ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان کے لئے دشمن اور باعث غم ہو گیا

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے فارسی ترجمۂ قرآن میں اسی مضمون کی طرف اشارہ کرنے کو ترجمہ یوں کیا ہے کہ:۔

تا آخر شود برائے ایشاں دشمن

بعض لوگ لام علت اور لام عاقبت میں امتیاز نہیں کرتے بلکہ سرسری طور پر ایسا ترجمہ کر دیتے ہیں کہ لام عاقبت لام علت کے معنی میں نظر آتا ہے۔ پس آیت زیر بحث کے معنی یہ ہوئے کہ

خدا کی مخلوق میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کا انجام جہنم ہوگا جس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے دل، آنکھ اور کان سے وہ کام نہیں لیتے جن کے لئے یہ اعضاء پیدا کئے گئے ہیں اور نہ دل سے صحیح بات سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ الٹا اعتراض کئے جاتے ہیں جس کی طرف شیخ سعدی نے اشارہ کیا ہے ع

گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

ہاں پادری صاحب! اپنے گھر کی بھی خبر لیجئے۔ خدا نے موسیٰ کو فرعون کے مقابلہ میں بھیجتے ہوئے کہا تھا۔ میں فرعون کے دل کو سخت کر دوں گا اور اپنی نشانیوں اور عجائب کو ملک مصر میں زیادہ کروں گا لیکن فرعون تمہاری نہ سنے گا (خروج باب)

پس جس وجہ سے فرعون کے دل میں یہ سختی پیدا کی گئی تھی۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں معاندین حق کی گمراہی کی خبر دی گئی ہے جس کا مختصر مگر جامع ذکر اس آیت میں ہے:۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ (پ ۳۰ - ع)

(بدکار لوگوں کے دلوں پر ان کی بدکاری بہت برا اثر پیدا کر دیتی ہے)

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں:۔

Marfat.com

"قرآن میں نماز اور دعا کا حکم ہے لیکن وہ زمان ومکان کی قیود سے آزاد نہیں (نساء ۱۰۴ روم ۱۷، ۱۸۔ ہود ۱۱۴۔ بنی اسرائیل ۸۰۔ طٰہٰ ۱۳۰۔ بقرہ ۱۲۹)۔ چنانچہ حکم ہے کہ نماز خاص اوقات پر اور ایک خاص جگہ کی طرف رخ کر کے پڑھی جائے۔ لیکن مسیحیت میں یہ حکم زمان ومکان کی قیود سے آزاد ہے۔ کلمۃ اللہ نے فرمایا کہ ہر وقت دعا مانگتے رہنا چاہئیے (لوقا ۱۸/۱۔ افسی ۶/۱۸۔ تھسلنیکی ۵/۱۷۔ تمطاؤس ۲/۸ وغیرہ) آپ نے کسی خاص جگہ کو قبلہ نہ بنایا (یوحنا ۴/۲۰۔۲۵) اسلام میں دعا سے پہلے ظاہری اور رسمی پاکیزگی پر زور دیا گیا ہے۔ مائدہ ۸۔۹۔ بقرہ ۱۸۳ وغیرہ) لیکن کلمۃ اللہ کی تعلیم میں ظاہری تکلفات کا ناقص پہلو دور کر دیا گیا ہے ؎

دل کہ پاکیزہ بود جامۂ ناپاک چہ سود ۔۔۔ سر کہ بے مغز بود نغزئی دستار چہ سود

مجیب | اس اقتباس کا جواب کتاب ہذا کے صفحہ ۴۵ پر درج ہو چکا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ عیسائیوں کی عبادات میں بھی کون ومکان کی پابندی برابر پائی جاتی ہے۔

لطیفہ | پادری صاحب نے جو فارسی شعر لکھا ہے اسے پڑھ کر ہمیں ایک پرانا قصہ یاد آگیا کسی شاعر کے شعر پر طلبائے مدرسہ نے اعتراضات کئے تو شاعر نے کہا کہ

شعر مرا بمدرسہ کہ برد

یہی مثال پادری صاحب کے اس شعر پر صادق آتی ہے۔ پہلے مصرع کو ایسا خراب کیا کہ اگر شاعر سن پائے تو یہی کہے کہ

"شعر مرا بگرجا کہ برد"

کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ اس شعر کو پادری سلطان محمد خاں افغان سے صحیح کرا لیتے ع

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

آگے چل کر آپ فرماتے ہیں:۔

"کلمۃ اللہ (مسیح) نے فرمایا کہ خدا روح ہے اور ضرور ہے کہ اس کے پرستار روح اور سچائی سے اس کی پرستش کریں" (صفحہ ۱۰۱)

آپ کے سارے اعتراض کا جواب قرآنی لفظ خاشعون میں ملتا ہے۔ ارشاد ہے:۔

Marfat.com

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (پ ۱۸ ع)

(کامیاب ہو جائیں گے وہ ایماندار لوگ جو خشوع کی حالت میں نماز ادا کرتے ہیں)

خاشعین کی تشریح ایک دوسری آیت میں یوں آئی ہے:-

اِنَّهَا لَکَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا

رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ (پ ۱ - ع ۵)

(نماز بے شک مشکل ہے مگر خاشعین پر مشکل نہیں جو جانتے ہیں کہ ہم اپنے رب سے

ملنے والے ہیں اور اسی کی طرف ہمارا رجوع ہے)

پادری صاحب کیا اچھا ہوتا کہ آپ قرآن مجید پر اعتراض کرنے سے پہلے کسی قرآن دان سے اس کا مطلب سمجھ لیتے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ قرآن میں یہ بڑی خوبی ہے کہ مخالفین کے اعتراضوں کا جواب وہ خود ہی دیتا ہے ؎

میرے محبوب کے دو ہی پتے ہیں — کمر پتلی صراحی دار گردن

آگے چل کر پادری صاحب نے روزہ کے متعلق اعتراض کیا ہے جس کا جواب اس سے پہلے اسی کتاب کے صفحہ ۲۰ پر ہو چکا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کے حج بیت اللہ پر اعتراض کرتے ہوئے آپ نے لکھا ہے کہ:-

"یہودیت اور اسلام میں یہ مماثلت ہے کہ جو جگہ اہل یہود کے مذہب میں یروشلم کو دی گئی ہے وہی جگہ اسلام میں مکہ کو دی گئی ہے۔ جس طرح یہوداہ یروشلم کی ہیکل میں رہتا تھا اسی طرح اسلام کا اللہ رب کعبہ ہے۔ انجیل جلیل کی تعلیم اس اصول سے پاک ہے" (صفحہ ۱۰)

مجیب | پادری صاحب نے اگر سورہ فاتحہ کی پہلی آیت ہی غور سے پڑھی ہوتی تو آپ یہ اعتراض نہ کرتے۔ خیر ہم خود ہی آپ کو بتلاتے ہیں کہ اسلام کا اللہ کون ہے۔ بزبان قرآن سنئے۔ ارشاد ہے:-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ (پ ۱)

بتلائیے کہ اس آیت میں رب العالمین کس کی صفت ہے ہم سے پوچھیں تو ہم بتلاتے ہیں کہ:-

Marfat.com

رب العالمین، الرحمان، الرحیم اور مالک یوم الدین، یہ چاروں صفات خدا تعالیٰ کی ہیں۔ ہاں ہاں سنئے! اسلام کا اللہ وہ ہے جو عیسائیوں کے دونوں معبودوں مریم صدیقہ اور ابن مریم (مسیح) کو بلکہ ساری دنیا کے چھوٹے بڑے انسانوں کو للکار کر فرماتا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۔ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْــًٔـا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (پ ۔ ع)

(جو لوگ مسیح ابن مریم کو اللہ کہتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ کے منکر ہیں اے نبی تم ان لوگوں کو کہہ دو کہ خدا اگر چاہتا تو مسیح اور اس کی ماں اور تمام دنیا کو ہلاک کر دیتا۔ پھر کون تھا جو اس کو روک سکتا۔ آسمان، زمین اور کل مخلوقات کی بادشاہی اسی کے لئے ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

ناظرین! یہ اعلان کیسا باہیبت اور پرشوکت ہے۔ اس میں کسی قسم کا تکلف اور تصنع (بناوٹ) بھی نہیں ہے بلکہ حقیقت پر مبنی ہے جس کا کسی قدر مضمون فارسی کے اس شعر میں ملتا ہے ؎

ہست سلطانی مسلّم مر ورا
نیست کس را زہرہ چون وچرا

پادری صاحب! یہ ہے اسلام کا اللہ جو مسیحیت کے معبود اور اس کی ماں کو بھی للکارتا ہے اور وہ دونوں اس کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ غور سے سنئے!

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ (پ۶ ۔ ع)

(مسیح کو اللہ کا بندہ بننے میں ہرگز کوئی عار نہیں ہے)

یہ ہے اسلام کا اللہ جس کی شان میں مسدس حالی کا ایک بند ہم بطور نمونہ پیش کرتے ہیں ؎

Marfat.com

خرد و ادراک رنجور ہیں واں — مہ و مہر ادنیٰ سے مزدور ہیں واں
جہاندار مغلوب و مقہور ہیں واں — نبی اور صدیق مجبور ہیں واں
نہ پرسش ہے رہبان و احبار کی واں
نہ پروا ہے احرار و ابرار کی واں

پادری صاحب! یہ ہے ہمارا اللہ جس کی شانِ کبریائی کا تھوڑا سا حال ہم نے آپ کو سنایا ہے ذرا اپنے معبود کو بھی سامنے لایئے اور اسلام کے اللہ کے ساتھ اس کا مقابلہ کیجیئے ؎

بس تنگ نہ کر ناصح نادان مجھے اتنا — یا چل کے دکھلا دے دہن ایسا کمر ایسی

غنیمت ہے کہ پادری صاحب اسلام کے اللہ پر اعتراض کرتے ہوئے اسلامی تعلیم کو یہودی تعلیم کے مماثل مانتے ہیں اور پھر اس پر اعتراض بھی کرتے ہیں اور یہ بھی نہیں سمجھتے کہ یہودی تعلیم تو موسوی شریعت کا نام ہے جس کو مسیح نے تسلیم کر کے واجب العمل قرار دیا ہوا ہے جس کا ذکر ہم کتاب ہذا کی تمہید میں صـــ پر کر آئے ہیں۔ فتدبر!

آگے چل کر آپ قربانی پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

اسلام میں قربانی کا حکم پایا جاتا ہے۔ لیکن کلمۃ اللہ کی تعلیم اور زندگی نے ایک طرف قربانی کے تصور کو کامل کر دیا اور دوسری طرف اس قسم کے ناقص اور باطل تصورات کو خارج کر دیا۔ (صـــ)

مجیب اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مسیح کے آنے سے پہلے جتنی قسم کی قربانیاں تورات وغیرہ کی تعلیم سے مروّج تھیں۔ مسیح نے صلیب پر اپنی قربانی دے کر ان سب کو منسوخ یا مرفوع الحکم کر دیا۔ بہت خوب! اسی لئے اب عیسائیوں میں قربانی کا رواج نہیں ہے بلکہ مسیح کی قربانی پر ایمان رکھنا کافی ہے۔ انہی معنی میں پولوس کا قول ہے کہ

یسوع نے ہم کو شریعت کی لعنت سے چھڑایا وہ ہمارے لئے لعنتی ہوا (گلتیوں باب ۳)

حالانکہ خود مسیح نے موسوی شریعت کی قربانیوں کو بحال رکھا۔ ملاحظہ ہو آپ فرماتے ہیں:-

اگر تو قربانگاہ پر اپنی نذر گذارتا ہوا اور وہاں تجھے یاد آئے کہ میرے بھائی کو مجھ سے کچھ

لہ کتاب احبار باب ۱ تا ۱۰ (مجیب)

Marfat.com

شکایت ہے تو وہیں قربانگاہ کے آگے اپنی نذر چھوڑ دے اور جا کر پہلے اپنے بھائی سے ملاپ کر تب آ کر اپنی نذر گذران (متی ۵، ۲۳)

مجیب | اس عبارت سے بالفاظ صریح قربانی کے حکم کی بحالی ثابت ہوتی ہے کیونکہ آپ کے نزدیک اگر قربانی کا حکم منسوخ ہوتا تو یوں نہ فرماتے کہ "تب آ کر اپنی نذر گذران۔ بلکہ ارشاد عالی یوں ہوتا کہ

قربانی کو ترک کر دے یہ ایک بری رسم ہے اپنے بھائی سے صلح کر یہ کام بہت ضروری ہے۔

ناظرین! یہ ہے موسوی شریعت کی قربانیوں کی تکمیل۔ اللہ اللہ! کتنی دلیری اور کتنی جرأت ہے اس پر مزید لکھنے سے ہمارا دل کانپتا ہے اور قلم لرزاں براندام ہے۔

مختصر یہ ہے کہ اسلامی قربانی موسوی شریعت کی قربانیوں کے مشابہ ہے مگر شمار میں بہت کم یہ تخفیف اسلام کی خوبی ہے نہ کہ برائی ؎

مجھ میں اک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں

آگے چل کر پادری صاحب فرماتے ہیں:۔

"قرآن میں حرام حلال خوراک میں تمیز کی گئی ہے (مائدہ ۴، ۹۷۔ انعام ۱۴۲ وغیرہ) اس قسم کی تعلیم ہم پر عیاں کر دیتی ہے کہ قرآن صرف خاص ممالک واقوام پر ہی حاوی ہو سکتا ہے لیکن کلمۃ اللہ نے اس قسم کی تعلیم کے نقص کو رفع کر دیا اور فرمایا کہ کوئی شے بذاتہ حرام نہیں۔ انجیل میں ارشاد ہے کہ خدا کی بادشاہت کھانے پینے پر نہیں بلکہ راست بازی محبت اور اتفاق اور اس خوشی پر موقوف ہے جو روح القدس کی طرف سے ہوتی ہے" مسیحیت اس قسم کے باطل عناصر سے یکسر خالی ہے (ص۱۰۱)

مجیب | اللہ رے حق سے عداوت! پادری صاحب کو اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے شریعت موسوی کی بھی پروا نہیں ہوتی۔ آپ اگر موسیٰ کی کتاب استثنا باب ۱۴ کو سامنے رکھ لیتے تو یہ جرأت نہ کرتے جو آپ نے یہاں کی ہے۔ دیکھئے خدا حضرت موسیٰ کو حکم دیتا ہے "تو کسی گھنونی چیز کو مت کھائیو۔ وے چار پائے کہ جنہیں تم کھا سکتے ہو یہ ہیں۔ بیل اور جھنڈ میں سے بھیڑ اور بکری اور ہرن اور آہو اور یحمور اور بز کوہی اور ریم اور گاؤ دشتی

اور تکہ کرہی ۔ اور ہر ایک چار پایہ جس کے کھر چرے ہوئے ہوں ۔ اور اس کے کھر میں
شگاف ہوا ایسا کہ اس سے دو پنجے ہوتے اور جگالی کرتا ہو تو تم اسے کھاؤ گے ۔ لیکن
ان میں سے کہ جگالی کرتے ہیں یا ان کے کھر چرے ہوئے نہیں ہیں تم انہیں مت
کھائیو ۔ جیسے اونٹ اور خرگوش اور بربوع ۔ اس لئے کہ یہ جگالی کرتے ہیں ۔ لیکن ان
کے کھر چرے ہوئے نہیں ہیں ۔ سو یہ تمہارے لئے ناپاک ہیں اور سور بھی کہ اس کے
کھر چرے ہوئے ہیں پر جگالی نہیں کرتا ۔ وہ تمہارے لئے ناپاک ہے تم ان کا گوشت
نہ کھائیو نہ ان کی لاش کو ہاتھ لگائیو ۔

آبی جانوروں میں سے یہی کھاؤ گے ۔ جتنوں کے پر ہوں اور چھلکے ۔ تم انہیں کھاؤ گے
مگر جس کے پر اور چھلکے نہ ہوں تم اسے مت کھائیو وہ تمہارے لئے ناپاک ہے ۔

ہر ایک پرندہ جو پاک ہے تم اسے کھاؤ گے لیکن وے جن کا کھانا حرام ہے یہ ہیں
عقاب اور استخوان خوار اور بحری عقاب اور چیلھ اور سفید چیلھ اور گدھ اور رجان کی
جنس سے ہیں ۔ ہر ایک جنس کا کوا اور شتر مرغ اور الو اور بحری بگلا اور باز کی ہر ایک
قسم اور بوم اور چوہے مار اور چکوا ۔ اور حواصل اور رخم اور ماہیخوار ۔ اور لگ لگ
اور بگلا اور جو ان کی جنس سے ہوں ۔ اور ہدہد اور چمگادڑ ۔ اور ہر ایک حیوان جو رینگ
کے چلے اور اڑے تمہارے لئے ناپاک ہے تم اسے مت کھائیو ۔ سب وے پرندے
جو پاک ہیں تم انہیں کھاؤ گے ۔

جو حیوان آپ سے مرجائے تم اسے مت کھائیو (استثنا باب ۱۴)

مجیب | پادری صاحب! آپ نے اسی تعلیم پر ہاتھ صاف کیا ہے یا کسی اور پر؟
غور سے سنئے ۔ حرام و حلال کے درمیان امتیاز کی نفی کا اثر دور تک پہنچتا ہے ۔ ایک مسلمان
ایک عیسائی دو شخص ہیں ۔ ان دونوں نے ہوٹل میں جا کر کھانا طلب کیا ۔ مسلمان نے تو بہرے سے
کہا میرے لئے بکری کا گوشت اور پانی کا گلاس لاؤ مگر عیسائی نے کہا کہ میرے لئے سور کا گوشت
اور شراب کا گلاس لاؤ ۔ دونوں نے اپنا اپنا من بھاتا کھانا کھایا ۔

پادری صاحب! فرمائیے کیا یہ دونوں شخص آپ کی نظر میں یکساں ہیں ۔ کتاب احبار میں

Marfat.com

سؤر کی حرمت دیکھ کر جواب دیجئے۔ جس میں لکھا ہے کہ :۔

"سؤر کہ کھر اس کا دو حصہ ہوتا ہے اور اس کا پاؤں چرا ہے پر وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی ناپاک ہے تمہارے لئے تم ان جانوروں کے گوشت سے کچھ نہ کھائیو۔ (احبار باب ۱۱:۹)"

حرمت شراب کی بابت بائیبل کا ارشاد سنئے :۔

"مے مسخرہ بناتی ہے اور مست کرنے والی ہر ایک چیز غضب آلودہ کرتی ہے جو اس کا فریب کھاتا ہے وہ دانشمند نہیں (امثال ۲۰ : ۱)

مسیحی دوستو! پادری برکت اللہ صاحب سے پوچھو کہ تم اسلام کی تردید کرنے میں اتنے دلیر کیوں ہو گئے کہ بائیبل مقدس پر بھی ہاتھ صاف کر دیا جس سے اہلِ مذاق کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ :۔

بازی بازی باریش بابا بازی

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں :۔

"اسلام میں نعمائے بہشت اور عذاب ہائے دوزخ کی تعلیم موجود ہے۔ اس تعلیم میں صداقت کا جو عنصر ہے وہ مسیحیت میں اپنی پاکیزہ ترین صورت میں پایا جاتا ہے (یوحنا ۱۴ : ۲-۳۔ مکاشفہ ۲ : ۷۔ لوقا ۲۰ : ۲۶، ۲۷۔ متی ۲۲ : ۳۰۔ ۲۵ باب وغیرہ) قرآن میں بہشت کی تصویر شراب اور نہروں عورتوں، غلاموں وغیرہ پر مشتمل ہے جس سے سلیم الطبع اشخاص متنفر ہو جاتے ہیں لیکن مسیحیت کے مطابق یہ تمام باتیں ناقص اور باطل ہیں (مرقس ۱۲ : ۲۵ وغیرہ) یہ تعلیم صرف ان لوگوں کو ہی بھلی معلوم ہو سکتی ہے جو ترقی کی ابتدائی منازل پر ہوں۔ لیکن اس طبقہ کے باہر یہ تعلیم دیگر ممالک و اقوام کی رہبری نہیں کر سکتی اور یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے اباطیل کو مسیحیت میں جگہ حاصل نہیں۔" (صفحہ ۱۰۸)

مجیب بے شک قرآن مجید میں بہشت اور دوزخ کا ذکر ہے اور مفصل ذکر ہے انجیل میں دوزخ کا ذکر ادھورے سے لفظوں میں ملتا ہے چنانچہ حضرت مسیح فرماتے ہیں :۔

جو اپنے بھائی کو احمق کہے گا وہ آگ کے جہنم کا سزاوار ہوگا (متی ۵ : ۲۲)

اسی طرح بعض اور مقامات میں بھی کسی قدر جہنم کا ذکر ملتا ہے۔ قرآن مجید میں بہشت کا مفصل ذکر کر کے ایک مقام پر مجمل الفاظ میں فرمایا ہے :۔

Marfat.com

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ (پ۱۷ ع۷)

اس آیت میں زمین کے وارث صالحین کو فرمایا ہے اور زبور کا حوالہ دیا ہے۔ پادری صاحب محققانہ اعتراض کرتے تو یوں پوچھتے کہ قرآن مجید نے زمین کی وراثت نیک بندوں کو دینے کا جو ذکر کیا ہے زبور میں وہ کہاں ہے؟ تو یہ ایک معقول سوال ہوتا۔ خیر آپ نے تو نہیں پوچھا ہم خود ہی بتلاتے ہیں کیونکہ یہ ایک فیصلہ کن عبارت ہے۔ حضرت داؤد فرماتے ہیں:۔

صادق زمین کے وارث ہوں گے اور ابد تک اس پر بسیں گے۔ صادق کا منہ دانائی کی بات کہتا ہے۔ اس کی زبان سے عدالت کا کلمہ نکلتا ہے اس کے خدا کی شریعت اس کے دل میں ہے (زبور ۳۷: ۲۹)

مجیب اس کلام حسن التیام میں جن صادقوں کی تعریف بہت اچھے لفظوں میں کی گئی ہے انہیں کو قرآن مجید نے الصالحون کے لفظ سے یاد کیا ہے اور قرآن مجید نے صادقوں کو جس زمین کی وراثت دینے کا وعدہ کیا ہے وہ وہی ہے جس کا ذکر اس اقتباس میں آیا ہے قرآن میں بہشتیوں کے لئے جملہ خالدین فیہا آیا ہے۔ مگر زبور کی مرقومہ عبارت میں کہا گیا ہے کہ وہ صادق ہمیشہ بسیں گے۔ مطلب ان دونوں جملوں کا ایک ہی ہے۔ پس ثابت ہوا جنت اور دوزخ کا ذکر قرآن اور بائیبل دونوں کتابوں میں برابر ملتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بائیبل میں یہ ذکر بالاجمال ہے اور قرآن میں بالتفصیل۔ ہاں پادری صاحب کا یہ فقرہ بھی محل افسوس ہے۔ جو آپ نے سلسلۂ انبیاء کے منکرین آریہ وغیرہ کے اثر سے لکھ دیا ہے:۔

"قرآن میں بہشت کی تصویر نہروں، عورتوں، غلاموں شراب وغیرہ پر مشتمل ہے۔"

ان چیزوں کے ذکر میں لفظ شراب نے دانستہ بڑھایا ہے۔ کیونکہ شراب اردو زبان میں نشہ آور پانی کا نام ہے۔ جو ہر عقلمند کے نزدیک بہت بری چیز ہے۔ عربی زبان میں شراب کے معنی ہیں پینے کی چیز۔ دودھ، پانی، شربت، لسی وغیرہ۔ جنت میں جو شراب اہل جنت کو ملے گی وہ نشہ آور نہیں ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

Marfat.com

لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ[۱] (پ ۲۳ ع)

پادری صاحب نے بہشت میں عورتوں کے وجود پر بھی اعتراض کیا ہے جواب یہ ہے کہ بیشک قرآن مجید نے نعمائے بہشت کے سلسلہ میں عورتوں کا بھی ذکر کیا ہے کیا بائیبل کے حوالے سے آپ نے مرد عورت کو بڑے فخر سے ایک تن نہیں کہا (دین فطرت ص۴۵) پھر جو چیز یہاں نعمت ہے اسی کو وہاں زحمت قرار دے کر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے۔ غلاموں کا ذکر بھی آپ نے کسی خاص نیت سے کیا ہے۔ قرآن مجید میں لفظ غلمان بے شک آیا ہے سنئے! غلمان غلام کی جمع ہے۔ اس کے معنی چھوٹے بچے کے ہیں نہ کہ مملوک کے غلام بمعنی مملوک فارسی زبان کا محاورہ ہے اس لئے دوسری آیت میں ولدان کا لفظ آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ (پ ۲۹ ع ۱۹)

ان آیتوں کے معنی یہ ہیں کہ اہل جنت کی اولاد جو دنیا میں بحالتِ نابالغی مر چکی ہے یا وہاں ان کے حسب خواہش پیدا ہوگی ان کے پاس پھرے گی جو ان کے لئے موجب راحت ہوگی۔ اقتضائے عقلی یہ ہے کہ جو چیز اس دنیا میں نعمت ہے وہ آخرت میں بھی نعمت ہوگی۔ مرد عورت کا ملاپ قدرتی امر ہے اور دونوں کے لئے ایک قسم کی نعمت ہے بس یہ چیز جس طرح دنیا میں نعمت ہے اسی طرح آخرت میں بھی نعمت ہی ثابت ہوگی اسی لئے فرمایا

وَلَهُمْ فِیْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ (پ ۱ ع ۳)

(یعنی اہل جنت کے لئے جنت میں پاک دامن بیویاں ہوں گی)

انجیل مرقس کے حوالہ مذکور میں یہ تو بے شک لکھا ہے کہ دوسری دنیا میں لوگ فرشتوں کی مانند ہوں گے۔ یعنی نیک کاموں کی جزا روحانی ہوگی۔ لیکن برے کاموں کی سزا جہنم میں جسمانی ہوگی۔ ملاحظہ ہو حضرت مسیح کا پہاڑی وعظ۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

جو کوئی شہوت سے کسی عورت پر نگاہ کرے وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ سو اگر تیری دہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا

---

[۱] اس میں نشہ نہیں ہوگا جس سے اہل جنت کے سر چکرا جائیں۔ ۱۲ منہ

سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے۔ (متی باب ۵، ۲۷ تا ۲۹)
پس آپ کا یہ کہنا کہ سلیم الطبع اشخاص اس سے متنفر ہیں" ہم تو ایسے لوگوں کے متنفر
ہونے کے قائل اس وقت ہوں گے جب کہ وہ دنیا میں بھی اس کام سے تنفر کریں گے۔ ورنہ
ان کے حق میں کہا جائے گا۔ ع

منکر مے بودن و ہم رنگ مستاں زیستن

آگے چل کر پادری صاحب فرماتے ہیں:۔

"اسلام میں جہاد کی تعلیم موجود ہے (توبہ ۲۹، ۱۱۲، ۱۱ تا ۱۵۔ محمد ۴ وغیرہ) جو صرف خاص قوم اور ملک سے ہی متعلق ہو سکتی ہے۔ بذریعہ جنگ و جدل لوگوں کو کسی مذہب میں جبریہ داخل کرنے اور لوٹ کا مال قبضہ میں رکھنے (انفال ۷۰ وغیرہ) کی تعلیم ہرگز اس قسم کی نہیں جس کا اطلاق کل اقوام اور ممالکِ عالم پر ہو سکے۔ یہ تعلیم سراسر باطل ہے۔ لہٰذا کلمۃ اللہ کی تعلیم میں دخل نہیں پاتی۔ علیٰ ہٰذا القیاس قرآن قصاص و انتقام کی تعلیم دیتا ہے (بقرہ ۱۹۰۔ مائدہ ۴۹۔ شوریٰ ۴۳ تا ۳۸۔ نحل ۱۲۷ وغیرہ) لیکن کلمۃ اللہ نے جیسا ہم گذشتہ فصل میں بیان کر چکے ہیں اس قسم کی تعلیم کو باطل قرار دے دیا ہے۔" (ص ۱۰۹-۱۱۰)

مجیب | جہاد کا مسئلہ ہم پہلے ص۳۲ پر لکھ آئے ہیں اور بائیبل کی شہادت سے اس کا ثبوت دے آئے ہیں اور یہ بھی بتا آئے ہیں کہ مسیح نے بھی جہاد کو پسند کیا ہے۔ پھر اگر بقول پادری صاحب مسیح کلمۃ اللہ نے اس تعلیم کو باطل قرار دیا ہے تو اسلام کو نہیں بلکہ بائیبل مقدس کو باطل قرار دیا ہے حالانکہ پادری صاحب خود ہی لکھتے ہیں کہ:۔

اس دنیا میں بائیبل مقدس ہی ایک واحد کتاب ہے جو صدیوں سے ہزاروں ملکوں اور قوموں کے کروڑوں افراد کے نزدیک آج بھی ویسی ہی وقعت کے قابل ہے۔
جیسی وہ اس زمانہ میں تھی جب وہ تحریر میں آئی۔" (ص۲۶)

ہاں یہ بات بھی آپ نے سنے سنائے لکھ دی ہے کہ
"جہاد سے غرض لوگوں کو جبراً مذہب میں داخل کرنا ہے۔"

Marfat.com

ایسا کہنا بالکل غلط ہے۔ قرآن شریف میں صاف ارشاد ہے لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ یعنی دین میں کسی پر کسی قسم کا جبر جائز نہیں ہے۔

اسی طرح آپ کا یہ کہنا کہ لوٹ کے مال پر قبضہ کرنے کی غرض سے جہاد کا حکم دیا گیا۔ بالکل غلط ہے۔ جہاد سے مقصود یہ ہے کہ کفّار کی طرف سے اہل اسلام پر جو ظلم روا رکھا گیا ہو اس کو دفع کرنے کے لئے حکومت الٰہیہ قائم کی جائے جس کو آج کل کی اصطلاح میں پورن سوراج یا مکمل آزادی کہتے ہیں جس کے لئے آج کل ہندوستان سخت جانفشانی اور سرفروشی کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ اس جدوجہد میں مسیحی لوگ بھی شامل ہیں۔

مالِ غنیمت کی بابت بائیبل مقدس کا ارشاد سنئے! حضرت موسیٰ کا حکم ہوتا ہے:۔

"جب تو کسی شہر کے پاس اس سے لڑنے کے لئے آپہنچے تو پہلے اس سے صلح کا پیغام کر۔ تب یوں ہوگا کہ اگر وہ تجھے جواب دے تو صلح منظور، اور دروازہ تیرے لئے کھول دے تو ساری خلق جو اس شہر میں پائی جائے تیری خراج گزار رہےگی اور تیری خدمت کرےگی۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے جنگ کرے تو تو اس کا محاصرہ کر۔ اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں کر دے تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر۔ مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کا سارا لوٹ اپنے لئے لے اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دی ہے کھائیو" (استثنا باب ۲۰ : ۱۰ تا ۱۴)

مجیب: دیکھئے اس اقتباس میں زیرِ خط الفاظ کس صفائی سے مالِ غنیمت کو مباح (جائز) قرار دے رہے ہیں۔ ہم نے یہ الفاظ مسیحیوں کی شائع کردہ بائیبل سے نقل کئے ہیں۔ کیا مسیحی حضرات نے یہ الفاظ بائیبل سے خارج کر دیئے ہیں تو نئی بائیبل کا ایک نسخہ ہمیں بھی بھیج دیں۔

قرآن مجید نے مسلمانوں کو جو حسبِ ضرورت جہاد کا حکم دیا ہے آج ساری دنیا یورپی و ایشیائی قومیں اپنی اپنی اغراض کے ماتحت اس پر عمل کر رہی ہیں کیا اچھا ہو کہ پادری صاحب یورپ جا کر اٹلی کے پوپ کے ہمراہ ہو کر ان لڑنے والی قوموں کو لڑائی سے منع کریں مگر

Marfat.com

روانگی سے پہلے اپنے پرائے سے میل ملاقات کرلیں ۔ کیوں ؟ ؎

پہنچ کر کے وہیں کے ہو نہ رہنا   کوئی جا کر کے کہہ دے نامہ بر سے

باوجود اسلام کا دامن جہاد کے مسئلہ میں ان بدنما دھبوں سے بالکل پاک ہے جو آج کل یورپ و ایشیا کی جنگجو اقوام کے دامن پر نظر آرہے ہیں کہ نہ عورتوں کو چھوڑا جاتا ہے نہ بچوں کو نہ بوڑھوں کو نہ بیماروں کو۔ اس کے برخلاف اسلامی تعلیم جہاد کے متعلق یہ ہے۔

قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا (پ ۲ ع)

(ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو)

پادری برکت اللہ صاحب نے خدا جانے کس نیت سے (بھول کر یا حق کی عداوت کی وجہ سے) قرآنی حکم قصاص پر بھی اعتراض کیا ہے۔ قصاص بدلہ لینے کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے قصاص کے مسئلہ میں تورات کو بھی شامل کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ (پ ۶ - ع)

(ہم نے بنی اسرائیل کو تورات میں حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخم بھی قابل بدلہ ہیں۔)

اگر پادری صاحب حق کے متلاشی ہوتے تو ہم سے پوچھتے کہ اس حکایت کا محکی عنہ تورات میں کہاں ہے؟ مگر وہ ایسا کیوں کرتے جب کہ ان کو تحقیق حق سے مطلب ہی نہیں ان کو تو بقول ؎

مجھے تو ہے منظور مجنوں کو لیلےٰ   نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

مسیحیوں میں مسیحیت کی فضیلت کا اظہار منظور ہے خیر وہ جانیں اور ان کا کام۔ ہم تو اپنا فرض ادا کئے دیتے ہیں۔ قرآن مجید کے حوالے کا ثبوت درج ذیل ہے ملاحظہ فرمائیے:۔

جو انسان کو مار ڈالے گا سو مار ڈالا جائے گا اور جو کوئی حیوان کو مار ڈالے تو وہ اس کا عوض حیوان کے بدلے حیوان دے اور اگر کوئی اپنے ہمسائے کو چوٹ لگائے سو جیسا کریگا ویسا ہی پائے گا۔ توڑنے کے بدلے توڑنا آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے

Marfat.com

دانت۔ جیسا کوئی کسی کا نقصان کرے اس سے ویسا ہی کیا جائے اور وہ جو حیوان کو مار ڈالے اس کا بدلہ دے وہ جو انسان کو مار ڈالے جان سے مارا جائے۔

(کتاب احبار باب ۲۴: ۱۷ تا ۲۱)

اسی کے ساتھ ہی حضرت مسیح کا ارشاد ذیل بھی سن لیجئے۔

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توارت میں ہرگز نہ مٹے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو۔ پس جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے حکم کو ٹال دیوے اور ویسا ہی آدمیوں کو سکھا دے وہ جا ہے سکھانے والا کوئی بڑا پادری ہو) وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔

(متی باب ۵: ۱۸، ۱۹)

ناظرین! قرآن، توارت اور انجیل کے حوالہ جات مرقومہ پڑھ کر پادری صاحب کی جرأت ملاحظہ کیجئے۔ کس دلیری سے لکھتے ہیں کہ "کلمۃ اللہ نے اس قسم کی تعلیم کو باطل قرار دیا ہے" مگر یہ نہ سوچا کہ ہمارا یہ حملہ صرف قرآن پر نہیں بلکہ توارت، انجیل اور صحف انبیاء سب پر ہے جیرت ہے کہ آپ مسیحیت کو عالمگیر ثابت کرتے ہوئے قصاص کے حکم کو باطل قرار دے رہے ہیں کیا دنیا کے ممالک متمدنہ ایسی مسیحی تعلیم کو جو قصاص و انتقام کے خلاف ہو منظور کر لیں گے حاشا وکلا کیا خوب۔ قرآنی معجزہ ہے کہ پادری صاحب خود ہی اپنے مدعا مقصود کے خلاف لکھتے جا رہے ہیں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیّاد آ گیا

آگے آپ صفحہ ۱۰۹ پر لکھتے ہیں۔

"عورات کی حیثیت کے متعلق احکام قرآن میں پائے جاتے ہیں (نساء ۲۳ تا ۲۸ - بقر ۲۲۳ وغیرہ) یہ احکام عرب جاہلیت کو سدھارنے کی خاطر وضع کئے گئے تھے۔ ان میں سے جو صداقت کے پہلو ہیں وہ بدرجۂ احسن انجیل جلیل میں موجود ہیں جیسا کہ ہم اس باب کی فصل اوّل میں ذکر کر چکے ہیں لیکن قرآنی تعلیم کے ناقص پہلو مثلاً تعدد ازدواج،

Marfat.com

طلاق وغیرہ (نساء آیت ۳ ۔ بقرہ ۲۳۰ و ۲۳۱ وغیرہ) صرف خاص ملک قوم اور طبقہ کے ساتھ ہی تعلق رکھ سکتے ہیں اور ان کے اصول کا اطلاق کل دنیا کے ممالک و اقوام پر نہیں ہو سکتا لہٰذا یہ تعلیم عالمگیر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور یہی وجہ ہے کہ مسیحیت ان تمام ناقص غیر مکمل اور باطل عناصر سے پاک ہے۔" (صـ۱۰۹)

پادری صاحب نے فصل اوّل کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ درج ذیل ہے:۔

"کلمۃ اللہ کے زمانے میں جنسی تعلقات کا فیصلہ مردوں کے ہاتھوں میں تھا۔ تمام روئے زمین کی عورتوں کی قسمت کی باگ ڈور مردوں کے ہاتھ میں تھی۔ دیگر مذاہب عالم یہ فرض کر لیتے تھے کہ عورت ذات کو کسی نہ کسی کے قبضے میں ہونا ضرور ہے۔ منوسمرتی کی طرح ان مذاہب کے مطابق عورت کا بچپن، عالم شباب غرض کہ اس کی زندگی کی تمام منزلیں آدمیوں کے ہاتھوں میں تھیں اور یہ ضروری خیال کیا جاتا تھا کہ جس طرف مرد ان کی باگ کو موڑیں وہ چلیں۔ یہ کبھی کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آیا تھا کہ عورت کا وجود کسی مرد کے حبالۂ نکاح میں آئے بغیر ممکن ہو سکتا ہے۔ دنیا کے تمام غیر مسیحی مذاہب یہ فرض کر لیتے ہیں کہ اس دنیا میں عورت کا وجود اس واسطے ہے کہ وہ کسی کی منکوحہ بیوی ہو کر اپنی زندگی بسر کرے۔ وہ قوم اور ملک کے لئے بچے پیدا کرنے کی مشین خیال کی جاتی ہے۔ مسیحیت ہی اکیلا واحد مذہب ہے جس میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ عورت بغیر نکاح کے اور بغیر مالِ منقولہ متصوّر ہوئے اپنی زندگی عزت کے ساتھ بسر کر سکتی ہے ایک مؤرخ کہتا ہے کہ مسیحیت کا بڑا معجزہ یہ ہے کہ اس دنیا میں ایک کنواری عورت مدت العمر کنواری رہ سکتی ہے۔ کلمۃ اللہ کی طفیل عورت بذاتِ خود ایک مستقل ہستی ہو گئی ہے۔ وہ خود غرض انسان کے جنسی تعلقات کو پورا کرنے اور اس کی شہوت کا آلۂ کار نہیں رہی بلکہ وہ مرد کی طرح خدا کی فرزند بن گئی ہے اور مرد کے ساتھ خدا کی بادشاہت کی ہم میراث ہو گئی ہے اور مسیح کے ساتھ روحانی رفاقت رکھنے والی ہو گئی ہے اور مرد کے بدن کی طرح عورت کا بدن بھی روح القدس کا مسکن بن گیا ہے۔" (صـ۱۲)

Marfat.com

مجیب ان عبارتوں میں جو کچھ پادری صاحب نے کہا ہے وہ صرف ان کا زورِ قلم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید نے عورت کو جو درجہ دیا ہے اس سے پہلے کسی مذہبی کتاب نے نہیں دیا۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ قرآن نے یہ درجہ اس وقت دیا جب کہ ساری دنیا میں عورتوں کو مالِ موروثہ کی طرح سمجھا جاتا تھا جیسا کہ پادری صاحب نے مسیحی زمانہ کا نقشہ دکھایا ہے۔

بس اب عورت کی حیثیت کے متعلق قرآنی ہدایات سنئے۔ ارشاد ہے:-

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ط (پ ۱۴ - ع ۱۹)

(کوئی مرد ہو یا عورت جو نیک عمل کرے ہم اس کو پاک زندگی دیں گے)

ازدواجی زندگی کے متعلق ایک جامع ہدایت یہ ہے۔ غور سے سنئے!

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ط (پ ۲ - ع ۱۲)

(جس قدر حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں اسی قدر عورتوں کے مردوں پر ہیں)

اطلاع تورات و انجیل بلکہ وید وغیرہ نے بھی عورتوں کو جس قدر کم درجہ دیا ہے کسی اور کتاب نے اس قدر کم درجہ نہ دیا ہوگا۔ اصولاً عورت کی چار حیثیتیں ہیں۔ کسی کی ماں ہے تو کسی کی بیٹی، کسی کی بہن ہے تو کسی کی بیوی۔ قرآن مجید نے ان چاروں حیثیتوں میں عورت کو ترکہ میت سے مالی حصہ دلایا ہے۔ مگر غیر قرآنی کتب نے ان چاروں مراتب میں عورتوں کو اپنے مورثوں کے ترکہ سے محروم رکھا ہے۔

اس پر ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ عورت کو جو بچہ جننے کی تکلیف ہوتی ہے وہ بھی گناہ کی وجہ سے بتائی جاتی ہے نہ اس کے اپنے گناہ سے۔ بلکہ بہت اوپر چل کر مائی حوا کے گناہ کے سبب عورت کو مبتلائے عذاب کہا گیا ہے چنانچہ بقول مسیحی حضرات آدم و حوا کی نافرمانی کی وجہ سے خدا نے عورت کو جو سزا دی اس کے متعلق موجودہ تورات کے الفاظ یہ ہیں۔

"اس (خدا) نے عورت سے کہا کہ میں تیرے درد کو اور حمل میں تیرے درد کو بڑھاؤں گا اور درد سے تو لڑکے جنے گی اور اپنے خصم کی طرف تیرا شوق ہوگا اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔"

(پیدائش ۳: ۱۶)

Marfat.com

ناظرین! کیا مزیدار بات ہے اور کیسا انصاف ہے۔ اسی کو کہتے ہیں:۔

کرے داڑھی والا اور پکڑا جائے مونچھوں والا

خدائی حکم کی خلاف ورزی کرے مائی حوّا اور سزا بھگتیں مسیحی لیڈیاں[1]۔

ہاں قرآن مجید عورت پر جبر نہیں کرتا کہ وہ ضرور شادی کرے۔ کوئی عورت اگر کنواری رہنا چاہے تو بے شک رہے مگر اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ایک شادی کی بجائے کئی ایک خفیہ تعلقات پیدا کریں[2]۔ پس آپ کا یہ کہنا کہ

"دنیا کے تمام غیر مسیحی مذاہب یہ فرض کر لیتے ہیں کہ اس دنیا میں عورت کا وجود اس واسطے ہے کہ کسی کی منکوحہ بیوی بن کر زندگی بسر کرے۔ وہ قوم اور ملک کے لئے بچے پیدا کرنے کی مشین خیال کی جاتی ہے۔" (ص۲۲)

ہم اس کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ ہمارے علم میں کسی مذہب کی تعلیم یہ نہیں ہے۔ ہاں آجکل اخباروں میں یہ پڑھا ہے کہ:۔

جرمنی کے ڈکٹیٹر ہٹلر نے اپنے ملک میں یہ سرکلر جاری کیا کہ

عورت کا کام بچے پیدا کرنا ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

سو یہ اس سے پوچھنا چاہئے۔ ہم اس کے جواب دہ نہیں ہیں البتہ ہم یہ کہنے سے نہیں رک سکتے کہ قانونِ قدرت کی مخالفت کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے بس سمجھ لیجئے کہ آئندہ قرآن مجید پر اعتراض کرتے ہوئے قانونِ قدرت کا لحاظ رکھا کریں ورنہ قدرت کی مشین کسی کا لحاظ نہیں کرتی۔ کسی نیچرل شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں ہم ان کو چھوڑ بیٹھے ہیں

جب آنکھیں چار ہوتی ہیں محبت آ ہی جاتی ہے

(نوٹ) عورت کی حیثیت کے متعلق مزید بحث کتاب ہذا کے ص۳۹ تا ۴۲ پر ملاحظہ کریں۔

---

[1] سبھی عورتیں دردِ زہ کی تکلیف میں مبتلا ہوتی ہیں۔ پھر ہم نے مسیحی لیڈیوں کی تخصیص کیوں کی؟ بعض ان کے مذہبی عقیدہ کے لحاظ سے ورنہ خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں۔ ۱۲ منہ۔

[2] آیت کریمہ وَلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ ط کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

"قرآن میں اصول مواخات صرف مسلمانوں کے دائرہ تک محدود کیا گیا ہے (حجرات ۱۰) مسیحیت میں اخوت کا اصول بدرجہ احسن موجود ہے (متی ۲۳/۸-۹، ۲۲/۴-۳ وغیرہ) اس مضمون پر ہم گذشتہ فصل میں مفصل بحث کر چکے ہیں۔ صداقت کا وہ عنصر جو قرآن کی تعلیم اخوت میں ہے اپنی اعلیٰ ترین صورت میں انجیل شریف میں موجود ہے (یوحنا ۱۳/۳۴-۳۵، ۱۵/۱۲-۱۴ وغیرہ) لیکن قرآنی تعلیم میں نقص یہ ہے کہ اخوت کو ایک طبقہ تک ہی محدود کر دیا گیا ہے (حجرات ۱۰) اور دوسروں سے دوستی رکھنے سے منع کیا گیا ہے (فتح ۲۹۔ انفال ۷۴۔ مائدہ ۶۲۔ ممتحنہ ۸-۹ وغیرہ) کلمۃ اللہ کی تعلیم نے اس ناقص اور غیر مکمل حد کو توڑ کر نوع انسانی کی اخوت کا سبق دیا ہے (متی ۵: ۴۳-۴۴۔ لوقا ۱۰: ۳۰-۳۷۔ متی ۱۲/۴۷) (ص ۱۰۹/۱۱۰)

مجیب اخوت کا ذکر بھی کتاب ہذا کے صفحات ۲۱ تا ۲۵ پر آچکا ہے اس سے آگے آپ لکھتے ہیں :۔

"ہم نے اسلام اور قرآن کے اہم اصول پر نظر کر کے دیکھا ہے کہ ان اصول میں جو صداقت کے پہلو ہیں وہ سب کے سب مسیحیت میں پاکیزہ ترین صورت میں پائے جاتے ہیں لیکن قرآنی تعلیم کے ناقص، غیر مکمل اور باطل پہلوؤں کو مسیحیت میں کہیں دخل نہیں۔ لہذا مسیحیت ان تمام صداقتوں کو اپنے اندر جمع رکھتی ہے جو اسلام کی کامیابی کا باعث ہیں لیکن ان تمام اباطیل سے پاک ہے جو اسلام کی ناکامی کا باعث ہیں۔ ہم نے اس مضمون پر ایک اور کتاب میں مفصل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اسلام ان ناقص اور غیر مکمل عناصر کی وجہ سے عالمگیر مذہب نہیں ہو سکتا لیکن چونکہ مسیحی مذہب تمام صداقتوں کا مجموعہ ہے اور اس میں باطل اصول ہرگز دخل نہیں پاتے لہذا صرف وہی عالمگیر مذہب ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔" (ص ۱۱۱)

مجیب آپ نے قرآن کی جس جس تعلیم پر یہاں اعتراض کیا ہے ہم سب کا جواب دے چکے ہیں۔ آپ کی اس مایہ ناز کتاب کا جواب تیسرے باب میں آئے گا انشاءاللہ تعالیٰ ہمیں پادری صاحب سے سخت شکایت ہے کہ آپ جو دعویٰ کرتے ہیں اس کو

Marfat.com

نباہتے نہیں۔ جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ آپ بانو مدعی کا منصب جانتے نہیں یا بھول جاتے ہیں۔ اس کتاب کا نام آپ نے مسیحیت کی عالمگیری" رکھا ہے۔ یہ نام آپ کے دعوے کی تشریح کرتا ہے کہ آپ اس بات کے مدعی ہیں کہ صرف مسیحیت عالمگیر مذہب ہے۔ مگر ہم نے آپ کی جتنی عبارتیں پیش کی ہیں ان سب کا مضمون قرآن مجید پر حملہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی کتاب کا نام اور منصب یاد نہیں رہا مہاشہ دھرم پال بی اے نے رسالہ "ترکِ اسلام" لکھا تھا۔ وہ ہر ایک نمبر میں قرآن مجید پر اعتراض کرتا تھا اس کی ہمیں شکایت نہ تھی کیونکہ اس کی کتاب کا نام ہی اس کے دعویٰ کے اظہار کے لئے کافی تھا۔ اس کا منصب یہی تھا کہ قرآن مجید کے نقائص بیان کر کے دکھاتا تاکہ ان وجوہات کی بنا پر میں نے اسلام کو ترک کیا ہے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا لیکن اس کتاب میں آپ کا منصب مسیحیت کی برتری ثابت کرنا ہے اس لئے از روئے علم مناظرہ آپ کے اور مہاشہ دھرم پال کے منصب میں بہت فرق ہے۔ اگر آپ خود یا آپ کا کوئی مددگار یہ کہے کہ اس رسالہ میں قرآن مجید کا ذکر ہم نے اس لئے کیا ہے تاکہ اس کے مقابلے میں مسیحیت کی عالمگیری ثابت ہو سکے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ مسیحیت کی عالمگیری کا مقابلہ ہر ایک دین بلکہ لا دینی سے بھی ہے۔ پھر خاص اسلام پر حملہ کرنے سے اصل دعوے کو کیا تقویت پہنچ سکتی ہے۔ ایک آریہ یا دہریہ آپ کے مضمون کو سن کر ہنس دے گا۔ ہمارا مطلب یہ نہیں کہ آپ قرآن مجید پر اعتراض نہ کریں بے شک کریں اور جی کھول کر کریں اسی لئے قرآن مجید دنیا بھر کے مخالفین کو للکار کر کہتا ہے ؎

ہاں تامّل دمِ ناوک فگنی خوب نہیں
میری چھاتی ابھی تیروں سے چھنی خوب نہیں

پادری صاحب اپنا اصل دعوے یوں بیان کرتے ہیں۔

"**مسیحیت کی جامعیت** | مختلف مذاہب کے اصول کے مطالعہ سے ناظرین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ مختلف مذاہب حق اور صداقت کے صرف مختلف پہلوؤں پر ہی زور دیتے ہیں

اور باقی پہلوؤں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مثلاً ہندو مذہب ہمہ اوستی عقیدہ کا قائل ہو کر خدا کے رفیع اور بلند و بالا ہونے کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اسلام میں خدا کے بلند و بالا ہونے پر اس قدر زور دیا گیا ہے کہ خدا اور انسان میں ایک وسیع خلیج حائل کر دی گئی ہے۔ علی ہذا القیاس اگر اسلام ایک صداقت پر زور دیتا ہے تو دوسری کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اگر ہندو مذہب ایک قسم کی صداقت کی تعلیم دیتا ہے تو دوسری قسم کی صداقت کو نظر انداز کر دیتا ہے لیکن مسیحیت میں صداقت کے مذکورہ بالا دونوں عناصر پہلو بہ پہلو ایک ہی نظام میں منظم ہو کر ہم کو نظر آتے ہیں۔ کلمۃ اللہ کی تعلیم کے مطابق خدائے قدوس محبت کا خدا ہے جو بنی آدم سے بلند و بالا بھی ہے اور اپنی ازلی محبت کی وجہ سے ہر فرد بشر کے ساتھ رفاقت رکھتا ہے۔ بدھ مت میں عدل اور انصاف پر بے حد زور دیا گیا ہے۔ لیکن اس مذہب میں محبت کو جو انسان کے دل کو فی الحقیقت بدل دیتی ہے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ مسیحیت میں خدا کی محبت اور خدا کا عدل دونوں پہلو بہ پہلو پائے جاتے ہیں۔ چین کے کنفوشیش کا مذہب دنیوی تعلقات کی پاکیزگی پر زور دیتا ہے لیکن اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ یہ تعلقات اس ازلی تعلقات کا عکس ہیں جو خدا اور انسان کی ذات سے متعلق ہیں۔ مسیحیت میں ازلی اور دنیاوی تعلقات دونوں پر زور دیا گیا ہے۔ جاپان کا شنٹو مذہب حب الوطنی کا سبق سکھاتا ہے۔ لیکن اس مذہب کے نزدیک ملک کی محبت صرف ایک ملک یعنی جاپان تک محدود ہے لیکن مسیحیت صداقت کے اس عنصر کو کامل کر کے تعلیم دیتی ہے کہ ہم نہ صرف اپنے ملک اور قوم کے ساتھ بلکہ تمام ممالک و اقوام کے ساتھ محبت کریں۔" (ص۱۱۱)

مجیب | اس جامعیت کا جواب ہم گذشتہ صفحات (۲۷ تا ۳۱) میں دے چکے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالے سب کا خالق اور مالک ہے۔ دنیا کی ساری مخلوق اس کے سامنے عاجز و بے چارہ ہے۔ باوجود اس کے خدا اور بندے کے درمیان کوئی خلیج نہیں ہے کیونکہ وہ صاف لفظوں میں فرماتا ہے:-

Marfat.com

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ○ هُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ط

(خدا انسان کی شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ تم جہاں کہیں ہو گے خدا تمہارے ساتھ ہو گا۔ خدا سب لوگوں کے حال پر مہربان ہے)

چین و جاپان کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے اس کے جواب دہ ہم نہیں بلکہ وہی لوگ ہیں گو ہم اس اعتراض کو بھی غلط سمجھتے ہیں۔

آگے چل کر آپ فرماتے ہیں:۔

(حق تو یہ ہے کہ ادیان عالم کی مختلف صداقتیں صرف مسیحیت ہی میں جامع ہو کر محفوظ رہ سکتی ہیں کیونکہ ان مذاہب میں صداقت کا عنصر بطالت کے عناصر کے ساتھ اس قدر ملا جلا ہوتا ہے کہ صداقت کے عنصر کی ہستی ہمیشہ معرض خطر میں رہتی ہے۔ ان مذاہب میں صداقت اور بطالت کے عناصر ایک جگہ باہم غلط ملط پائے ہیں۔ مثلاً اگر کسی الہامی کتاب میں ایک صفحہ پر خدا کی قدوسیت کی تعلیم دی گئی ہو اور اس کے اگلے صفحہ پر ایسی باتیں ہوں جو مخرب اخلاق ہیں تو صداقت کا عنصر انسان کی زندگی کو کس طرح متاثر کر سکے گا؟ ان مذاہب میں غلط تصورات کے بادل اور کالی گھٹائیں صداقت کے عناصر کی شعاعوں کو چھپا لیتی ہے اور صداقت کی طاقت کمزور پڑ جاتی ہے اور روحانی تاریکی چھا جاتی ہے۔) (ص۱۱۳)

مجیب یہ اعتراض تو الٹا مسیحیت پر وارد ہوتا ہے کہ ایک طرف تو مسیح کی شخصیت کو خدائے مجسم بتایا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سب قدرتوں اور طاقتوں کا مالک ہے ادھر اس کو دشمنوں کے ہاتھوں چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح سولی پر چڑھایا جاتا ہے جس پر یہ عادق آتا ہے:۔

سپنے اندر راجہ بھئو جاگت بھئو کنگال

مسیح اس عاجزانہ حالت میں صلیب پر لٹکے ہوئے گویا یہ شعر پڑھ رہے ہیں ؎

لہ صلیب پر مسیح کی تصویر کتاب ہذا میں ص۱۲۱ پر دیکھو ۱۲ منہ

Marfat.com

ضعف نے غالب نکما کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

بطور نتیجہ پادری صاحب لکھتے ہیں:۔

"کلمۃ اللہ کے اصول کی روشنی میں کل دنیا کے مذاہب اس بات کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اپنے اصولوں کی اصلاح کریں۔ ہندو دھرم اب وہ نہیں رہا جو پچاس سال پہلے تھا۔ اسلامی تعلیم اب وہ نہیں رہی جو پچھلی صدی میں مکتبوں اور مسجدوں میں منبروں پر سے دی جاتی تھی۔ دقیانوسی ملاؤں کے وعظوں پر اسلامی ممالک مثلاً مصر، ایران، ترکی وغیرہ میں کوئی صحیح العقل شخص دھیان نہیں دیتا چین اور جاپان کے مذاہب کا بھی یہی حال ہے۔ مسیحی تصورات نے ان کے عقائد اور رسوم کی بطالت کو ایسا ظاہر کر دیا ہے کہ ان کے پیرو مسیحیت سے متاثر ہو کر ان سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں" (ص۱۱۴)

مجیب پادری صاحب ایسے روشنی کے زمانہ میں آپ جیسے تعلیم یافتہ کے قلم سے ایسے الفاظ کا نکلنا اعجب العجائب سے ہے سب سے زیادہ مسیحی مذہب کے حامی زار اور اس کی رعایا برایا تھی جو ترکی سلطنت کی عیسائی رعایا کی ہمدردی کی آڑ لے کر ہمیشہ ترکی سے برسر پیکار رہتے تھے کہ ہم چونکہ عیسائی مذہب کے پیرو ہیں اس لئے ترکی کی عیسائی رعایا کی امداد کرنا ہمارا فرض ہے۔ بتائیے آج کل روس میں مذہب کی جو مٹی پلید ہو رہی ہے وہ کلمۃ اللہ کے اثر سے ہے؟ اس کے بعد جرمنی میں دیکھئے کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ وہاں بائیبل کی بجائے کون سی کتاب پڑھائی جاتی ہے۔ پھر اٹلی میں آجائیے اور دیکھئے کہ پوپ اعظم چلا رہا ہے اور کوئی اس کی بات نہیں سنتا۔ پھر فرانس، یونان اور انگلستان کی سیر کیجئے۔ آہ! کلمۃ اللہ کی یہ تعلیم کیسی صاف، سنہری اور چمک دار ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"میں تمہیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کر بلکہ تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے" (متی باب ۵: ۳۹)

موجودہ جنگ ۱۹۴۱ء میں یورپ جو آتش فشانی کر رہا ہے شاید وہ کلمۃ اللہ کی اسی تعلیم کی روشنی میں کرتا ہوگا۔ دقیانوسی ملاؤں کو غلط تعلیم کے ترک ہونے سے اسلام کی اصلی

Marfat.com

تعلیم پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔
ہم نے یورپ کے ان ممالک کی جو مثالیں دی ہیں ان میں کسی دقیانوسی پادری کی تعلیم نہیں چھوڑی گئی بلکہ خود مسیح کلمۃ اللہ کی پاکیزہ تعلیم کے اصول چھوڑے گئے ہیں۔ اسی طرح پادری صاحب نے یہ کیا معقول فقرہ فرمایا ہے کہ۔

کلمۃ اللہ کی تعلیم نے ہندوستان کو اس قدر متاثر کر رکھا ہے کہ ہندو اور مسلمان اپنے اپنے مذہب کی کانٹ چھانٹ کر کے ان کو مسیحی تصورات کے مطابق کرنے کی کوشش میں مشغول ہیں" (۱۱۵)

مسیحی مذہب کا اعلیٰ تصور اور بنیادی پتھر مسیح کی شخصیت (الوہیت) ہے جس کا ذکر آپ نے بار بار سینکڑوں صفحات پر کیا ہے کیا مسلمان اس تصور کی روشنی کو تسلیم کر چکے ہیں۔ ہم نے جہاں تک دیکھا اور دیکھ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ مسلمان علی الاعلان کہتے ہیں:-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (پ ۶-ع)

(کافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے)

معلوم نہیں آپ کو ایسے مسلمان کہاں ملے ہیں جو مسیحی مذہب کی روشنی میں اسلامی تعلیم کی کانٹ چھانٹ کر رہے ہیں۔ البتہ ہم اس کتاب کے تیسرے باب میں دکھائیں گے کہ بعض اشخاص جو مخالفِ اسلام تصنیفات کے مصنف ہیں آیت موصوفہ (لقد کفر الذین) کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

آگے چل کر پادری صاحب فرماتے ہیں۔

ہم نے اس رسالہ کے باب اول میں لکھا تھا کہ عالمگیر مذہب کے لئے ضروری ہے کہ اس کا بانی ایک عالمگیر نمونہ ہو۔ نوع انسانی کی زندگی کو تبدیل کرنے کے لئے ایک کامل انسانی نمونہ کی ضرورت ہے" (ص ۱۱۶)

مجیب | بالکل ٹھیک اور سولہ آنے صحیح ہے۔ اس کے ساتھ اپنا یہ فقرہ بھی ملا لیجئے۔

"جب ابن اللہ اس دنیا سے آسمان پر صعود فرما گئے تو آپ ورثہ کے طور پر اپنے

Marfat.com

پیچھے کوئی کتاب نہ چھوڑ گئے[1] جو اصول پر مشتمل ہو بلکہ آپ نے مسیحی کلیسیا کو ورثہ کے طور پر اپنا کامل اور اکمل نمونہ دیا (ص۱۱۷) باقی تمام مذاہب اپنی دینی کتب کو پیش کرتے ہیں جو مختلف اصولوں کا مجموعہ ہیں۔ لیکن مسیحیت کسی کتاب یا اصول پر مشتمل نہیں۔ اگرچہ اس کے اصول اعلیٰ و ارفع اور ہمہ گیر ہیں۔ مسیحیت کا تمام دار و مدار کلمۃ اللہ کی زندہ شخصیت پر ہے" (۱۱۸)

مجیب ہم پادری صاحب کے شکر گذار ہیں کہ وہ اس بحث کو اب مرکز پر لے آئے ہیں حقیقت یہی ہے کہ مسیحیت مروجہ کا مدار کار مسیح کی شخصیت ہی ہے۔ اگر پوچھو کہ مسیح کی شخصیت کیا ہے؟ تو اس کا جواب ہم اپنے لفظوں میں نہیں بلکہ پادری صاحب ہی کے اصل الفاظ میں بتلاتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"برزخ کبریٰ اور انسان کامل اور مظہر جامع صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو کہ کامل خدا اور کامل انسان ہو۔ صفات قدیمہ الٰہیہ اور صفاتِ ممکنہ انسانیہ کے ساتھ متصف ہو۔ کیا اہلِ اسلام آنحضرت میں ان صفات کا وجود مانتے ہیں؟ ہرگز نہیں کیونکہ نبی اسلام کو مظہر ذات قرار دینا اصولِ اسلام کو بدلنا ہے۔ لیکن ربنا المسیح ان تمام اوصاف سے متصف ہیں اور وہ آپ میں انسب اور اکمل طور پر موجود ہیں۔ (یوحنا ۱۰: ۳۰) (ص۱۲۹)

اسی مضمون کو عیسائیوں کے رسالہ "اخوت" لاہور نے ذرا واضح الفاظ میں بیان کیا ہے

---

[1] قرآن مجید میں حضرت مسیح کو جو انجیل ملنے کا ذکر آتا ہے عیسائی لوگ اس کے ثبوت میں آیاتِ قرآنیہ پیش کر کے کہا کرتے ہیں کہ دیکھو قرآن میں مذکور ہے آتَیْنَاہُ الْاِنْجِیْلَ (خدا نے مسیح کو انجیل دی) مسلمان عیسائیوں کے جواب میں پادری برکت اللہ صاحب کا یہ مقولہ پیش کر دیا کریں کہ مسیح نے کوئی کتاب نہیں چھوڑی۔ یہ چار کتابیں حقیقۃً مسیح کے حواریوں کی تصنیفات ہیں۔ ہم پادری صاحب کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کا یہ بوجھ ہلکا کر دیا (مجیب)

Marfat.com

چنانچہ لکھا ہے کہ :-

"مسیحی مذہب نے نہایت ہی وضاحت اور بے باکی کے ساتھ یہ تعلیم دی ہے کہ خدا نے انسانی شکل اختیار کی - انسانوں کے درمیان خیمہ زن ہوا اور اپنے جملہ الٰہی اوصاف کا کامل مظاہرہ یسوع ناصری میں ہو گیا"

(اخوت لاہور بابت دسمبر ۱۹۴۰ء صفحہ ۲۳)

مجیب ان دونوں عبارتوں پر غور کر کے ہمارے دل میں یہ بات آئی کہ ہم یسوع مسیح کے الٰہی اوصاف کا نمونہ تصویر کی شکل میں دکھائیں - کیونکہ الفاظ کی شکل میں مفصل بحث ہم اس کتاب میں صفحہ ۵۵ سے صفحہ ۶۳ تک کر چکے ہیں -

شاعر لوگ اپنا دلی جذبہ اور محبت اکثر اوقات لفظوں میں بیان کیا کرتے ہیں - مگر گاہے گاہے مصوروں سے تصویر کشی کی درخواست کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں ؎

مصور کھینچ وہ نقشہ جس میں یہ رسائی ہو
ادھر تلوار کھینچی ہو ادھر گردن جھکائی ہو

اسی بنا پر ہم با دل نخواستہ بقول نصاریٰ مسیح کی شخصیتِ الٰہیہ کا خوفناک انجام تصویر میں دکھاتے ہیں یہ تصویر خود عیسائیوں نے شائع کی ہوئی ہے -

اعتذار مسلمان ناظرین ہمیں معاف رکھیں کیونکہ ہم ایک مکروہ فعل کا ارتکاب کر رہے ہیں - اسلامی حیثیت سے ہماری مثال اس مصلح کی ہو گی جو دو شخصوں کے درمیان صلح کراتا ہو اور خود کو مصلحت آمیز بات کہہ دینا ہے -

انجیل متی میں لکھا ہے کہ :

یسوع مسیح کو صلیب پر چڑھا یا گیا - اس کے ہاتھوں کو تختے کے بالائی حصے کے ساتھ ملا کر میخیں گاڑی گئیں اور اس کے سر پر کانٹوں کا تاج پہنایا گیا - اس حالت میں اس نے نہایت عاجزی و زاری کے ساتھ چلا کر

Marfat.com

جان دی (انجیل متی باب ۲۷)

جس کا نقشہ اگلے صفحے کی تصویر دیکھنے سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔

باانصاف ناظرین اگر اس تصویر کو غور سے ملاحظہ فرمائیں گے تو ہماری اس آواز سے متفق ہوں گے کہ ہم حسب مضمون آیہ کریمہ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ط ایسی کمزور شخصیت کو خدائی کے لئے پسند نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہمارا یقین ہے کہ کوئی بھی اہل بصیرت اس کو پسند نہیں کرے گا۔ اسی لئے مسیحی رسالہ اخوت کے فاضل ایڈیٹر نے انجیل سے مسیح کا قول کہ "میں اور باپ ایک ہیں" نقل کر کے نہایت راستی سے اس پر ان الفاظ میں ریمارک کیا ہے:۔

بلاریب اس قسم کے بیانات نہایت وحشت انگیز اور لرزہ خیز ہیں اور آج بھی انہیں سن کر اہل دنیا کے دلوں میں (مسیحیت سے) کچھ کم کراہیت اور نفرت پیدا نہیں ہوتی۔ (اخوت لاہور بابت جنوری ۱۹۲۱ء صا)

مجیب معاصر "اخوت" کا یہ ریمارک بالکل ٹھیک ہے کیونکہ باوجود اختلاف ملک زبان اور معاشرت کے ہر ایک قوم بلکہ ہر ایک شخص کا خدا کی نسبت یہ یقین ہے کہ ؎

پناہِ بلندی و پستی توئی | ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

قرآن شریف نے خدا کی بہت سی صفات بیان کی ہیں مگر ایک آیت میں ایک ہی صفت ایسی بیان کی ہے جس پر سارا مدار ہے اور اسی صفت پر الوہیت کو متفرع کیا ہے۔ ارشاد ہے:۔

هُوَ الْحَيُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط (پ ۲۴ - ع ۱۲)

(خدا تعالیٰ ازلی ابدی طور پر زندہ ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں)

پس کوئی مسلمان بلکہ کوئی عقلمند انسان ایسی ہستی کو خدا نہیں مان سکتا جو چلا کر جان دے

مولانا حالی مرحوم نے اس مضمون کی ایک رباعی کیا ہی اچھی لکھی ہے ؎

ہستی سے ہے تیری رنگ و بو سب کیلئے | طاعت میں ہے تیری آبرو سب کے لئے
ہیں تیرے سوا سارے سہارے کمزور | سب اپنے لئے ہیں اور تو سب کیلئے

Marfat.com

اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔

(مقولۂ مسیح در انجیل)

(یسوع مسیح صلیب پر)

ع دیکھے مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہے

Marfat.com

ناظرین کرام باتیں کرنے کو تو بہت ہیں جو انسان کرسکتا ہے اور قلم بھی چلا سکتا ہے لیکن مرکزی نقطہ ایک ہی ہوتا ہے جس سے دانا لوگ رمز پا جاتے ہیں باقی سب زبانی ہیر پھیر ہوتا ہے۔

حکایت ماضیہ امیر عبدالرحمان خاں مرحوم والئ کابل فرزانہ روزگار تھے۔ ہم نے ان کی زندگی میں ان کی بابت ایک حکایت سنی تھی کہ کسی شخص نے ان کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا کہ فلاں شخص کے پاس میں نے اتنا روپیہ امانت رکھا تھا اور وہ واپس نہیں دیتا۔ عدالت کی طرف سے مدعا علیہ کو طلب کیا گیا۔ اپنے بیان میں اس نے روپیہ لینے سے انکار کیا۔ اس پر مدعی سے گواہ طلب ہوئے۔ اس نے کہا "حضور! جس پیڑ کے نیچے میں نے اس کو روپیہ دیا تھا وہی گواہ ہے اس کے سوا اور کوئی گواہ نہیں ہے۔" امیر موصوف نے بظاہر غصے کے لہجے میں مدعی سے کہا کہ جاؤ اسی پیڑ کو گواہ لاؤ اور مدعا علیہ کو کہا کہ یہیں بیٹھے رہو۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے مدعا علیہ سے پوچھا کہ وہ اس پیڑ کے پاس پہنچ گیا ہوگا؟ مدعا علیہ نے کہا نہیں جناب! وہ پیڑ بہت دور ہے یہ جواب سن کر امیر موصوف حقیقت حال سمجھ گئے اور آپ نے فوراً مدعی کو تلاش کرایا۔ جب وہ واپس آگیا تو اس سے کہا۔ تیری اس پر ڈگری ہو گئی ہے۔ کیوں ہوئی؟ اس لئے ہوئی کہ مدعا علیہ اتنا تو جانتا ہے کہ وہ پیڑ بہت دور ہے۔

یہ ہے فرزانگی۔ اسی فرزانگی کے ماتحت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں ان ڈوبنے والوں کو خدائی کے لئے پسند نہیں کرتا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو ڈوبنے یا تنزل کرنے والوں کو خدائی کے لئے پسند نہیں کیا تھا ہم ان کے اتباع ہو کر مرنے والوں کو کیسے خدا مان سکتے ہیں جس حال میں کہ خدا کے متعلق ہمارا عقیدہ راسخہ یہ ہے

نہ تجھے دوست کی حاجت ہے نہ اندیشۂ دشمن
نہ تجھے کام ہے عشرت سے نہ شیوہ تیرا شیون
نہ تجھے چاہیئے مادی نہ تجھے چاہیئے مسکن
بری از خوردن و خفتن بری از تہمت مردن
بری از بیم و امیدی بری از رنج و بلائی (ظفر شاہ دہلی)

Marfat.com

قرآن مجید نے دنیا کے لوگوں کو جس خدا کی طرف بلایا اس کا وصف اعلیٰ خالقیت مکمل بیان کیا۔ پھر اس وصف کو دوسرے معبودوں سے پورے طور پر منفی کر کے حقیقت حال پر اطلاع دی۔ غور سے سنئے!

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ط (پ ۲۲ - ع ۳)

(اے لوگو! اپنے حال پر اللہ کی مہربانیاں یاد کرو کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے جو تم کو اوپر (بادلوں) سے اور نیچے (زمین) سے رزق دیتا ہے۔ (کوئی نہیں کیونکہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں (جو ایسا کر سکے) پھر تم کہاں بہکائے جاتے ہو)

پھر اپنے سوا غیروں سے خالقیت کی نفی کرنے کو فرمایا:۔

وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّ ھُمْ یُخْلَقُوْنَ ط اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ط وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ (پ ۱۴ - ع ۸)

(جن جن معبودوں کو یہ مشرک لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ محل موت ہیں (بعض مر چکے ہیں اور بعض مر جائیں گے) دائم الحیات نہیں ہیں وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد کب اٹھائے جائیں گے)

یہ ہے خدائے برحق کے متعلق اسلامی تعلیم کہ وہی ہمیشہ سے ہمیشہ تک زندہ ہے اور ساری مخلوق کو زندگی بخشتا ہے۔ جس میں یہ صفت نہیں ہے وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے قرآن مجید میں مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ کے متعلق ارشاد ہے:۔

کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ (پ ۶ - ع ۱۰)

(مسیح اور اس کی ماں کھانا کھایا کرتے تھے۔ یعنی غذا کے محتاج تھے)

پھر معبود کیسے ہوئے؟ ایسی واضح حقیقت پر اظہار تعجب کرتے ہوئے فرمایا۔

Marfat.com

اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (پ۶-ع۱۴)

(دیکھو ہم کس طرح لوگوں کے لئے اپنے دلائل بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھو مسیح کو معبود ماننے والے کس طرح بہکائے جاتے ہیں)

اسی مضمون پر تفریع کرتے کو حضرت پیغمبر اسلام علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسی ابن مریم انما انا عبد اللہ ورسولہ (الحدیث)

جس کا مطلب مولانا حالی مرحوم نے اپنی مسدس میں یوں ادا کیا ہے ؎

نصاریٰ نے جس طرح کھایا ہے دھوکا
کہ سمجھے ہیں عیسیٰ کو بیٹا خدا کا
مجھے تم سمجھنا نہ زنہار ایسا
مری حد سے رتبہ بڑھانا نہ میرا

سب انساں ہیں واں جس طرح سر فگندہ
اسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ

ناظرین کرام! یہ ہے اسلام اور مسیحیت کی تعلیم۔ اب اس امر کا فیصلہ کہ کون سا مذہب اہل عقل کے نزدیک قابل قبول ہے اور کون سا قابل ترک۔ آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔

پادری صاحب! ؎

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

Marfat.com

مسیحیت کا دوسرا بنیادی پتھر یا کفارہ مسیح (علیہ السلام)

مسیحیت مروجہ کا دوسرا بنیادی پتھر مسیح کا کفارہ ہے۔ شروع سے احکام شریعت خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت انبیاء کرام پر نازل ہوتے رہے تاکہ لوگ ان پر عمل کر کے نجات حاصل کریں۔ چونکہ شرعی احکام پر عمل کرنا نفس پر بہت مشکل ہے۔ اس لئے ابتداء ہی سے بہت سے لوگ ان احکام کے نافرمان رہتے چلے آئے ہیں۔ ان نافرمانوں کو دیکھ کر مسیحیت کی اشاعت کرنے والوں کو یہ تجویز سوجھی کہ مسیح کو مصلوب قرار دے کر گنہگاروں کے لئے کفارہ مان لیا جائے۔ کفارہ سے مراد ایسا معاوضہ ہے جو گناہوں کو دور کرنے کا ذریعہ ہو۔ سب سے پہلے اس کی بنیاد پولوس کے کلام میں ملتی ہے جس نے اپنے ایک خط میں اپنے مکتوب الیہ (گلتیون) کو لکھا کہ:-

"مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا۔ اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا"

(گلتیون باب ۳: ۱۳ از بائیبل مطبوعہ ۱۹۱۶ء)

اسی لئے عیسائیوں کی اصطلاح میں مسیح کا نام منجی جہاں ہے چنانچہ پادری برکت اللہ صاحب نے اپنی کتاب "مسیحیت کی عالمگیری" کا چوتھا باب "مسیح منجی جہاں" کے عنوان سے معنون کیا ہے ناظرین کرام! زیر نظر کتاب کے نام "مسیحیت کی عالمگیری" کو ملحوظ رکھیئے اور مسیحی کفارہ پر غور کیجئے۔ جو اس مذہب کا اصل الاصول ہے۔

پادری صاحب نے احکام شرعیہ کو بے حقیقت بنانے کے لئے تمہید میں لکھا ہے:-

اصول اور احکام نجات نہیں دے سکتے روئے زمین کے تمام مذاہب اس بات پر اکتفا کرتے ہیں کہ وہ لوگوں کو شرعی احکام بتلا دیں اور ساتھ ہی نصیحت کر دیں کہ اگر ان پر تم عمل کرو گے تو نجات حاصل کرو گے مثلاً یہودیت اور اسلام شریعت پر اور شرعی احکام پر زور دیتے ہیں اور یہ تلقین کرتے ہیں کہ بنی نوع انسان ان الٰہی احکام کو اپنا نصب العین بنا کر ان پر عمل کریں (استثناء ۱۴/۲۴ حزقی ۱۴/۱۴۔ سورۃ توبہ ۱۰۶۔ سورہ کہف ۱۱۰ وغیرہ)

Marfat.com

اگر کوئی انسان صالح اعمال کرے گا تو اس کا اجر پائے گا (حزقی ۱۸/۵۔ سورۃ بقرہ ۲۳ و ۷۶ سورۃ نساء ۱۷۲ وغیرہ)۔ اگر وہ اعمالِ بد کا مرتکب ہو گا تو اس کو سزا ملے گی (ایوب ۱۱/۲۰۔ سورۃ طٰہٰ ۷۶۔ قمر ۴۷) (مسیحیت کی عالمگیری ۲۰۶/۲۰۷)

مجیب احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی تاکید صرف موسوی شریعت (توریت) اور اسلامی شریعت قرآن ہی سے مخصوص نہیں بلکہ مسیح بھی یہی فرماتے ہیں:۔

اگر تم مجھ سے پیار کرتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو (یوحنا ۱۴: ۱۵)

بلکہ آپ نے یہاں تک فرمایا کہ:۔

"پس جو کوئی ان چھوٹے سے چھوٹے حکموں میں سے بھی کسی کو توڑے گا اور یہی آدمیوں کو سکھلائے گا۔ وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔ لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور انکی تعلیم دیگا وہ آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائے گا۔ (متی ۵: ۱۹)

معلوم نہیں کہ مسیحیوں کو حضرات انبیاء خصوصاً مسیح سے بلکہ خود خدا سے کیا ضد ہے کہ احکامِ شرعیہ کو بے کار اور فضول قرار دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں بلکہ بقول مقدس پولوس شریعت کو لعنت قرار دیتے ہیں (گلتیوں ۳: ۱۳)

اس سے آگے پادری صاحب اپنا مافی الضمیر ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لیکن یہ مذاہب اور دیگر مذاہبِ عالم گنہگار شخص کو کوئی مؤثر طریقہ نہیں بتلاتے جس سے وہ اپنے گناہوں پر فتح حاصل کر سکے۔ یہ مذاہب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس دنیا میں اور روحانیت کی دنیا میں مغائرت ہے لیکن کوئی ایسی راہ نہیں بتلاتے جس سے یہ مغائرت دور ہو سکے۔ وہ روحانی دنیا کے قوانین اور احکام کی تلقین کرتے ہیں لیکن کوئی وسیلہ نہیں بتلاتے جس سے انسان گناہ اور بدی کو ترک کر کے نیکی کی راہ کو اختیار کرنے کے قابل ہو جائے۔ وہ صرف یہ تاکید کرتے ہیں کہ ایک کو ترک کرو اور دوسرے کو اختیار کرو۔ لیکن ان میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ گنہگار انسان کو قوت عطا کریں اور انسان ضعیف البنیان کو طاقت عطا کر کے اس قابل بنا دیں کہ وہ اپنی اعلےٰ ترین آرزوؤں اور امنگوں پر عمل کر سکے۔ وہ نجات کے راستہ کی طرف انگلی سے

Marfat.com

اشارہ کرتے ہیں۔ لیکن تھکے ماندے کمزور اور نڈھال راہرو کو یہ طاقت اور توفیق عطا نہیں کرتے کہ وہ اس شاہراہ پر چل سکے۔" (ص ۲۰۷)

مجیب پادری صاحب کا یہ کلام نہ صرف اسلام کے خلاف بلکہ کل انبیاء علیہم السلام کی متفقہ تعلیم کی تردید کرتا ہے جو آپ ہی کی بائیبل میں بصورت صحف سابقہ موجود ہے۔ خیر ہمیں اس سے مطلب نہیں۔ آپ جانیں اور آپ کا اعتقاد۔ ہاں ہمیں اس بات کا افسوس ضرور ہے کہ آپ نے قرآن مجید سمجھنے پر کافی وقت نہیں لگایا۔ آپ کے اس شبہے کو قرآن مجید نے کئی جگہ حل کیا ہے لطف یہ ہے نہایت مختصر لفظوں میں حل کیا ہے۔ (مثلاً فرمایا ہے:۔

(۱) وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[1] (پ ۲۱ ع)

(۲) فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى[2] (پ ۳۰ ع)

(۳) اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ[3] (پ ۳ ع)

ان سب سے مختصر اور مؤثر ارشاد یہ ہے:۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ، وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ[4] (پ ۳۰ ع ۲۲)

غور کیجئے! اس آیت میں کیسے مؤثر طریق سے انسان کو نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی راہ دکھائی گئی ہے۔ اگر ایسی ہدایات کو بھی کوئی شخص اپنے لئے کافی نہ سمجھے تو اس کے حق میں کہا جائیگا

اگر صد باب حکمت پیش ناداں بخوانی

آیدش بازیچہ درگوش

---

[1] جو لوگ ہمارے دین میں کوشش کریں گے ہم اپنا راستہ ان کو دکھائیں گے۔ ۱۲ منہ

[2] جس شخص نے خدا کی راہ میں دیا اور پرہیزگاری اختیار کی اور اچھی باتوں کی تصدیق کی تو بہت جلد ہم اس کو آسانی کی توفیق دیں گے۔ ۱۲ منہ

[3] اللہ تعالٰی مومنوں کا والی ہے۔ ان کو کفر و شرک کے اندھیروں سے نور ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے ۱۲

[4] جس شخص نے ذرہ بھر نیکی کی ہو گی۔ وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر بدی کی ہو گی۔ وہ اسے دیکھ لے گا۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

پادری صاحب اس مضمون کی مزید تشریح کرتے ہوئے حسب عادت خوب طول دیتے ہیں۔ چونکہ ان کا مضمون ناظرین تک پہنچانے میں ہمیں بخل نہیں۔ اس لئے ہم ان کا اصل کلام نقل کر دیتے ہیں:۔

سطور بالا سے ظاہر ہو گیا ہو گا کہ مجرد اصول اس قابل نہیں ہوتے کہ کسی گنہگار انسان کی قوتِ ارادی کو از سرِ نو بحال کر سکیں۔ اصول بظاہر خوب صورت نظر آتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے اندر یہ طاقت نہیں رکھتے کہ جس شخص کی قوتِ ارادی سلب ہو چکی ہے اس میں نئی جان ڈال دیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کی حادثہ کی وجہ سے ٹانگ ٹوٹ گئی ہو اور وہ نیم جان ہو کر سڑک کے درمیان مجبوری اور لاچاری کی حالت میں پڑا ہو اور سڑک پر ایک موٹر بے تحاشا اس کی جانب چلی آتی ہو تو اگر تماشائی پرے سڑک کھڑے ہو کر اس کو چلا چلا کر آنے والے خطرہ سے آگاہ کرنے پر ہی اکتفا کریں تو اس غریب کو کیا فائدہ ہو گا؟ اس کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے۔ وہ چل پھر تو درکنار ہل نہیں سکتا۔ اس کی آنکھ تیز رفتار موٹر کو دیکھ رہی ہے لیکن وہ لاچار پڑا ہے۔ موت اس کو سامنے نظر آ رہی ہے۔ اس کو تماشائیوں کی آگاہی کی ضرورت نہیں۔ وہ آنیوالے خطرہ سے خود آگاہ ہے۔ اس کو کسی نذیر کی ضرورت نہیں بلکہ اس کو اس بات کی ضرورت ہے کہ تماشائیوں میں سے کوئی شخص اس سے ایسی محبت رکھے کہ وہ اس کی خاطر اپنی جان کی پروا نہ کرے اور موٹر کے پہنچنے سے پہلے اس کو سڑک پر سے اٹھا کر سلامتی کی جگہ پر لے جائے۔ اسی طرح ہر گنہگار جو گناہ کی غلامی میں لاچار اور گرفتار ہے۔ جانتا ہے کہ اس کا حشر کیا ہو گا۔ بلکہ اس کو اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی اس کی مدد کرے اور اس کی قوتِ ارادی کو جو سلب ہو گئی ہے۔ از سرِ نو تقویت دے۔ دیگر مذاہب میں یہ اہلیت ہی نہیں ہوتی کہ گنہگار انسان کو اعمالِ صالح کی تحریک و ترغیب دے سکیں۔ اس سے پیشتر کہ وہ اعلےٰ اصول پر عمل کر سکے۔ یہ لازم ہے کہ اس میں اس قسم کی تحریک پیدا ہو جائے جو ان اصول پر چلنے کی خواہشمند ہو۔ عالمگیر مذہب کے لئے ضروری امر ہے کہ وہ گنہگار انسان کی مردہ

Marfat.com

قوتِ ارادی میں از سرِ نو زندگی کی روح پھونک دے اور اپنی قدرت سے اس کو قوت عطا کرے۔ گنہگار انسان اپنی عادت سے مجبور ہوتا ہے اور عادت کا غلام ہو کر بدی کا مقابلہ کرکے چور اور لاچار ہو جاتا ہے اور ایسا تھک جاتا ہے کہ اس کی کمرِ ہمت ٹوٹ جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے۔ ایسے اشخاص کے سامنے خداوند مسیح نہ صرف اعلےٰ اور ارفع اور اپنا کامل اور اکمل نمونہ پیش کرتا ہے بلکہ علی الاعلان دعوت دیتا ہے "اے زحمت کشو اور گناہ کے بوجھ سے دبے ہوئے لوگو تم سب میرے پاس آؤ۔ میں تم کو آرام دوں گا" (متی ۱۱/۲۸۔ یوحنا ۷/۳۷ وغیرہ) (صفحہ ۲۰۷ تا صفحہ ۲۰۹)

مجیب آپ نے جو کسی لنگڑے کی مثال دی ہے وہ اوّل تو جسمانی مثال ہے۔ روحانی نہیں۔ مذہب روحانی طریق کا نام ہے۔ علاوہ اس کے وہ ہمارے مخالف بھی نہیں۔ قرآن مجید اس کا حل نہایت مختصر لفظوں میں پیش کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

يَهْدِىْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ (پ ۲۵۔ ع ۳)

(جو شخص خدا کی طرف ذرا سا بھی رجوع کرتا ہے خدا اس کو ہدایت کر دیتا ہے)

جس طرح یہ ٹانگ کٹا (لنگڑا شخص) جب چیختا چلاتا ہے تو اس کو اٹھانے والا کوئی رحمدل آجاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص خدا کی طرف ذرا سا بھی جھک جاتا ہے اور دل میں لنگڑے کی طرح عذابِ الٰہی سے بچنے کی خواہش رکھتا ہے۔ خدا اس کی دستگیری کرتا ہے جیسا کہ مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ اس اقتباس میں آپ نے یہ فقرہ عجیب لکھا ہے کہ :۔

"دیگر مذاہب میں یہ اہلیت ہی نہیں کہ گنہگار انسان کو اعمالِ صالحہ کی تحریک و ترغیب دے سکیں" (صفحہ ۲۰۹)

سبحان اللہ! جس مضمون سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے۔ آپ اسی کا انکار کرتے ہیں۔ غور سے سنئے! ارشاد ہے:۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (پ ۲۴۔ ع ۳)

Marfat.com

اے پیغمبر! میرے گناہگار بندوں سے کہہ دو کہ وہ میری رحمت سے نا امید نہ ہو جائیں بلکہ میری طرف آئیں میں ان کے سب گناہ بخش دوں گا کیوں کہ میں بخشنہار ہوں"

پادری صاحب! مسیح کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ

تم میرے پاس آؤ میں تم کو آرام دوں گا (متی ۱۱: ۲۸)

اس سوال کے جواب میں نہ ہم اپنی کہیں گے اور نہ آپ سے پوچھیں گے۔ بلکہ خود م کی زندگی کے حالات پڑھیں گے تو اس کا جواب پالیں گے جس کا حوالہ اوپر نقل ہو چکا کہ ایک متلاشی نجات بڑی تڑپ سے سوال کرتا ہے کہ نجات پانے کے لئے میں ک کروں؟ تو مسیح کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ تو حکموں پر عمل کر۔

یہ تو ابھی مسئلہ کفارہ کی تمہید ہے۔ اس کی تصویر کیا ہے۔ بقول پادری صاحب تصو حسب ذیل ہے۔

منجی عالمین نے ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ اگرچہ گنہگار انسان خدا کی محبت سے اپنی بغاوت کی وجہ سے منہ موڑ لیتا ہے۔ تاہم خدا کی محبت اٹل ہے (یسعیاہ ۵۴/۱۰ - ۱۵/۱۵ وغیرہ) خدا کی محبت یہ نہیں چاہتی کہ اس کا گنہگار فرزند ہلاک ہو (۱۸/۲۳) بلکہ اس بات کی خواہاں ہے کہ بدترین گنہگار ہمیشہ کی زندگی پائے (یوحنا ۳/۱۶) خدا کی محبت ہمیشہ اس انتظار میں رہتی ہے کہ گنہگار اس کی طرف رجوع کرے (لوقا ۱۵ باب) اور اگر وہ رجوع نہیں کرتا تو وہ گنہگار کی تلاش میں نکلتی ہے (لوقا ۱۹/۱۰ - ۱۵/۴،۷ - متی ۱۸/۱۲ وغیرہ) جس طرح ایک باپ اپنے گم گشتہ فرزند کو تلاش کرتا ہے۔ خدا کی محبت گنہگار کو تلاش کرتی ہے (حزقی ۳۴/۱۱ - لوقا ۱۵/۲۰ - متی ۹/۱۳ - یو ۱۰/۲۸ - ۱-پطرس ۲/۲۵ وغیرہ) جس طرح ماں کی ممتا اپنے ناخلف بیٹے کے لئے بے چین رہتی ہے اور اس کا دل اپنے بچے کے لئے تڑپتا رہتا ہے جب تک وہ بچہ اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اس کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ اسی طرح خدا کی محبت بے قرار اور بے چین رہتی ہے۔ (یسعیا ۴۹/۱۵) جب تک اس کا گنہگار بیٹا اس کی لازوال محبت کو دیکھ کر توبہ کر کے یہ نہیں کہتا "اے باپ میں تیری نظر میں گنہگار ہوا اور اب اس لائق نہیں رہا کہ پھر تیرا

Marfat.com

بیٹا کہلاؤں" (لوقا ۱۵/۲۲) جب گنہگار تائب ہوکر رجوع کرتا ہے تو منجیٔ عالمین فرماتے ہیں کہ" ایک توبہ کرنے والے گنہگار کی بابت آسمان کے فرشتوں کے سامنے خوشی ہوتی ہے" (لوقا ۱۵/۱)

پس خدا کی محبت گناہوں کی مغفرت کا باعث ہے ۔" خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے ۔" (یوحنا ۳/۱۶) (ضـ ۲۱/۲۱۱)

دری برکت اللہ صاحب سے پہلے بھی مسیحی مصنفوں نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے ایک انگریز پادری ڈبلیو گولڈ سیک صاحب کے رسالہ الکفارہ سے چند فقرے نقل کرتے ہیں ۔ موصوف لکھتے ہیں ۔

" جو لوگ توبہ کو گناہ کی معافی کا کافی ذریعہ بیان کرتے ہیں وہ بے شک خدا کے رحم کو پیش کرتے ہیں ۔ اس میں تو کلام نہیں کہ خدا رحیم ہے لیکن ساتھ ہی وہ منصف اور عادل بھی ہے ۔ وہ عادل ہو کر گنہگار کو کس طرح معاف کرسکتا ہے جب تک کہ عدل کے تقاضے کو پورا نہ کرلے ۔ سچ تو یہ ہے کہ گنہگار انسان کی نجات صرف ایسے طریقے سے ہوسکتی ہے جس میں خدا کے تمام اوصاف قائم رہیں ۔" (الکفارہ صـ ۵)

جواب یہ اصول جو ہم نے الکفارہ سے نقل کیا ہے ۔ پادری برکت اللہ صاحب کو بھی مسلم ہونا چاہیئے ۔ اس لئے اب پادری صاحب اور ان کے ہم نوا ہمارے سوالات ٹھنڈے دل سے سن کر ان پر غور کریں ۔

(۱) کفارہ عدل خداوندی کے خلاف ہے کیونکہ ایک بے گناہ شخص (مسیح) کو سزا دینا اور اصل گنہگاروں کو چھوڑ دینا عدل و انصاف کے صریح خلاف ہے ۔

(۲) تمام دنیا کے گنہگاروں کا شمار کیجئے ۔ پھر ان کی عمروں کا حساب لگا کر گناہوں کا اندازہ کیجئے تو یہ گناہ عدد و شمار کی حد سے گزر جائیں گے ۔ مگر ان سب گناہوں کے بدلے میں سزا صرف ایک شخص (مسیح) کو اتنی دی گئی جو چند منٹوں میں ختم ہوگئی ۔ خدا کا ایسا کرنا اپنے بیٹے کی رعایت میں قانون شکنی کرنا نہیں تو کیا ہے ؟

Marfat.com

(۳) واقعہ صلیب سے پہلے کروڑ ہا گنہگار انسانوں کی بخشش کے لئے کیا انتظام ہوا؟ کیا ان کے حق میں رحم ہوا یا عدل کیا گیا؟ اگر کہو کہ ان پر رحم کیا گیا تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ کفارۂ مسیح سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ پادری برکت اللہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں:۔

"خدا کی محبت گنہگاروں کی مغفرت کا باعث ہے۔ خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے ہلاک نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے" (ص۱۱۲)

مسیح سے پہلے لوگوں کو مسیح کی خبر بھی نہ تھی اس لئے وہ لوگ آپ کے کفارے پر ایمان کیسے لا سکتے تھے نیز یہ کیا انصاف ہے کہ پچھلے لوگوں کو تو کفارے سے فائدہ دیا جائے اور پہلے لوگوں کو اس نعمت غیر مترقبہ سے بالکل محروم رکھا جائے۔

(۴) پادری ڈبلیو صاحب مصنف رسالہ الکفارہ لکھتے ہیں کہ:۔

"جب کوئی جرم ایک بار ثابت ہو چکا تو قانونی تقاضا لابدی امر ہے۔ اگر قانونی تقاضا ملحوظ نہ رکھا جائے اور مجرم سزا نہ پائے تو قانونی اصول پامال ہوں گے اور انصاف خاک میں مل جائے گا۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ عدل و انصاف کے تمام اصول و قواعد انسان کو خدا ہی نے سکھائے ہیں۔ پس کیا خدا خود ان قواعد و قوانین کے برخلاف کر سکتا ہے جن کو اس نے خود بنایا ہے" (الکفارہ ص۳)

مجیب پادری ڈبلیو صاحب کے اس قول کی روشنی میں پادری برکت اللہ بتائیں کہ اگر مجرم لوگ محض کفارہ مسیح پر ایمان لا کر چھوٹ جائیں تو خدا کا عدل کیسے قائم رہ سکتا ہے۔

(۵) بقول عیسائیاں عموماً اور بقول پادری برکت اللہ صاحب خصوصاً مسیح کامل خدا اور کامل انسان تھا۔ پھر اس مرکب کا کون سا جزء کفارہ ہوا۔ الوہیت کفارہ ہے یا انسانیت یا دونوں کا مجموعہ؟ الوہیت کا کفارہ ہونا تو ناممکن ہے کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ الوہیت بھی مجرم ٹھہرے۔ اس لئے کہ جو مجرموں کے گناہ کو اٹھاتا ہے وہ بھی حکماً مجرم ہے تعالی اللہ عَنْ ذَالِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ط اکیلی انسانیت بھی کفارہ نہیں ہو سکتی کیونکہ کوئی انسان جو ان

کے پیٹ سے نکلا ہے بے گناہ نہیں ہو سکتا۔ (ایوب باب ۵ا: ۱۴) جو خود بیگناہ نہیں ہے وہ گنہگار انسانوں کا کفارہ کیسے ہوگا؟

(۶) پادری برکت اللہ صاحب سے ہم پوچھتے ہیں کہ آپ نے جو لکھا ہے کہ:۔

خدا نے دنیا کو اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا۔ (صا۲۱)

اس جملہ میں تین شخص نظر آتے ہیں (۱) واہب (۲) موہوب (۳) موہوب لہٗ۔ واہب تو خدا ہوا اور موہوب لہ سب بنی آدم۔ موہوب کیا چیز ہے؟ اگر آپ کہیں کہ موہوب مسیح ہے تو یہ کہنا غلط ہے کیونکہ آپ اسی کتاب کے صـ۱۹۶ پر لکھ چکے ہیں کہ مسیح کا قول ہے کہ "میں اور باپ ایک ہیں" اس کے علاوہ رسالہ اخوت کی عبارت کتاب ہذا کے صـ پر نقل ہو چکی ہے جس کا مضمون ہے کہ خود خدا نے تجسّم اختیار کیا۔ ان دونوں قولوں کا مفہوم یہ ہے۔ واہب اور موہوب ایک ہی ہستی کے دو نام ہیں۔ الگ الگ دو ہستیاں نہیں ہیں کیا اس پر یہ شعر صادق نہ آئے گا۔

وہی قاتل وہی مخبر وہی خود منصف ہے
اولیا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پہ

کفارے پر ایک معنی خیز سوال | کفارے کے مضمون سے فارغ ہو کر ہم پادری صاحب سے ایک معنی خیز سوال کرتے ہیں۔

سوال | انسان کی زندگی کے تین زمانے ہیں۔ ماضی، حال اور مستقبل۔ ان تینوں زمانوں میں انسان گناہ کرتا ہے یا کر سکتا ہے۔ فرض کرو آج کوئی شخص دن کے بارہ بجے مسیحی ہو کر کفارے پر ایمان لایا ہے کیا اس کے صرف زمانہ ماضی کے گناہ معاف ہوئے یا ان کے ساتھ زمانہ حال اور مستقبل کے بھی؟ اگر صرف زمانہ ماضی کے گناہ معاف ہوئے ہیں تو اس کا ثبوت قرآن مجید میں بھی ملتا ہے جس میں نہ کسی قسم کی رعایت ہے نہ بے انصافی چنانچہ صاف ارشاد ہے:۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (پ۹۔ ع)

منکروں کو کہہ دو کہ اگر وہ باز آجائیں تو ان کے پہلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

Marfat.com

یہ ایسا کفارہ ہے کہ اس کے لئے نہ سولی کی ضرورت ہے نہ کسی بے گناہ کے کشت و خون کی۔ اگر کفارہ سے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو شریعت مطہرہ جو انبیاء کرام کی معرفت دنیا میں نازل ہوئی ہے بے کار ہو جاتی ہے۔ پھر عیسائیوں کا یہ کہنا کیا معنی رکھتا ہے کہ:۔

"بائیبل مقدس اظہار کرتی ہے خداوند تعالیٰ کی مرضی انسان کی حالت، نجات کی راہ گنہگار کے انجام اور اہل ایمان کی خوشنودی کا اس کے قوانین متبرک، آئین حاوی العامہ اس کی تواریخ صادق و راست اور اس کے فیصلے لاتبدیل ہیں۔ اس کی تلاوت کرو دانا ہونے کے لئے اس میں روشنی ہے۔ تمہاری رہبری کے لئے خوراک ہے تمہاری زندگی کے لئے اور راحت ہے تمہاری خوشنودی کے لئے یہ سیاحوں کا نقشہ ہے۔ زائروں کا عصا اور جہاز رانوں کا قطب نما۔ سپاہیوں کی شمشیر اور مسیحیوں کا دستور العمل۔ اس کی طفیل جنت از سر نو نصیب ہو جاتی ہے۔ آسمانی بادشاہی کے در کھل جاتے ہیں اور جہنم کے پھاٹک بند ہو جاتے ہیں"

(رسالہ المائدہ لاہور بابت فروری سنہ ۱۴ء)

ناظرین! اس عبارت میں اس بائیبل کی تعریف کی گئی ہے جس میں انجیل کے علاوہ تمام گذشتہ نبیوں کے صحیفے درج ہیں۔ نیز آپ کے رسالہ زیر جواب (مسیحیت کی عالمگیری) کے صفحہ پر بائیبل کی تعریف میں آپ کا رطب اللسان ہونا کیا حقیقت رکھتا ہے کیا اسی کے حق میں یہ مثل مشہور ہے:۔

ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور

پادری برکت اللہ صاحب سے پہلے ایک بڑے پادری (ٹامس ہاول) نے اپنی کتاب اثبات الکفارہ میں جو جواب دیا ہے۔ وہ بھی قابل دید اور شنید ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:۔

"واضح ہو کہ کفارہ اس لئے نہیں ہوا کہ اس وقت گناہ کے امکان کو مٹا ڈالے بلکہ وہ تو اس لئے ہوا ہے کہ گنہگار کو خدا کے سزا اور عدل کی حقیقی سزا سے بچا[ئے] اور گذشتہ حال و آئندہ کے گناہوں کی معافی کے لئے تو کفارہ کافی ہو چکا ہے۔ لیکن انسان کی فعل مختاری چھینی نہیں گئی۔ اور نہ عرضی، عبرتی، تنبیہی سزاؤں کو جو جرائم کے

Marfat.com

رو یہ تنزل کرنے کے لئے انتظامی ہیں۔ وہ دور کرتا ہے۔ انسان کو اختیار رہتا ہے کہ جس گناہ سے بچایا گیا ہے پھر اس میں پڑ کر چاہے تو اپنا نقصان کرے یا اس سے بچا رہے۔ سو کفارہ ہمیں گناہوں اور ان کی سزا حقیقی سے بچاتا ہے بشرطیکہ ہم ثابت قدم رہ کر اپنا ایمان خداوند یسوع المسیح کفارہ دینے والے پر رکھیں۔ پس کفارہ ہمیں سزا وہ عدل کی حقیقی سزا سے بچانے کے لئے ہوا نہ کہ گناہ کے امکان کو مٹا ڈالنے کیلئے یا انسان کی خود مختاری کو چھین لینے کے لئے"

(اثبات کفارہ حصہ اول صفحہ ۲۴)

پادری برکت اللہ صاحب! بقول "گنگے کی بولی گنگے کی ماں سمجھے" آپ ہی بتلایئے کہ اس عبارت کے کیا معنی ہیں؟ پہلے تو کفارے کے ذریعہ سے تینوں زمانوں (گزشتہ، حال اور آئندہ) کے گناہوں کی معافی کا اعتراف کر لیا۔ پھر گنہگار کو آئندہ کے گناہوں سے نقصان اٹھانے کا ذمہ دار قرار دیا۔ عبارت مذکورہ میں دونوں فقرے (جو زیر خط ہیں) ملاحظہ ہوں۔

شہادت ضمیر ہر ایک انسان کا ضمیر شہادت دے سکتا ہے کہ جس شخص کو یقین ہو جائے کہ میرے پہلے سب گناہ بخشے گئے اور آئندہ بھی بخشے جائیں گے۔ وہ بظاہر چاہے کتنا ہی پرہیز کرے مگر اس کی طبیعت میں گناہ سے خوف نہیں ہوگا۔ پھر معلوم نہیں کہ حضرت مسیح ایسے معمولی گناہوں پر کیوں اتنی سزا تجویز فرماتے ہیں:۔

"جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ پس اگر تیری دہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے" (متی ۵: ۲۷ تا ۲۹)

پادری صاحب ہمیں بتائیں کہ سزا کا یہ حکم جو انجیل کی اس عبارت میں مذکور ہے آپ جیسے راسخ الاعتقاد مسیحیوں کے لئے بھی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو یہ حکم بے کار ہے۔ اگر سب کے لئے ہے تو کفارہ بے کار ہے۔ غرض کفارے کے حق میں یہ شعر صادق آتا ہے ؎

Marfat.com

ے مصیبت میں پڑا ہے سینے والا چاک داماں کا
جو یہ ٹانکا تو وہ اُدھڑا جو وہ ٹانکا تو یہ اُدھڑا

ناظرین کرام! مسیحی مذہب کے دو ہی رکن ہیں۔ ایک الوہیتِ مسیح دوسرے کفارۂ مسیح۔ جن پر مفصل بحث ہو چکی ہے۔ اس بحث کو ملحوظ رکھ کر کوئی اہل بصیرت ہم کو بتا سکتا ہے کہ مسیحی مذہب اہل فہم کے نزدیک قابلِ قبول ہونے کی وجہ سے عالمگیر ہو سکتا ہے۔ ہمارے خیال میں دو دونے پانچ اور پانچ دونے گیارہ کا اعتقاد رکھنا اتنا غلط ہے جتنا غلط الوہیتِ مسیح اور کفارہ مسیح کا عقیدہ رکھنا۔

پادری صاحب! ایسے عقائد کی تعلیم دینے والے مذہب کو آپ عالمگیر کہتے ہیں۔ سچ ہے۔

ے ہوا تھا کبھی سر قلم قاصدوں کا
یہ تیرے زمانے میں دستور نکلا

الحمدللہ! ہم بحث کفارہ سے بھی فارغ ہو گئے ہیں۔

Marfat.com

باب سوم

دینِ فطرت اسلام ہے بجواب دینِ فطرت مسیحیت ہے

یہ باب پادری صاحب کی اس کتاب کے جواب میں ہے جس کا نام ہے :- "دینِ فطرت اسلام یا مسیحیت" اس کتاب میں (جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے) پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دینِ فطرت مسیحیت ہے اسلام نہیں۔ مضمون کے لحاظ سے تو یہ بحث پہلی کتابوں کے ضمن میں آچکی ہے مگر ظاہری صورت کے لحاظ سے یہ کتاب بھی عیسائی تثلیث کا اقنومِ ثالث ہے اس لئے اس پر توجہ کرنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ کی گئی۔ خلاصہ اس کتاب کا یہ ہے کہ انسان میں جبلّی فطری خصلتیں (نیچرل عادات) ہیں صرف مسیحیت ہی ان کے مناسب حال تعلیم دیتی ہے اسلام اس تعلیم سے خالی ہے۔ مگر کس قدر تعجب کی بات ہے کہ قدرت بھی اپنا تصرف اندر ہی اندر کر جاتی ہے۔ چنانچہ قدرت نے پادری صاحب سے اسی کتاب کے صفہ ۹ پر لکھوا دیا کہ ہر شخص فطرۃً اکلاپے سے گھبراتا ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ مسیح ساری عمر مجرد رہے اور یہ تو پادری صاحب نے فخر یہ لکھا ہے کہ :-

> مسیح نے اپنے پیچھے کوئی کتاب نہیں چھوڑی بلکہ مسیحی کلیسیا کو اپنا کامل اور اکمل نمونہ دیا (مسیحیت کی عالمگیری صفہ ۱۱)

اس کا نتیجہ صاف ہے کہ کسی مسیحی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ تجرد (کنوارا پن) کو چھوڑ کر تاہل (خانہ داری) اختیار کرے۔ کیونکہ ایسا کرنے کی صورت میں وہ اپنے ہادی کے نیک نمونہ سے منحرف ہو کر نجات سے محروم رہ جائے گا۔ پادری صاحب نے یہ بڑی مہربانی کی ہے کہ لفظ فطرت کی تشریح خود ہی فرما دی چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ :-

Marfat.com

اس رسالہ میں ہم لفظ فطرت کو صرف ان جبلی قویٰ کے لئے استعمال کریں گے جو انسان میں ودیعت کئے گئے ہیں۔ یہ جبلی قویٰ وہ طبعی میلانات ہیں جو ہر انسان کی فطرت میں داخل ہیں اور جن کے جائز اور مناسب استعمال سے ہر انسان اس منزل تک پہنچ سکتا ہے جو اس کی ہستی کی علت غائی ہے۔" (دین فطرت صـ٦)

مجیب | فطرت کی یہ تعریف ہمیں منظور ہے۔ آپ نے اس تعریف پر جو تفریع کی ہے اس رسالے میں ہم مسیحیت اور اسلام کو صرف اس کسوٹی پر پرکھیں گے (صـ٦) اس کے لئے بھی ہم تیار ہیں۔ مگر آپ کا یہ مقولہ بحث طلب ہے کہ:

"مسیحیت کا یہ دعوےٰ ہے کہ صرف خداوند مسیح انسان کے جبلّی قویٰ اور طبعی میلانات کو خدا کے ازلی ارادہ اور مقصد کے مطابق پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتا ہے۔ مسیحیت کا یہ دعوےٰ ہے کہ ان معنوں میں صرف وہی اکیلا مذہب ہے جو دین فطرت کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے" (صـ٦)

ہم آپ کی اس خالی خولی عنایت کے بھی شکر گزار ہیں جس کا اظہار آپ نے یوں کیا ہے:۔
"مسیحیت اپنے مخالفین کو ہر طرح کی رعایت دینے کو تیار ہے کیونکہ ان تمام مراعات کے باوجود اس میں اپنے سب حریفوں پر غالب آنے کی صلاحیت موجود ہے" (صـ٦)

تشریح | اس عبارت کو ہم ایک مثال کی صورت میں پیش کریں تو غالباً اس کی مزید وضاحت ہو جائے گی۔

مثال | کسی منڈی میں کوئی ساہوکار اتنا مالدار ہے کہ باقی سب دوکاندار اس کے مقروض ہیں۔ اور وہ اپنے قرضداروں کو کافی رعایت دے کر کہتا ہے تو تم لوگ مجھے اصل رقم کا پچاس ساٹھ فی صدی ادا کر دو۔ باقی رقم میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ اتنی رعایت دینے کے باوجود وہ اتنا مالدار ہے کہ باقی سب دوکانداروں میں اس کا نمبر اول ہے۔

اس مثال کے مطابق ہم خود دیکھیں گے اور اپنے ناظرین کو دکھائیں گے کہ پادری صاحب ہم کو رعایت دیتے ہیں یا الٹا ہم سے سود لیتے ہیں۔ آپ کا مندرجہ ذیل مقولہ شاید پہلی رعایت ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ:۔

Marfat.com

ہم نے اس رسالہ میں اہل اسلام کو ایک اور رعایت دے دی ہے یعنی ہم نے اسلامی عقائد بیان کرتے وقت صرف قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے۔" (صث)

شاید پادری صاحب کو معلوم نہ ہوگا کہ یہ طریقہ رعایت نہیں ہے بلکہ مخاطب کو ایک تنگ دائرے میں محبوس کرنا ہے۔ ایسا کرنے میں آپ سوامی دیانند کے تتبع میں جو ستیاتھ پرکاش کے دیباچہ میں مسلمانوں کو ایسی ہی رعایت دے چکے ہیں۔ رعایت ہم اس صورت میں سمجھتے اگر آپ دونوں مذہبوں (مسیحیت اور اسلام) کو ایک ہی ترازو میں تولتے۔ اپنے لئے تو یہ طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں کہ مسیح کی تعلیم کے علاوہ حواریوں اور حواریوں کے شاگردوں کے خطوط بھی الہامی نوشتوں کے ساتھ پیش کرتے جاتے ہیں جو اہل اسلام کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ یہاں تک بھی ہاتھ مارتے ہیں کہ:۔

"منجی عالمین کی تعلیم کے نام سے یسعیاہ کا حوالہ دیتے ہیں جو مسیح سے سینکڑوں برس پہلے کی تصنیف ہے۔ (مسیحیت کی عالمگیری صلا)

پادری صاحب نے جبلی میلانات کی تفصیل ضرورت سے بہت زیادہ طویل عبارت میں کی ہے مگر پھر بھی فطرت کا تقاضا پورا نہیں ہو سکا۔ پادری صاحب لکھتے ہیں:۔

ہر ایک انسان کی سرشت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ خوفناک اشیا سے ڈرتا ہے اور اپنے بیوی بچوں سے پیار کرتا ہے۔ پس دینِ فطرت وہ مذہب ہے جو ہمارے جبلی قویٰ کو ان کی فطرت کے مطابق نشوونما پاتے میں راہنما ہو اور ان کے جائز اور مناسب استعمال کے وسائل کو اختیار کرنے میں مدد و معاون ہو۔ پس عالمگیر مذہب کا یہ کام ہے کہ ان جبلی قویٰ کو جو انسانی فطرت میں ودیعت کئے گئے ہیں۔ الٰہی منشا اور ارادے کے مطابق کامل کرے۔" (دین فطرت صفحہ ۹)

مجیب ہمارا بھی اس پر صاد ہے۔ ناظرین اب پادری صاحب کا دعوٰی متنازعہ سنیئے آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"مسیحیت کا یہ دعوٰی ہے کہ صرف خداوند مسیح ہمارے جبلی قویٰ کو خدا کے ازلی ارادے اور منشا کے مطابق پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتا ہے۔" (صلا)

Marfat.com

پس یہ ہے ساری کتاب کا موضوع بحث۔ اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کیلئے آپ نے کتاب کے انیس صفحے محض تمہید سے پُر کر دیئے ہیں۔ آخر کار بڑی طول کلامی کے بعد اصل مضمون کے متعلق آپ کے منہ سے بمشکل الفاظ ذیل نکلے ہیں :۔

"اسلام اور دیگر کل مذاہب اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ گنہگار کو نیکی کا درس دے دیں اور نصیحت کر دیں۔ اس سے زیادہ وہ نہیں کرتے اور نہ کرنے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ لیکن ہر شخص تجربہ سے جانتا ہے کہ نصیحت کی قوتِ جبلّت کی زبردست طاقت کے سامنے ہیچ ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ کارگر نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے" (صفحہ ۱۹/۲)

مجیب اسلام کے ساتھ دیگر کل مذاہب کو شامل کرنے سے آپ کا مقصود غالباً اپنے مسلمہ صحفِ انبیاء پر بھی ہاتھ صاف کرنا ہے۔ اگر لفظ کُل بے خبری میں لکھا گیا ہے تو پادری صاحب اس کو واپس لے لیں۔ آپ کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ ایک گنہگار بندہ دربارِ محمدی میں آئے تو آنحضرتؐ اس کو محض اتنا ہی فرمائیں گے کہ تو فلاں فلاں کام مت کر۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکیں گے لیکن اگر وہ مسیح کے پاس آئے گا تو آپ علاوہ اس نصیحت کے اس کو گناہ چھوڑنے کی طاقت بھی بخشیں گے۔ جس سے وہ گناہ کی بری عادت کا مقابلہ کر سکے گا آپ کا یہ دعوےٰ دراصل اسی بنیادی پتھر (الوہیت مسیح) پر مبنی ہے۔ جس پر کتاب ہذا میں ص۷۶ سے ص۸۳ تک مفصل بحث ہو چکی ہے چونکہ پادری صاحب اور ان کے ہم نوا ابھی تک مسیح کو مجسم اللہ مانتے ہیں اس لئے وہ اسی اصول پر مسیح کو حقیقتہً ہدایت بخش اور توفیق بخش کہے جاتے ہیں۔ مگر قرآن چونکہ پیغمبر اسلام کو درجہ الوہیت سے خالی اور منصبِ نبوت پر فائز ٹھیراتا ہے اس لئے وہ اس اصول کے ماتحت صاف کہتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط (پ۳ ع)

"اے پیغمبر! تمہارے اختیار میں ان کو ہدایت کرنا (منزل مقصود تک پہنچا دینا) نہیں ہے بلکہ خدا جس کو چاہے خود ہی ہدایت کرتا ہے۔

تمہارا منصب صرف تبلیغ ہے۔ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ط (پ۲۵ ع۵)

لیکن اس میں شک نہیں کہ آنحضرت کی تبلیغ اور ایک عالم کی تبلیغ میں بہت بڑا فرق ہے اور آپ کے مرتبہ کے لحاظ سے ایسا فرق ہونا ضروری ہے وہ فرق یہ ہے کہ جہاں تک انسانی کمال کی حد ہے آپ کے اثر صحبت سے متلاشیانِ حق پاکیزگی حاصل کرتے جیساکہ قرآنی ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (پ ۲۸ - ع ۱۱)

(وہی خدا ہے جس نے ان پڑھوں میں اپنا پیغمبر بھیجا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور پاک کرتا ہے اور ان کو اللہ کی کتاب اور دانائی کی باتیں سکھاتا ہے اس سے پہلے وہ لوگ صریح گمراہی میں تھے)

یہ آیت آنحضرت کا منصب اور حیثیت صاف بتاتی ہے کہ آپ قرآن کو سمجھاتے۔ اور روحانی حکمت سکھاتے اور اپنے اثر صحبت سے اپنے متبعین کو پاک کرتے لیکن یہ تزکیہ اور تطہیر انسانی کمال کی حد تک ہوتا۔ الوہیت کی شان اس میں نہ ہوتی۔ جس کا ذکر اس شعر میں ہے ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند — صحبت طالع ترا طالع کند

آگے چل کر پادری صاحب فرماتے ہیں:-

"مسیحیت ہی ایک واحد مذہب ہے جو یہ نئی پیدائش ہم کو عطا کرتا ہے۔ خداوند مسیح ہی اکیلا ہادی ہے جو نہ صرف ہم کو راہ ہدایت بتاتا ہے (یوحنا ۱۴) بلکہ ہم کو وہ زبردست طاقت عطا فرماتا ہے جس کی مدد سے ہم اپنی جبلت کی طاقت کو ایک جانب سے ہٹا کر دوسری طرف راغب کر سکتے ہیں۔ اس کے ہی فضل سے ہم کو یہ توفیق عطا ہوتی ہے (ص ۳۲)

مجیب | یہ اقتباس پہلے اقتباس کا اعادہ ہے یا اس پر تفریع ہے! اس میں مسیحیت کی فضیلت کا ذکر ہے۔ خاص کر یہ فقرہ کہ:-

Marfat.com

"مسیح ہی اکیلا ہادی ہے۔ وہ ہم کو زبردست طاقت عطا فرماتا ہے۔"

قابلِ غور اور محلِ بحث ہے کیونکہ اس میں مسیحی مذہب کی فضیلت کا ذکر ہے۔ اس لئے مسیحی کتب کے حوالوں سے ہم اس کی تحقیق کرتے ہیں۔

دنیا کی تاریخی کتب اور مسیحی اناجیل بالاتفاق شہادت دیتی ہیں کہ یہود مسیح کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے آپ کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر آپ کو صلیب پر چڑھا دیا اور ہاتھوں میں میخیں گاڑ دیں۔ اس حالت میں یسوع مسیح کی یہ فریاد کہ

"اے میرے خدا! اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔"

آپ کا صحیح مقام (عبودیّت) متعیّن کرنے کے لئے ایک فیصلہ کن جملہ ہے۔

یہودیوں پر آپ کی قوتِ بخشی نے کوئی اثر نہیں کیا بلکہ آپ کے خاص حواریوں پر بھی اثر نہیں کیا۔ جنہوں نے یوم صلیب کی صبح ہونے سے پہلے ہی یسوع مسیح پر لعنتیں بھیجیں اور ان سے اپنی علیحدگی کا اظہار کیا (متی باب ۲۶)

کیا اسی کا نام قوت بخشی ہے کہ اپنے صحبت یافتہ اشخاص کو بھی بے نصیب رکھا جس پر انہوں نے بزبان حال یہ شعر پڑھا ؎

بس سمندر دیکھ لی ہم نے تیری دریا دلی
تشنہ لب رکھا صدف کو بوند پانی کی نہ دی

ذرا اور نیچے آجائیے۔ مسیحی دنیا میں اوّل نمبر یورپ کا ہے اس کی نیک بختی اور صلاحیت کی جو کیفیت شروع سے رہی ہے وہ عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے۔ شراب خوری، خونریزی، زناکاری، غلط کاری کوئی جرم ہی نہیں۔ شاید کفارہ مسیح کے عقیدہ نے ان لوگوں کو گناہوں کی سزا سے بے خوف کر دیا ہو۔ پادری صاحب! ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بیروں افتد راز
ورنہ در مجلسِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

؎ کتاب ہذا کا صفحہ ۱۲ ملاحظہ ہو۔ ۱۲ منہ

پادری صاحب کا یہ مقولہ کیسی ناواقفیت پر مبنی ہے کہ:۔

"قرآن نیک اعمال کی دعوت دیتا ہے لیکن نہ تو نئی پیدائش کی تعلیم دیتا ہے کہ کسی شخص کو نیا مخلوق بنانے پڑنا درہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دینِ فطرت کے لوازم اس میں سرے سے نہیں ہیں۔ تمام ادیان عالم میں مسیحی دین کو یہ طغرائے امتیاز حاصل ہے۔" (صـ۲۲)

مجیب اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ ہم مانتے ہیں کہ قرآن اور ملہم قرآن میں الوہیت کی طاقت نہیں ہے۔ ہاں اپنی کمال تاثیر کے لحاظ سے تمام مخلوق میں ان کا درجہ سب سے بلند ہے یہ صرف ہمارا دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس کا واضح نمونہ بھی سنئیے۔

قرآن مجید میں خداوند تعالیٰ اور صاحبِ قرآن کے انقلاب انگیز اثر کے اظہار کرنے کو فرماتا ہے:۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (پ۴-ع۲)

(اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اس کو یاد کرو کہ تم دشمن تھے پھر اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت (قرآن) کی برکت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے پر تھے پھر اس نے تم کو اس سے بچا دیا اسی طرح سے اللہ اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ)

ناظرین! اس انقلاب کو ملاحظہ کیجیے۔ قرآن مجید کی تاثیر کا کیسا بیّن ثبوت ہے۔ جس کا اظہار مولانا حالی مرحوم نے مندرجہ ذیل بند میں کیا ہے ؎

وہ دیں جس نے اعدا کو اخواں بنایا ۔۔۔ وحوش اور بہائم کو انساں بنایا
درندوں کو غمخوارِ دوراں بنایا ۔۔۔ گڈریوں کو عالم کا سلطاں بنایا
وہ خطہ جو تھا ایک ڈھوروں کا گلہ
گراں کر دیا اس کا عالم سے پلہ

Marfat.com

پادری صاحب! قرآن مجید نے دنیا میں جو روحانی انقلاب بپا کیا۔ اس کی شہادت تو تمام جہاں دے رہا ہے کہ صرف تئیس سال کے عرصے میں اپنے اتباع کو ذلت وخواری کے تختہ سے اٹھا کر عزت وحکومت کے تخت پر بٹھا دیا اور ہر قسم کی غلط کاری میں مبتلا لوگوں کو متقیوں کا امام بنا دیا۔ پھر آپ کا یہ کہنا کہ قرآن میں یہ طاقت نہیں ہے کس قدر بے انصافی پر مبنی ہے۔ ہاں مسیحیت نے اس قوت کا جو اظہار کیا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ کفارہ مسیح کا سبز باغ دکھا کر مجرموں کو گناہوں کی پاداش سے بے خوف کر دیا۔ اسی لئے اب ان کی زبان پر یہ کہاوت جاری ہے:۔

"سیّاں بھیئے کتوال اب بھئے ڈر کس کا"

خوف کی جبلّت پادری صاحب نے اس سرخی کے ماتحت بڑی طویل گفتگو کی ہے جبلتِ خوف سے پادری صاحب کی مراد فطری خوف ہے یعنی کسی زبردست طاقت سے ڈرنا جو انسان کی طبعی عادت ہے۔ پادری صاحب اس کو جبلتِ خوف سے تعبیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"خوف کی جبلّت تمام حیوانات کی بقا کے لئے ضروری ہے انسانی سرشت میں یہ جبلّت قوی ترین جبلّتوں میں سے ہے" (ص۲۲)

اتنا مضمون تو فریقین کو مسلم ہے۔ آگے چل کر آپ لکھتے ہیں کہ:۔

"لازم ہے کہ دینِ فطرت کے عقائد ایسے ہوں جن سے اس جبلّت کی غیر معتدل انگیختگی واقع نہ ہو تاکہ انسان ہول اور دہشت کا نشانہ نہ بنا رہے"

اس پر بھی ہمارا صاد ہے۔ اسی معیار پر پادری صاحب تفریع کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"حق یہ ہے کہ جس قدر کسی مذہب میں دہشت کا عنصر غالب ہوگا اسی نسبت سے وہ مذہب ادیانِ عالم میں ادنیٰ پایہ کا شمار کیا جائے گا۔ (ص۲۵)

یہ اصول بھی ہمیں مضر نہیں۔ ان تمہیدات کے بعد آپ خاص اسلام پر اوچھے ہتھیاروں سے حملہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

اسلام میں خوف کا عنصر اسی طرح کار فرما ہے جس طرح وحشی اقوام کے مذاہب باطلہ

Marfat.com

میں دیوتاؤں کا خوف کام کرتا ہے (صفحہ ایضاً)

مجیب | قرآن مجید نے خوف اور محبت کو ایسے اعتدال پر رکھا ہے کہ باید و شاید بہت سی آیات نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ نمونہ کے طور پر ایک ہی کافی ہے ارشاد ہے۔

نَبِّئْ عِبَادِیْ اَنِّیْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ (رب ۱۴ ع)

"اے پیغمبر! میرے بندوں کو یہ اطلاع دے دو کہ میں بڑا ہی بخشنہار اور مہربان ہوں۔

اور یہ بھی کہہ دو کہ مجرموں کے لئے میرا عذاب بڑا ہی دردناک ہے۔

کیسا معتدل کلام ہے کہ خوف اور محبت کو اعتدال پر رکھا گیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں مسیحیت نے جو تعلیم دی ہے اسے ہم آگے چل کر نقل کریں گے اس سے آگے پادری صاحب مسیحیت کا طغرائے امتیاز بتلانے کو لکھتے ہیں کہ:۔

"مسیحیت ہم کو تعلیم دیتی ہے کہ خداوند کا خوف دانش کی ابتدا ہے (امثال ۱/۷) خداوند کا خوف پاک ہے (زبور ۱۹/۹) خداوند تمہارا تم سے سوائے اس کے اور کیا چاہتا ہے کہ تم خداوند اپنے خدا کا خوف مانو اور اس کی سب راہوں پر چلو اور اس سے محبت رکھو (استثناء ۱۰/۱۲)

ان حوالہ جات کو پیش کر کے آپ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

کتاب مقدس کے مذکورہ بالا اقتباسات بطور مشتے نمونہ از خروارے دیئے گئے ہیں۔

ان سے واضح ہو گیا ہو گا کہ مسیحیت میں خدا کا خوف کس قسم کا ہے۔

یہ خوف دانش کی ابتدا اور پاک ہے اس سے خدا کی محبت پیدا ہوتی ہے (ص ۳۳)

مجیب | پادری صاحب! آپ کو اسلامی تعلیم متعلقہ خوف خدا تو وحشیانہ نظر آتی ہے جو بالکل اعتدال پر مبنی ہے جس کا ثبوت ہم قرآنی آیت کے حوالے سے دے چکے ہیں لیکن مسیحیت کی تعلیم آپ کی نظر سے کیوں اوجھل رہی۔ بائیبل خدا کے غضب اور انتقام وغیرہ کے متعلق جو تعلیم دیتی ہے اسے توجہ سے سنئے اور اپنے ہم نوا ممبروں کو ساتھ بٹھا کر غور کیجئے! خداوند موسیٰ کو فرماتا ہے:۔

"خداوند خدا رحیم اور مہربان قہر میں دھیما اور فیض و وفا میں غنی۔ ہزار پشتوں کے لئے فضل کرنے والا

گناہ اور تقصیر اور خطاء کو بخشنے والا لیکن وہ ہر حال میں معاف نہ کرے گا بلکہ باپوں کے گناہ کا ان کے فرزندوں سے اور فرزندوں کے فرزندوں سے تیسری اور چوتھی پشت تک بدلہ لے گا " (خروج ۳۴: ۶-۷)

مجیب اللہ اللہ کس قدر جوش غضب ہے کہ زار روس کے مظالم بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں کہ گناہ کا بدلہ گنہگار کے بیٹوں، پوتوں اور پڑپوتوں وغیرہ سے لیا جاتا ہے۔ مسیحی دوستو! دنیا کی کسی حکومت میں ایسا قانون دیکھا یا سنا ہے جیسا آپ کی مسیحیت خدا کے حق میں بتاتی ہے کہ ایک گنہگار کے گناہ کی سزا کسی ایک بے گناہوں کو دی جائے۔ مگر مسیحی مذہب میں یہ پہلا ہی واقعہ نہیں ہے اور نہ اس کے لحاظ سے یہ کوئی عجیب بات ہے کیونکہ مسیحیت نے دنیا کے بہت بڑے معزز اور خدا کے مقرب اور معصوم (ناکردہ گناہ) بندے کو پھانسی پر چڑھا کر گنہگاروں کی نجات کا ذریعہ سمجھا۔ ایسا کرتے ہوئے اس کو نہ تو عدل و انصاف کا اصول مانع آیا اور نہ خدائی رحم نے اس کو اس ظلم سے باز رکھا۔ پادری صاحب ایسے کمزور ہتھیاروں سے قرآن جیسے مضبوط قلعے پر حملہ کر کے خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ یاد رکھئے کہ قرآن کا قلعہ ایسا مضبوط ہے کہ مٹی کے گولوں سے اسے کوئی صدمہ نہیں پہنچ سکتا لیکن اس کا حملہ اتنا زبردست ہے کہ انٹر رپ کا قلعہ بھی اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ اس لئے اسلام اپنے مخالفوں کو للکارتا ہوا بزبان حال کہتا ہے ؎

ہاں تامل دم ناوک فگنی خوب نہیں
میری چھاتی ابھی تیروں سے چھنی خوب نہیں

اس سے آگے آپ لکھتے ہیں کہ:-

" اسلام کے خدا کی ذات صفات ایسی ہیں جن سے ہر لحظہ خوف اور دہشت ٹپکتی ہے۔ لیکن مسیحیت کے خدا نے ہم کو دہشت کی روح نہیں بلکہ قدرت محبت اور تربیت کی روح دی ہے " (ص ۳۶)

مجیب ابھی ہم جواب دے چکے ہیں کہ قرآن مجید خدا تعالیٰ کو ہر جگہ غفور و رحیم کی حیثیت

Marfat.com

سے پیش کرتا ہے اور بار بار کہتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (خدا سب لوگوں پر شفقت اور رحم کرنے والا ہے) رؤف اور رحیم دونوں صیغے مبالغے کے ہیں۔ جن کے معنی ہیں بہت بڑا مہربان اور بہت زیادہ رحم کرنے والا اس سے بھی زیادہ گنہگاروں کو تسکین دینے والی آیت سنیئے۔ ارشاد ہے:۔

اِنَّ رَبَّکَ لَذُوْ مَغْفِرَۃٍ لِّلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِہِمْ (پ ۱۳ - ع) (خدا گنہگاروں کے لئے بخشنہار ہے) اللہ اللہ رحمت اور مغفرت کا سمندر کس قدر جوش مار رہا ہے کہ لوگوں کے ظلم و ستم کے باوجود خدا ان کے لئے بخشنہار ہے۔ البتہ یہ ہم مانتے ہیں کہ مسیحیت جیسا رحم قرآن میں واقعی نہیں ہے کہ ظالم بدکاروں کی خاطر ایک بے گناہ انسان کو پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے اور غصے کی آگ بھڑک اٹھے تو بے گناہ بچوں کو بھی فنا کر دے جس کے مقابلہ میں ظالم حملہ آوروں کے حملے بھی ہیچ معلوم ہوں ایسے خونخوار اور ظالم خدا کے حق میں بجز اس کے کیا کہا جائے۔

وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

آگے چل کر پادری صاحب جبلت تولید کا ذکر کرتے ہیں۔ اس سے آپ کی مراد ازدواجی تعلق ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔

نر اور مادہ کے باہمی تعلقات اسی جنسی جبلت کی وجہ سے ظہور میں آتے ہیں انسانی معاشرت کے لئے یہ جبلت (ازدواجی تعلق) نہایت ضروری ہے۔" (ص ۳۹)

مجیب اس پر ہمارا جی صاد ہے۔ اس مبحث میں آپ کو اسلام میں دو نقص نظر آئے ہیں۔ یعنی تعدد ازدواج اور طلاق۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:۔

جن اقوام میں وحدت ازدواج کی بجائے کثرت ازدواج رائج ہے اور بیاہ کے رشتے کی طرف سے لاپرواہی اختیار کی جاتی ہے اور طلاق عام روزمرہ کا واقعہ ہو جاتا ہے۔ ان اقوام میں زوال پیدا ہو جاتا ہے۔"

مجیب تعدد ازدواج کا جواب پہلے ص ۴۲ پر بھی آچکا ہے۔ یہاں بھی کچھ لکھا جائے گا۔

Marfat.com

طلاق کا ذکر آگے آتا ہے۔ تعددِ ازدواج کے متعلق پادری صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"دینِ فطرت کا یہ کام ہے کہ (۱) وحدتِ ازدواج کی تعلیم دے (۲) نر اور مادہ کے رشتہ کے قیام، استواری اور پائیداری اور اس کی دوامی حالت کی تلقین کرے (۳) طلاق کی ممانعت کرے اور اس بات کا محرک ہو کہ جبلّتِ جنسی کی وافر اور فاضل طاقت اور عظیم توانائی اور اعلیٰ ترین مقاصد اور اغراض کو حاصل کرنے کی جانب راغب ہو جائے۔" (صفحہ ۴)

مجیب: یہ ہے پادری صاحب کے نزدیک دینِ فطرت کا معیار جس کا کچھ حصہ مسلّم ہے اور کچھ غیر مسلّم۔ متنازعہ حصّے کا ذکر آگے آتا ہے۔ پادری صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"کلمۃ اللہ کی تعلیم نے آدمی اور عورت کے باہمی جنسی تعلقات کی کایا پلٹ دی۔ جو نر اور مادہ کے تعلقات آپ کے زمانہ میں رائج تھے۔ (وہ موسوی شریعت کے ماتحت تھے) آپ نے ان کے تمام غیر مکمل عناصر کو خارج کرکے اس رشتہ کو کامل طور پر پاکیزہ بنا دیا۔ عورت بچّے جننے کی مشین اور مرد کی شہوت کا آلۂ کار نہ رہی۔ بلکہ مرد کی طرح ایک آزادانہ ذمہ وار ہستی ہو گئی جس سے خدا لازوال محبت کرتا ہے اور جس کی روح کی خاطر ابن اللہ نے اپنی جان دے دی۔ خدا کی نظر میں مرد اور عورت کے حقوق مساوی ہیں پس انجیل جلیل یہ تعلیم دیتی ہے کہ جنسی جبلّت کے جائز استعمال کے لئے ہر مرد اپنی بیوی اور ہر عورت اپنا شوہر رکھے۔ شوہر بیوی کا حق ادا کرے اور بیوی شوہر کا حق ادا کرے۔" (صفحہ ۴-۵)

مجیب: پادری صاحب نے اس بیان میں اسلام ہی پر حملہ نہیں کیا بلکہ اپنی مسلّمہ موسوی شریعت پر بھی ہاتھ صاف کیا ہے۔ چنانچہ اس کو نامکمل اور قابلِ اخراج قرار دیا ہے حالانکہ مسیح کا قول ہم بارہا نقل کر چکے ہیں کہ

موسوی شریعت یعنی تورات کا ایک شوشہ بھی منسوخ نہیں ہوگا (انجیل متی باب ۵)

آپ کا یہ لکھنا کہ "خدا کی نظر میں مرد و عورت کے حقوق مساوی ہیں"۔ اس بارے میں قرآن مجید کی آیت ذیل ایسی صاف ہے کہ آپ کا یہ فقرہ گویا اسی کا ترجمہ ہے ارشاد ہے

۱؎ پنجابی اردو ۱۲ منہ

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (پ۲ ع۱۲) (عورتوں کے حقوق خاوندوں پر ویسے ہی ہیں جیسے خاوندوں کے عورتوں پر")

آپ کا یہ فقرہ کہ "شوہر بیوی کا حق ادا کرے" دراصل اس آیت کریمہ کا ترجمہ ہے :۔

عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (پ۴ ع۱۴) (عورتوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا کرو)

یہ تو اصل اعتراض کا جواب ہے ۔ اب ہم پادری صاحب کی ہوشیاری کا ذکر کرتے ہیں۔ آپ نے آگے چل کر موسوی شریعت کی کتاب پیدائش سے یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ :۔

"مرد عورت ایک جان ہوں گے" (باب ۲ : ۲۴)

پھر اس فقرہ کے ساتھ ہی لکھا ہے کہ :۔

"انجیل جلیل نے یہ تعلیم دی ہے کہ مرد و عورت کے جنسی حقوق مساوی ہیں" (ص۴۵)

اس اقتباس میں پادری صاحب نے جس ہوشیاری کا ثبوت دیا ہے اگر کسی اور سے ایسی ہوشیاری سرزد ہوتی تو ہم اس کا نام مکاری اور عیاری رکھتے ۔ کتاب پیدائش میں اصل واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت آدم اور حوا سے گناہ سرزد ہوا چنانچہ پیدائش کے پورے الفاظ یہ ہیں :۔

"مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا اور اپنی جورو سے ملا رہے گا ۔ اور وے ایک تن ہوں گے ۔" (پیدائش باب ۲ : ۲۴)

اس عبارت میں دو فقرے ہیں ۔ پادری صاحب کے طرز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحب اپنے منقولہ فقرات کو شرعی حکم کے معنی میں واجب العمل سمجھتے ہیں ۔ اگر دوسرا فقرہ شرعی حکم واجب العمل ہے تو پہلا فقرہ بھی واجب العمل ہونا چاہیئے ۔ یعنی ماں باپ کو چھوڑ دینا اور بیوی سے ملے رہنا ۔ ناظرین غور کریں کہ یہ تعلیم کیسی عمدہ ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں فقرے خبریہ جملے ہیں ۔ انشائیہ جملے بمعنی شرعی حکم نہیں ہیں ۔ ورنہ بڑی خرابی لازم آئے گی ۔ کیونکہ ان میں انسان کی بداعتدالی کا ذکر ہے کہ وہ ماں باپ کو چھوڑے گا اور بیوی کی محبت میں غلو کرے گا ۔ اس سے تو مذمت نکلتی ہے نہ کہ شرعی حکم ۔ دوسری ہوشیاری آپ نے یہ کی ہے کہ پیدائش کے اس حوالہ کو انجیل جلیل کہہ کر

Marfat.com

عزت بخشی ہے چنانچہ پس کا لفظ تتیجہ پر دلالت کرتا ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ کتاب پیدائش موسوی شریعت میں داخل ہے۔ حالانکہ اس شریعت کو آپ غیر مکمل کہہ کر عیسوی شریعت سے خارج کر چکے ہیں اور اب اسی کو پیش کرتے ہیں۔ اس موقع پر موسوی شریعت آپ کی عنایت کو ملحوظ رکھ کر بزبان حال یہ شعر پڑھے تو بجا ہے ؎

وفا کے واسطے میری تلاش ہوتی ہے
کوئی زمانے میں جب دوسرا نہیں ملتا

اسی ضمن میں پادری صاحب نے طلاق کا مسئلہ بھی چھیڑا ہے اور اپنے دعوے پر انجیل مرقس باب ۱۰: ۲ نقل کی ہے۔ مسئلہ طلاق جس حکمت پر مبنی ہے اسے سمجھ لینے سے یہ مسئلہ صاف حل ہو جاتا ہے پس ناظرین غور سے سنیں۔

نکاح ایک مصنوعی تعلق ہے قدرتی نہیں ہے یعنی جس طرح انسان کا تعلق ماں باپ بہن کے ساتھ قدرتی ہے اسی طرح بیوی کے ساتھ قدرتی نہیں ہے۔ اس کی مثال بالکل واضح ہے کہ مسلمانوں میں چچازاد اور ماموں زاد بہنوں سے رشتۂ نکاح جائز ہے جب تک عقدِ نکاح نہ ہو جائے وہ لڑکی چچازاد بہن تو ہے مگر منکوحہ بیوی نہیں ہے۔ انہی معنی میں عقدِ نکاح کو قدرتی نہیں بلکہ مصنوعی کہا جاتا ہے اور جو تعلق مصنوعی ہو وہ قابلِ انفکاک (ٹوٹنے والا) ہوتا ہے۔ اس کے برعکس قدرتی تعلق ناقابلِ انفکاک (نہ ٹوٹنے والا) اسی لئے باپ بیٹے کی مذہبی تبدیلی کی وجہ سے نسبت ولدیت معدوم یا منسوخ نہیں ہو جاتی۔ مگر ازدواجی تعلق تبدیلِ مذہب سے ٹوٹ جاتا ہے۔ موسوی شریعت تو عام طور پر طلاق کی اجازت دیتی ہے۔ مسیح نے بھی عورت کے بدکار ہو جانے کی حالت میں طلاق دینے کی اجازت دی ہے چنانچہ مسیح کے الفاظ یہ ہیں:۔

"یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے زنا کراتا ہے" (متی باب ۵، ۳۱-۳۲)

یہ دونوں ارشادات (موسوی اور عیسوی) اسی اصول پر مبنی ہیں جو ہم نے عرض کیا ہے کہ

Marfat.com

نکاح مصنوعی تعلق ہونے کی وجہ سے قابل انفکاک ہے۔ جس پر عمل درآمد صرف
سخت ضرورت کے وقت جائز قرار دیا گیا ہے۔ معمولی کراہت طبعی یا ناراضگی کو موجب
طلاق نہیں ٹھیرایا گیا بلکہ اس کے متعلق صاف ارشاد ہے۔
عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا
وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (ب ۴ ع ۱۴) (عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کیا
کرو۔ اگر تم ان کو کسی وجہ سے ناپسند کرو تو بھی نباہ کرتے رہو کیونکہ بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو
ناپسند کرو اور خدا اسی میں بہت سی خیر و برکت پیدا کر دے)

طلاق کی مکروہ صورت ہر وقت پادری صاحب کی آنکھوں میں پھرتی ہے۔ وہ کوئی
بھی عنوان قائم کریں اس کے ذیل میں طلاق کا ذکر ضرور کرتے ہیں چنانچہ ص۶۶ پر آپ نے
ماں باپ کی جبلت یا والدینی جبلت" کا عنوان قائم کر کے ص۶۸ پر "طلاق" کی بحث دوبارہ
شروع کر دی ہے اس کے ضمن میں آپ لکھتے ہیں کہ:۔

"کلمۃ اللہ نے صاف تعلیم دی ہے کہ زنا کا گناہ ازدواج کے پاک رشتے کو خود بخود
توڑ دیتا ہے کیونکہ اس سے پاک رشتہ ناپاک ہو جاتا ہے۔" (ص۶۸)

مجیب یہ الفاظ مسیح کے نہیں ہیں۔ آپ کے اصل الفاظ نقل ہو چکے ہیں کہ:۔

"جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے وہ اس سے
زنا کراتا ہے۔"

یہاں ہم صرف اتنا پوچھتے ہیں کہ ان صورتوں میں مرد کیا کرے:۔

(۱) کسی مرد کی بیوی غیر مرد کے ساتھ سیر کرنے جاتی ہو۔
(۲) غیر مرد کے ساتھ ہنسی مذاق کرتی ہو یا خفیہ خط و کتابت کرتی ہو۔
(۳) چوری کرنے کی عادی ہو۔
(۴) بد اخلاقی سے گالی گلوچ کرتی ہو۔
(۵) خاوند کی پہلی بیوی کے بچوں سے دشمنی رکھتی ہو۔
(۶) خاوند کے والدین یا دوسرے معزز رشتہ داروں کی توہین کرتی ہو۔

Marfat.com

(۷) اپنے پرائے سے خواہ مخواہ لڑنے جھگڑنے کی عادی ہو۔

ان جیسی تمام صورتوں میں مرد کو انجیل کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ ایسی بیوی کو اپنی گردن کا طوق بنا کر اپنی زندگی کو ہمیشہ مصیبت میں مبتلا رکھے۔ یا مخلصی کی کوئی راہ اختیار کرے۔ قانونِ قدرت کو ملحوظ رکھ کر جواب دیجئے۔

ایسے واقعات ہمارے مشاہدے میں بکثرت آئے ہیں کہ مرد عورت میں ناچاقی اور سوءِ مزاجی بعض دفعہ طبعی طور پر ہوتی ہے اور بعض دفعہ قدرتی طور پر۔ طبعی طور پر تو یوں ہوتی ہے کہ مرد یا عورت اپنی شکل و شباہت میں اس درجہ پر ہوتے ہیں جس کا ذکر شیخ سعدی نے اپنے ایک شعر میں یوں کہا ہے ؎

تو گوئی تا قیامت زشت روئی بر وختم است و بر یوسف نکوئی

اس قسم کا ایک واقعہ زمانہ رسالت میں بھی پیش آیا تھا۔ اس کی مختصر تشریح یوں ہے کہ ایک عورت نے دربارِ نبوی میں آکر شکایت کی کہ حضور! میں اپنے خاوند کے دین اور اخلاق میں کوئی نقص نہیں پاتی مگر جب وہ میرے سامنے آتا ہے تو میرا دل چاہتا ہے کہ اس کے منہ پر تھوک دوں۔ حضور نے اس عورت کا عذر معقول قرار دے کر اس کو خاوند سے علیحدگی اختیار کرنے کی اجازت دے دی۔

قدرتی اسباب کے کیس بھی ہمارے سامنے بہت آئے ہیں۔ مثلاً مرد غرضِ نکاح کے لحاظ سے ناقابل ہے یا آوارہ گرد ہے یا کسی خاص مرض میں مبتلا ہے۔ فریقین جوان ہیں پھر کیا پادری صاحب ان دونوں قسم کے اسباب میں انجیل مرقس باب ۱۰: ۲ کو پیش کر کے بیوی خاوند کو یہی حکم دیتے جائیں گے کہ تم دونوں ایک تن ہو کر رہو۔ واللہ اگر آپ یہی کہیں گے تو وہ آپ کو جواب میں یہ شعر سنا دیں گے ؎

شب فراق کی ہم جانیں یا خدا جانے
بلاکشوں پہ جو گزرے تیری بلا جانے

ایسی ہی صورتوں میں قرآن مجید اور شریعتِ سابقہ نے اگر اس مصنوعی تعلق کو قابلِ انفکاک قرار دیا ہے تو کیا جرم کیا ہے؟ اس ضمن میں پادری صاحب نے تعدد ازدواج پر

Marfat.com

بھی بحث کی ہے۔ مگر قدرت کا عجیب تصرف ہے کہ اندر ہی اندر اپنا کام کر جاتا ہے اور فاعل کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ آپ کی ساری بحث کا ملخص یہ ہے جو آپ فرماتے ہیں:۔

"چونکہ ازدواجی تعلقات درحقیقت بچوں کی شخصیت کی نشوونما اور ترقی کا ذریعہ ہیں لہذا لازم ہے کہ یہ تعلقات صرف ایک زوجہ سے متعلق ہوں اور مدت العمر پائدار ہوں (ص۲۳)

مجیب اس اقتباس میں پادری صاحب سے ایک لفظ چھوٹ گیا۔ جس کا اضافہ پادری صاحب کی منقولہ عبارت کے خلاف نہیں بلکہ ضروری ہے اس لفظ کو ساتھ ملا کر عبارت یوں ہونی چاہیئے کہ

ازدواجی تعلقات درحقیقت قضائے حاجت نفسانی اور اولاد کی پیدائش اور بچوں کی شخصیت کی نشوونما کا ذریعہ ہیں۔

یہ عبارت انہی لفظوں میں ہونی چاہیئے کیونکہ یہی مضمون قانون قدرت کے مطابق ہے۔ اس پر یہ نتیجہ پیدا کرنا کہ صرف ایک زوجہ سے تعلق ہو کسی طرح صحیح نہیں بلکہ اصل مقصد کے خلاف ہے۔ غور کیجیئے کہ کسی کی منکوحہ عورت بانجھ یا دائم المریض ہو تو اس کا خاوند اولاد کی غرض سے کیوں دوسرا نکاح نہ کرے۔ ایک اور مثال ملاحظہ کیجیئے۔

جنوری ۱۹۲۸ء میں کوئی عورت حاملہ ہوئی۔ نو ماہ تک حمل رہا۔ عام دستور کے مطابق ولادت کے بعد وہی عورت اپنے بچے کو دودھ پلائے گی۔ کیونکہ اس کے پستانوں میں دودھ قدرت نے اسی غرض سے پیدا کیا ہے۔ پس یہ تین سال کے لگ بھگ کا زمانہ تولید اولاد (بچے پیدا کرنے) کے لئے موزوں نہیں ہے اور اسی تولید اولاد کو آپ نے جبلت تولید سے تعبیر کر کے زیب عنوان کیا ہے۔

پس ضروری ہے کہ اس غرض کو ہمیشہ ملحوظ رکھا جائے۔ ایسی حالت میں آپ کا یہ نتیجہ کسی طرح صحیح نہیں کہ ایک ہی عورت سے نکاح کیا جائے۔ اگر کسی شخص کی متعدد بیویاں ہیں جو صاحب اولاد بھی ہیں اور اپنی اپنی اولاد کی پرورش بھی کرتی ہیں تو اس میں عقل سلیم کی رو سے کون سی قباحت لازم آتی ہے۔ فتدبر!

Marfat.com

دہلی کے علماء میں سے ایک صاحب مولوی محمد جوناگڑھی حال ہی میں فوت ہوئے ہیں[1] آپ کی تین بیویاں زندہ ہیں جن کی اولاد انیس کس ہیں۔ آپ کی تینوں بیویاں ان کی زندگی میں بھی بطیب خاطر اپنی اپنی اولاد کی پرورش کرتی تھیں اور اب بھی کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی مرد اس قدر جسمانی اور مالی طاقت رکھتا ہے کہ ایک بیوی اس کی ضرورت کو کفایت نہیں کر سکتی تو وہ کیوں دوسری عورت سے نکاح نہ کرے۔

نمونۂ انبیاء حضرات انبیاء کرام امت کے لئے اسوۂ حسنہ (اچھا نمونہ) ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں تو بائیبل میں ہمیں ملتا ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی متعدد بیویاں تھیں۔ ملاحظہ ہو ۲ سموئیل باب ۳۔۱ اور ۱ سلاطین باب ۱۱۔ ان کے اس فعل پر بائیبل میں کوئی ملامت نہیں ہے کیونکہ یہ فعل کسی قانونِ قدرت کے خلاف نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ ازدواج شریعتِ الٰہیہ کے خلاف نہیں ہے پھر معلوم نہیں کہ پادری صاحب کا غیظ و غضب کس بنا پر ہے اور یہ فقرہ کس طرح صحیح ہے کہ:۔

"ازدواج کی نسبت جو تعلیم کلمۃ اللہ نے دی ہے صرف وہی فطرت کے لوازمات کے مطابق ہے کیونکہ وحدت ازدواج اور اس تعلق کی مدت العمر پائیداری اور قیام ہی نوعِ انسانی کی بقا اور ترقی کا موجب ہو سکتی ہے" (ص۴۲)

اس عبارت کا جواب ہمارے سابقہ بیان میں آگیا ہے۔

اظہارِ تعجب پادری صاحب نے جبلت جنسی یعنی ازدواج کو جتنی اہمیت دی ہے اتنی اور کسی جبلت کو نہیں دی۔ اسی کے متعلق آپ نے کہا ہے کہ انسانی معاشرت کے لئے یہ جبلت نہایت اہمیت رکھتی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ بیاہ اور ازدواج کا وجود نہایت ضروری ہے (ص۳۹)

غالباً اسی لئے پادری صاحب کے دل میں کھٹکا ہوا کہ اس سے تو مسیحی مذہب پر بم کا گولہ پڑے گا۔ کیوں کہ حضرت مسیح ساری عمر مجرد رہے۔ انہوں نے جبلتِ جنسی کا تقاضا پورا نہیں کیا۔ جب بانئ مذہب ہی نے خلافِ فطرت زندگی بسر کی تو اس کی تعلیم کا

---

[1] آپ کی وفات ۲۸ر فروری ۱۹۴۱ء مطابق یکم صفر المظفر ۱۳۶۰ھ کو ہوئی۔ ۱۲ منہ

کیا حل ہوگا حالانکہ آپ خود ہی لکھ چکے ہیں کہ مسیح نے اپنے پیچھے کوئی کتاب نہیں چھوڑی بلکہ اپنا اسوہ چھوڑا (مسیحیت کی عالمگیری ص۱۱۷ ایضاً تا ... ۱۲۶) اس سوال کے جواب میں پادری صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ اُنہی کے الفاظ میں بالاختصار درج ذیل ہے۔

"منجی کونین (مسیح) نے اس جبلت کی تمام توانائی اور عظیم طاقت کو راہِ خدا میں خرچ کر دیا۔ خدا نے آسمان کی بادشاہت کو دنیا میں قائم کرنے کی مبارک خدمت آپ کے سپرد کی تھی۔ پس آپ نے اپنی ساری عمر کو بےنظیر ایثار نفسی[۱] کے ساتھ فی سبیل اللہ وقف کر دیا" (ص۹۴)

مجیب | مطلب یہ ہے کہ مسیح کا مدت العمر بے نکاح رہنا ان کی خاص دینی خدمت کی وجہ سے تھا۔ ہم نہیں سمجھتے کہ پادری صاحب اپنے پہلے دعوے کو کیوں بھول گئے جس میں بلا استثنا تعلق ازدواج کو ضروری قرار دیا تھا۔ اب اس سے استثنا کر کے اپنے دعوے کو کیوں کمزور کر دیا۔ خیر ہمیں اس سے بھی تعرض نہیں۔ ہاں اس عبارت سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ امت کے ہر فرد اپنے مقتدا کی اتباع کرنے کا مجاز بلکہ مامور ہے پس ثابت ہوا کہ ہر مسیحی پر واجب ہے یا کم سے کم اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ ساری عمر کے لئے تجرد اختیار کرے۔ علاوہ اس کے ہم پوچھتے ہیں کہ دین الٰہی کی خدمت کرنے کے لئے مسیح سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام دنیا میں آتے رہے اور ان کی تبلیغ سے بہ نسبت اتباع مسیح کے بہت زیادہ لوگ مستفیض ہوئے۔ اس کے باوجود انبیاء کرام اہل وعیال بھی رکھتے تھے۔ قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر آیا ہے

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً (پ۱۳-ع۱۲)

(اے پیغمبر! ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھیجے ان کے لئے بیویاں اور اولادیں بنائیں)

تعجب ہے | پادری صاحب مذہب عیسوی کی کمزوری اپنے زورِ کلام سے دبانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔

---

[۱] ایثار کے ساتھ نفسی لکھنا غلط ہے اچھا ہے کوئی لکھے۔ ایثار نفس لکھنا چاہئیے ۱۲ منہ

Marfat.com

"قرآن مجید میں اللہ کی ذات کی نسبت آیا ہے۔ لم یلد ولم یولد اور ولم یکن له صاحبة یعنی نہ وہ جنا گیا ہے اور نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ اس کی کوئی جورو ہے چونکہ کلمۃ اللہ کو ہر طرح کی مناسبت صرف خدا کے ساتھ ہے لہذا دنیاوی اعتبار سے نہ آپ کا کوئی باپ ہو سکتا تھا نہ کوئی اولاد اور نہ کوئی جورو۔" (ص۱۵)

مجیب قرآن مجید کے تین لفظوں میں سے ایک لفظ جو آپ کے دعوے کے صریح خلاف تھا اس کو آپ چھوڑ گئے۔ وہ لفظ لم یولد ہے جس کے معنی ہیں کہ خدا کسی سے پیدا نہیں ہوا۔ اس کے برعکس مسیح کی نسبت انجیل میں آیا ہے کہ:۔

یسوع مسیح کی پیدائش یوں ہوئی الخ (انجیل متی باب اول)

اس صفت کم یولد پر بھی توجہ کی ہوتی۔ ایسا آپ کیوں کرتے جبکہ مسیحیت کی الوہیت توڑنے کو یہی صفت کافی تھی۔ جو آپ کو کسی طرح پسند نہیں۔ اسی کو کہتے ہیں۔

ع دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

مقام مسرت مسلمان اس موقع پر جس قدر خوشی کا اظہار کریں بجا ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام نے اس خصوص میں اپنا نمونہ جو دکھایا ہے وہ حضور کے کمالات میں سے اعلیٰ کمال ہے اپنی ساری عمر دینی خدمت میں صرف کر دی۔ جاہل اقوام سے جو تکالیف اٹھائیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ ایک طرف بت پرستوں سے مقابلہ ہے تو دوسری طرف یہودیوں سے اور تیسری طرف خدا کے منکرین (دہریوں) سے، چوتھی طرف تین معبودوں کے ماننے والے عیسائیوں سے۔ ان مشکلات کے باوجود آپ زن و فرزند کے ساتھ صاحب عیال نظر آتے ہیں کیا مجال کہ عیالداری خدمتِ دین سے کسی طرح مانع ہو سکے۔ انہی معنی میں کہا گیا ہے ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسےٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس سے آگے پادری صاحب نے اپنی عادت کے مطابق طول کلامی سے کام لیتے ہوئے اسی مضمون کو ربڑ کی طرح کھینچ کر ص۱۵ تک پہنچا دیا۔ جس کا جواب ہماری تحریر میں آچکا ہے ہاں اسی ضمن میں آپ نے یہ دعوےٰ بھی کیا ہے کہ

۱؎ آیت اسی طرح مرقوم ہے (مجیب)

Marfat.com

(۱) نکاح متعہ قرآن سے ثابت ہے۔
(۲) نکاح متعہ اور رنڈی بازی میں فرق نہیں } (ص۵۹)

چیلنج فقرہ نمبر اول کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے ہم پادری صاحب کو چیلنج دیتے ہیں کہ آپ لاہور میں جلسہ منعقد کر کے قرآن مجید کے تیس سے متعے کا ثبوت دیں تو ہم شکر گزاری کے علاوہ کچھ مٹھائی بھی پیش کریں گے۔

لطیفہ ایک عیسائی واعظ کے ساتھ تثلیث پر گفتگو ہو رہی تھی۔ موصوف نے کہا کہ آپ خواہ مخواہ تثلیث کا انکار کرتے ہیں تثلیث تو مسلمانوں کی بسم اللہ میں بھی پائی جاتی ہے دیکھئے اللہ، رحمان اور رحیم تین الفاظ ہیں اور تینوں کا مصداق ہے۔ بس یہی تثلیث ہے۔

ایسے فہم قرآنی کی دوسری مثال یہی ہے جو قرآن مجید سے متعہ کے ثبوت میں پادری برکت اللہ صاحب کی تحریر میں ہمیں ملتی ہے۔ غنیمت ہے کہ آپ قرآن پڑھتے ہیں ہم آپ کو مشورہ دیتے ہیں کہ قرآن خوانی کے وقت قرآن کو اپنی رائے کے ماتحت نہ کیا کریں۔ ورنہ کہا جائیگا ؎

گر تو قرآں بریں نمط خوانی ببری رونق مسلمانی

آگے چل کر پادری صاحب نے ص۶۷ پر یہ عنوان قائم کیا ہے

والدینی جبلت کی خصوصیات

یہ عنوان اپنے معنی بتانے میں صاف ہے کہ اس کے ماتحت والدین اور اولاد کے تعلقات مذکور ہوں گے مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ پادری صاحب ایسے صاف عنوان کے ماتحت (جو انہوں نے خود ہی قائم کیا ہے) مسئلہ طلاق کو زبردستی گھسیٹ لائے ہیں۔ ملاحظہ ہو ص۶۷ تا ص۸۳ خیر یہ تو آپ جانیں اور آپ کا کام۔ آپ کی تصنیفات پبلک میں شائع شدہ ملتی ہیں وہ خود اندازہ کرے گی۔ اس عنوان کے ماتحت آپ نے عجیب و غریب رنگ دکھلائے ہیں۔ ہم ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے کچھ عبارت نقل کرتے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ کر لیں گے کہ پادری صاحب اسلام اور اہل اسلام پر ظلم

Marfat.com

کرتے ہیں یا اپنے علم و دیانت کا اظہار فرماتے ہیں چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ :-

"ماں باپ کی جبلت کے عمل میں جب ممانعت یا مزاحمت ہوتی ہے۔ تو اس سے غصہ ظہور میں آتا ہے اور یہ انسان کی معاشرتی زندگی کے لئے نہایت اہمیت رکھتا ہے مثلاً جب کوئی ہمارے بچوں کے ساتھ مزاحمت کرتا ہے تو ہم کو طیش آتا ہے، یہ غصہ غضب اور جوش درحقیقت تمام اخلاقی ناخوشنودی اور اخلاقی استغفار کی جڑ ہے۔ جو بچوں یا بیکس لوگوں یا نادانوں کی تکلیف یا ان پر ظلم اور زیادتی دیکھ کر ہمارے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ دورِ حاضرہ میں انسان کی معاشرتی زندگی میں اس جبلت کا میدان بہت وسیع ہو گیا ہے اور لطیف اور نازک جذبے اسی جبلت کی وجہ سے برانگیختہ ہوتے ہیں۔ مثلاً غلامی کے خلاف تحریک۔ بچوں۔ حیوانوں۔ اچھوت اقوام پر ظلم کی بندش اور ممانعت کی انجمنوں کا قیام۔ کاشتکاروں کے غلامانہ سلوک کا انسداد وغیرہ وغیرہ اسی کی وجہ سے ہیں۔ یہ نازک جذبات ہم کو مصیبت زدوں کے رفیق بنا دیتے ہیں۔ اور ہمدردی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آپ کی مصیبت کو کم یا ختم کر دیا جائے۔ پس ماں باپ کی جبلت یا والدینی جبلت صرف والدین کی شفقت کی ہی ماخذ نہیں۔ بلکہ جملہ نازک جذبات کی ماخذ ہے۔ چنانچہ خیرات اور سخاوت کا ظہور، شفاخانوں کا اجرا اور زرِ خطیر کا خرچ وغیرہ بھی اسی جبلت کی وجہ سے ہیں۔" (ص۶۶)

مجیب | کوئی صاحبِ علم ہمیں بتائے کہ والدینی جبلت یعنی والدین کی فطرت کا تقاضا ان سب شاخوں کو حاوی ہو سکتا ہے۔ غلاموں کی آزادی کی خواہش، حیوانوں کی حفاظت اور اچھوت اقوام کی ترقی کا خیال کیا یہ سب شاخیں والدینی فطرت پر مبنی ہیں۔ ہم بادری برکت اللہ صاحب سے نہیں بلکہ علمائے مسیحیہ سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے ایسے انسان دیکھے ہوں گے جو باوجود بے اولاد ہونے کے غلاموں کی آزادی چاہتے ہیں۔ اچھوتوں کی ترقی کے خواہاں ہیں۔ کاشتکاروں سے حسن سلوک کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ مروت اور نیک سلوک سے پیش آتے ہیں۔ پھر ان باتوں کو والدینی

Marfat.com

ت پر متفرع قرار دینا کہاں کا فلسفہ ہے۔ آگے چل کر اسی عنوان کے ماتحت آپ نے
ے پر والدینی جبلّت اور طلاق ہسیعیت اور طلاق اور صلہ پر اسلام اور طلاق وغیرہ ضمنی
یاں لکھ ماری ہیں اور صلہ پر لکھا ہے ۔ جبلّت والدینی کی راہ میں طلاق کی اسلامی تعلیم
ناقابل گذر رکاوٹ ہے۔

پھر جی خوش کرنے کو خود ہی یہ نتیجہ نکالا ہے کہ

پس اسلام دین فطرت نہیں ہوسکتا (چلو چھٹی شد)

بڑی طول کلامی کے بعد آپ اصل لائن پر آگئے ہیں ۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"والدینی جبلّت اور بچوں کے فرائض"

عنوان کے ماتحت آپ نے تسلیم کیا ہے کہ

انجیل اور قرآن میں فرزندوں کے فرائض اور ذمہ داریوں کے متعلق احکام ہیں (صلہ)

موقع پر جملہ معترضہ کی صورت میں ہم ایک فقرہ کہنا چاہتے ہیں کہ انجیل میں بچوں کے
ض نہیں ہیں ۔ اگر ہوتے تو جناب یسوع مسیح ان پر ضرور عمل کرتے ۔ حالانکہ بقول یوحنا مسیح
اپنی والدہ مکرمہ کو ایک جوش چڑھا کر مخاطب کیا تھا وہ قصہ سننے کے قابل ہے ۔ اصل
ماظ یہ ہیں:۔

تیسرے دن قانائے جلیل میں کسی کا بیاہ ہوا اور یسوع کی ماں وہاں تھی اور یسوع اور
اس کے شاگردوں کی بھی اس بیاہ میں دعوت تھی اور جب مے (شراب) گھٹ گئی ۔ یسوع کی
ماں نے اس سے کہا کہ ان کے پاس مے نہ رہی ۔ یسوع مسیح نے اس سے کہا اے
عورت مجھے تجھ سے کیا کام میرا وقت ہنوز نہیں آیا" (یوحنا باب ۲)

ظرین! اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ الفاظ کہ "اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام" ادب کے ہیں
یا سوءِ ادبی کے؟ پادری صاحب کی طرف سے یہ عذر ہوسکتا ہے کہ وہ مجلس شراب خوری
کی تھی اس لئے اس کے اثر سے اگر یہ فقرہ منہ سے نکل گیا ہو تو قابلِ درگذر ہے شیخ سعدی
نے بھی اسی لئے کہا ہے ع

محتسب گر مے خورد معذور دارد مست را

Marfat.com

اس کے مقابلہ میں قرآن مجید کی تعلیم سنئے۔ اولاد کو حکم ہوتا ہے:۔

لَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ط (پ ۱۵-ع)

اے لوگو! اپنے والدین کو اف (ہوں) بھی نہ کہا کرو اور نہ ان کو جھڑکا کرو بلکہ ان کو عزّت سے خطاب کیا کرو۔

اس موقع پر ہم یہ کہنے سے نہیں رک سکتے کہ پادری صاحب نے قرآن مجید کو اس تعمق و تدبّر سے نہیں پڑھا جس کا وہ حقدار ہے۔ سنئے خود قرآن میں مذکور ہے کہ قرآن دانی کے دو درجے ہیں۔ ایک درجہ تلاوت ہے جس کا ذکر يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ کے الفاظ طیبّہ میں ہے۔ دوسرا درجہ تدبّر و غور کا ہے جس کے متعلق ارشاد ہے:۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا[1] (پ ۲۶-ع)

یہ آیت صاف لفظوں میں ارشاد کر رہی ہے کہ قرآن خوانی سے اوپر بھی ایک درجہ ہے جس کا نام تدبّر ہے۔ یعنی قرآن مجید میں گہری نظر سے غور کرنا۔

ہم بلا تعصب کہتے ہیں کہ ہم نے مخالفین اسلام کو آریہ ہوں یا عیسائی۔ زیادہ سے زیادہ تلاوت کے درجہ تک پہنچا ہوا پایا ہے۔ ان میں سے کئی ایک تو اس سے بھی نچلے درجے میں ہیں خیر یہ مقام اس گلہ کی تفصیل کرنے کا نہیں ہے۔ ورنہ ہم عیسائیوں کے متعلق بھی بہت ہی گھٹیا درجے کی مثالیں پیش کرتے جیسا کہ ہم نے آریوں کے متعلق ایک مستقل رسالے میں دکھائی ہوئی ہیں جس کا نام ہے سوامی دیانند کا علم۔

اب اصل سوال کا جواب سنئے! قرآن مجید میں بچّوں کی ماؤں کو ارشاد ہے:۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (پ ۲-ع)

(مائیں اپنی اولاد کو دو سال تک دودھ پلائیں)

یہ حکم کیسا صحیح اور قانون قدرت کے موافق ہے چونکہ ماؤں کے ذمے دودھ پلانے کی خدمت لگائی گئی ہے۔ اس لئے باپوں کو ارشاد فرمایا۔

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (پ ۲-ع)

---

[1] کیا یہ لوگ قرآن مجید پر تدبّر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

یعنی بچوں کے باپوں پر باپ ہونے کی حیثیت سے واجب ہے کہ عورتوں کے تمام اخراجات پورے کریں

اور سنئے! ہر مسلمان کو بلکہ ہر انسان کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ تم اپنے ماں باپ کے حق میں یوں دعا کیا کرو۔ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ط (پ۱۵ ع) اے میرے خدا میرے ماں باپ پر رحم کر جیسا کہ انہوں نے میری پرورش کی جبکہ میں کم سن بچہ تھا۔

یہ آیت اشارۃ النص کے طریق پر بچوں کی پرورش کرنا ماں باپ کا فرض بتا رہی ہے کیونکہ بیٹا اس نسبت کو ملحوظ رکھ کر ماں باپ کے لئے دعا کرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی تربیت حسب حیثیت اعلےٰ درجے کی ہوتی ہے جس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوتی۔ آپ نے حضرت مسیح کا قول نقل کیا ہے کہ "کسی بچے کو ناچیز نہ جانو۔" آپ قرآن مجید پر تدبر کرتے تو اس سے بڑھ کر پاتے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ عرب میں نصف اولاد (لڑکیوں) کو نہایت مکروہ سمجھتے تھے۔ جس کا نقشہ مولانا حالی مرحوم نے اس بند میں دکھایا ہے ؎

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر — تو خوف شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی تھی جو خاوند کے تیور — کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

اس رسم قبیح کے متعلق جو ارشاد باری پہنچا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا ط (پ۱۵ ع)

اپنی اولاد کو بھوک کے خوف سے مت قتل کرو ہم ہی رزق دیں گے ان کو بھی اور تم کو بھی بے شک ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے

پھر اس ممانعت ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ روز قیامت کا ہیبت ناک نظارہ سامنے لاکر ارشاد فرمایا:۔ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (پ۳۰ ع)

(اس زندہ گاڑی ہوئی بچی کے متعلق سوال ہوگا کہ کس جرم کی پاداش میں قتل کی گئی)

Marfat.com

کس قسم کا ہیبت ناک نظارہ ہے۔ امیر خسرو مرحوم نے اسی طرح کو لے کر کیا ہی لطیف شعر کہا ہے۔ آپ اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں ؎

بروز حشر گر پرسند خسرو را چرا کشتی
چہ خواہی گفت قربانت شوم تا من ہماں گویم

ناظرین کرام! ان ہر دو ارشادات کو ملاحظہ فرمائیں کہ قرآن مجید نے جبکہ صنف نازک (عورت) کی حفاظت کے متعلق احکام دیئے ہیں تو اس سے ایک مدبر آدمی اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ اولاد ذرینہ کی حفاظت کہاں تک ملحوظ ہوگی۔ اسی لئے لڑکیوں کے قتل کی ممانعت کے موقع پر لَا تَقْتُلُوْا بَنَاتَكُمْ نہیں فرمایا بلکہ لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ ارشاد فرمایا۔ تاکہ یہ حکم اولاد کی دونوں صنفوں (لڑکے اور لڑکی) کو شامل ہو جائے۔ ہم نے اپنے دعوے کو آیت سے استنباط ہی نہیں کیا بلکہ دَبَّانِی کا صریح لفظ پیش کر دیا جو ماں باپ کا فعل ہے اور یہ بات قرآن دان حضرات سے مخفی نہیں ہے کہ قرآن مجید کا اسلوب بیان مختلف ہے بعض جگہ تو صراحتہً صیغہ امر و نہی سے حکم دیتا ہے اور بعض جگہ جمل خبریہ کی صورت میں حکم یا منع ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:-

(۱) وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا[1] ۔ (پ ۱۹ - ع)

(۲) ولا يقتلون النفس التی حرم الله الا بالحق ولا يزنون[2] (پ ۱۹ - ع)

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں :-

"والدینی جبلت اور ذات الٰہی"

اس سرخی کے نیچے آپ یوں گویا ہوئے ہیں۔

"خالق نے والدینی جبلت ہماری شریعت میں ودیعت فرمائی ہے پس اس جبلت کے تقاضاؤں کو انسان بخوبی جانتا ہے۔ پس اگر کوئی مذہب ایسا ہو جو اس جبلت کے ذریعہ خدا کی ذات کا علم ہم پر منکشف کرے تو ہم اس علم کو جان سکیں گے۔ چونکہ یہ جبلت دیگر

---

[1] خدائے رحمان کے نیک بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں۔ ۱۲ منہ

[2] نیک بندے وہ ہیں جو کسی جان کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا کاری کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

Marfat.com

جبلتوں سے قوی اور طاقت ور ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی مذہب خدا کی ذات وصفات کا علم جبلت والدینی کے ذریعہ ہم پر ظاہر کرے تو ہم کو اس جبلت کے ذریعہ خدا کی ذات وصفات کا علم زیادہ حاصل ہو سکتا ہے۔" (ص۵۶)

مجیب | معلوم نہیں پادری صاحب اسلام کی مخالفت میں کیوں ایسی روش اختیار کئے ہوئے ہیں جس کو کوئی عقل مند پسند نہ کرے۔ ہمارا گمان ترقی کر رہا ہے مگر ہماری دلی خواہش ہے کہ آپ جیسے ذی علم مصنف کے حق میں یہ گمان غلط ہو کہ آپ اپنے تجویز کردہ عنوانات کو خود نہیں سمجھتے۔ ایک مثال کے ذریعہ ہم اس کی تشریح کرتے ہیں۔ غور سے سنئے۔

مثال | ایک شخص (زید) کسی جگہ بیٹھا ہے۔ اس کے سامنے اس کا باپ ہے۔ اس کے ساتھ ہی دائیں طرف اس کی ماں اور بہن ہیں اور بائیں طرف اس کا خسر، ساس اور سالی ہیں۔ پیچھے کی طرف اس کا بیٹا ہے جس کے ساتھ اس کا ایک دوست اور ایک دشمن ہے۔ زید جو درمیان میں بیٹھا ہے۔ اس کی حیثیتیں اور تعلقات مختلف ہیں۔ باپ کے ساتھ اس کا جو قدرتی تعلق ہے (جس کو پادری صاحب جبلت کہتے ہیں) وہ بیٹے کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ہے۔ یعنی زید اپنے باپ کے لئے مطیع اور اپنے بیٹے کے لئے مطاع ہے۔ اسی طرح زید کے ساتھ ماں کا تعلق ساس کے تعلق سے مغائر ہے اور بیوی کا تعلق بہن کے تعلق سے مغائر ہے۔ ان سب تعلقات کے احکام الگ الگ ہیں۔ لیکن پادری صاحب اسلام پر نہیں بلکہ اپنے علم پر بھی ظلم کرتے ہیں کہ والدینی جبلت میں تصور الٰہی کو داخل کرتے ہیں حالانکہ خالق و مخلوق کا تعلق انسان کے باہمی تعلقات سے بالکل الگ ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ ہمارے مشاہدہ میں بہت سے لوگ ہیں جو خدا سے منکر ہیں مگر ماں باپ کی عزت کرتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ والدین کے تو فرماں بردار ہیں مگر بچوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض بچوں پر جان فدا کرتے ہیں مگر والدین کے سخت نافرمان ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ اپنی عیش پسندی کی وجہ سے والدین کے بھی نافرمان ہوتے ہیں اور اپنے بچوں سے بھی

Marfat.com

بے پیدا۔ الغرض یہ سب تعلقات الگ الگ ہیں۔ اس لیئے ان کے ثمرات بھی جداگانہ ہیں۔ اہل علم کے نزدیک اس کی مزید تفصیل کی ضرورت نہیں ورنہ ہم بہت کچھ دکھلاتے پس آپ کا جبلت والدین میں تصورِ الہٰی کو داخل کرنا علم کی شان سے بعید ہے۔

چونکہ پادری صاحب تصوّرِ الہٰی کو جبلت والدین میں داخل کر چکے ہیں اس لئے اس کا جواب دینا ہمارے خیال میں مناسب ہے۔ گو ضروری نہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔

والدینی جبلّت اور مسیحی اور اسلامی تصورِ خدا مسیحیت کے دین فطرت ہونے کا یہ بیّن ثبوت ہے کہ ہم خدا کی ذات کا علم اس طور پر حاصل کر سکتے ہیں۔ مسیحیت کی یہ تعلیم ہے کہ خدا بنی نوع انسان کا باپ ہے۔ پس ہر انسان اپنی والدینی جبلّت کے ذریعہ خدا کی ذات کا تصوّر قائم کر سکتا ہے اور اپنے تجربہ کی بنا پر خدا کی محبت اور اس کے ایثار کا اندازہ کر سکتا ہے۔ (ص۱۳)

مجیب خدا کو اب یا ربّ کہنے کی بحث کتاب ہذا میں ص۲۷ سے ص۲۹ تک ہو چکی ہے جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ خدا کو اب کہنا کسی طرح صحیح نہیں۔ مزید تشریح کے لئے پادری صاحب کو ان کی کتاب دین فطرت کے ص۵۴ پر توجہ دلائی جاتی ہے جہاں انہوں نے اپنی کتاب مقدس پیدائش کی عبارت ادھوری نقل کی ہے اور ہم نے کتاب ہذا میں ص پر پوری نقل کر کے تصویر کا دوسرا رخ دکھایا ہے۔ اصل عبارت نقل کرنے سے پہلے ہم واقعات کی شہادت پیش کرتے ہیں کہ انسان کی اولاد کی اکثریت ماں باپ کی قدر ناشناس ہے۔ کتاب مقدس تورات کا بیان بصورت پیش گوئی اسی کی تائید کرتا ہے جو یہ ہے کہ۔

مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا (پیدائش باب ۲: ۲۴)

عارف باللہ امیر خسرو دہلوی نے انسانی اولاد کا نقشہ کیا اچھا بنایا ہے کہ ؎

دختراں را ہمہ جنگ است و جدل با مادر

پسراں را ہمہ بدخواہ پدر مے بینم

Marfat.com

بس اس مشاہدے اور کتاب مقدس کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کو باپ ماننے سے باہمی اتصال حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے مسیحی تعلیم فطرت کے خلاف ہے اور پادری صاحب کا تصوّرِ خدا کو والدینی جبلت میں داخل کرنا تو بہت ہی غلط ہے۔ آگے چل کر آپ نے مسیحی مذہب کے مقابلہ میں اسلام کا ذکر یوں کیا ہے کہ۔

اسلام میں اس قسم کا تصور نہیں پایا جاتا۔ قرآن کے مطابق خدا کی ذات محبت نہیں اس کے برعکس اللہ بے نیاز ہے (سورۂ اخلاص ۲، بقرہ ۲۷، آل عمران ۹۲، نساء ۱۳۰، یونس ۶۹، حج ۲۶۵ وغیرہ) پس اللہ اور انسان میں رفاقت ناممکن ہے۔" (ص۵۰)

مجیب خدا کی بے نیازی کا ذکر اور اس اعتراض کا جواب کتاب ہذا میں ص۹۲ پر درج ہوچکا ہے۔

ہمیں حیرت ہے کہ پادری صاحب کا خیال کہاں تک ترقی کر گیا ہے آپ لکھتے ہیں کہ

خدا بنی نوع انسان کے ساتھ ابدی اور اٹل محبت رکھتا ہے لہٰذا اپنی پدرانہ محبت اور پیار کی وجہ سے خدا انسان کی خاطر ہر قسم کا دکھ اور رنج برداشت کرتا ہے۔ والدین کی محبت کا ظہور اسی میں ہے (ص۵۹)

مجیب ص۵۰ کے اقتباس میں آپ نے یہ نتیجہ استخراج کیا تھا کہ

"لازم ہے کہ دینِ فطرت بچوں کو ان کی ذمہ داریوں کے متعلق آگاہ کرے"۔

اس کا جواب ہوچکا۔ اس اقتباس میں آپ خدا کی ذمہ داری اور اس وجہ سے اس کے دکھ اٹھانے کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن آپ اس عقیدہ کی مضرّت کا خیال نہیں کرتے کہ یہ عقیدہ بنی نوع انسان کو گمراہی میں کہاں تک ترقی دے سکتا ہے۔ اس لئے ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ اسلام نے خالق اور مخلوق کے درمیان کسی ایسی نسبت یا تعلق کو پسند نہیں کیا جو انسانوں کی گمراہی کا سبب ہوسکے۔

ناظرین! پادری صاحب نے چونکہ دعوٰے کیا ہے کہ خدا انسان کے لئے دکھ اٹھاتا ہے اس لئے اس کی تشریح آپ نے مندرجہ ذیل فقرے میں یوں کی ہے جو پہلے سے عجیب ہے آپ فرماتے ہیں:۔

Marfat.com

"خدا کی پدرانہ شفقت اس امر کی متقاضی ہوئی کہ جب ہم کمزور تھے تو عین وقت پر مسیح بے دینوں کی خاطر موا۔" (ص۹)

مجیب جل جلالہٗ! یہ بیان دراصل مسئلہ کفارہ ہے جس کا جواب ہم کتاب ہذا کے ص۱۲۶ سے ص۱۴۷ تک دے چکے ہیں۔ اسی طرح آپ کا مندرجہ ذیل فقرہ بھی اہل انصاف کی توجہ کے قابل ہے جو آپ لکھتے ہیں کہ:۔

"قرآنی تعلیم کے مطابق خدا کی ذات میں محبت اور ایثار نہیں۔ پس صرف مسیحیت کی تعلیم ہی فطرت کے مطابق ہے (ص۹)

اللہ اللہ! کس قدر حق سے دشمنی ہے کہ قرآنی تعلیم کے مقابلہ میں دو دونے چار کا بھی انکار ہو رہا ہے۔ خدا کی محبت کا ذکر ہم کتاب ہذا کے ص۱۳۱ پر بالتفصیل کر چکے ہیں یہاں پھر ایک آیت پیش کرتے ہیں ارشاد ہے:۔ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (پ۲-ع۱) (خدا لوگوں کے حال پر بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے)

کیا ہی سچ ہے ؎

تو کریمی تو رحیمی تو سمیعی تو بصیری
تو معزی تو مذلی ملک العرش بجائی

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں:۔

"ابوّت والدینی اور مسیحی اور اسلامی اخوت انسانی | کلمۃ اللہ نے ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ چونکہ خدا ہمارا باپ ہے لہٰذا کل بنی نوع انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اخوت انسانی ابوت خداوندی کا لازمی اور منطقیانہ نتیجہ ہے آپ نے فرمایا "میرا حکم یہ ہے کہ جیسا میں نے تم سے محبت رکھی تھی تم بھی ایک دوسرے سے محبت رکھو" (یوحنا ۱۵/۱۲۔ یوحنا ۱۳/۳۴، ۱۱/۲ وغیرہ) جیسا تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں۔ تم بھی ان کے ساتھ ویسا ہی کرو۔ اگر تم اپنے محبت کرنے والوں ہی سے محبت رکھو تو تمہارا کیا احسان ہے؟ اور اگر تم صرف ان ہی کا بھلا کرو جو تمہارا بھلا کریں تو تمہارا کیا احسان ہے۔ تم اپنے دشمنوں سے محبت رکھو۔ اور ان کا بھلا کرو تو تم خدا تعالےٰ کے بیٹے ٹھہرو گے" (لوقا ۶/۳۱) کلمۃ اللہ کے اصول ابوت الٰہی

Marfat.com

اور اخوت و مساوات انسانی مسیحیت کو تمام ادیانِ عالم سے ممتاز کر دیتے ہیں اور حقیقی معنوں میں اس کو عالمگیر مذہب اور دینِ فطرت بنا دیتے ہیں۔ نوعِ انسانی کے متعلق آپ (مسیح) کا نصب العین ایک خاندان کا نصب العین ہے جس میں کل اقوامِ عالم کے تمام افراد ایک ہی خاندان سے متعلق کئے گئے ہیں۔ پس کلمۃ اللہ نے والدینی جبلت کے ذریعہ خدا کی محبت اور ابوت اور انسانی اخوت و مساوات کے اصول کی حقیقت ہم پر منکشف کر دی ہے۔ اسلام میں اخوتِ انسانی کا اصول ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ قرآن میں ایک جگہ یہ وارد ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی ہیں (حجرات آیت ۱۰) اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اہلِ اسلام کے ساتھ برادرانہ سلوک کریں لیکن ان پر یہ فرض نہیں کہ وہ کسی غیر مسلم سے محبت رکھیں کیونکہ غیر مسلموں سے محبت کرنا قرآن میں کہیں نہیں پایا جاتا۔ ان کے برعکس ان کے ساتھ دشمنی رکھنے اور لڑنے کے احکام قرآن میں بکثرت موجود ہیں (مائدہ آیت ۵٦ و ٦۲، ممتحنہ آیت ۹ وغیرہ وغیرہ) اہلِ اسلام کو حکم ہے کہ "یہودی شرع کی طرح اپنے محبت رکھنے والوں ہی سے محبت رکھو اور اپنے دشمن سے عداوت رکھو۔" یہاں تک کہ اسلام نے دنیا کو دو حصوں میں منقسم کر دیا ہے۔ ایک دارالاسلام اور دوسرا دارالحرب اور مسلمانوں پر فرض کر دیا گیا ہے کہ غیر مسلموں کو قتل کریں خواہ یہ بات مسلمانوں کو بری لگے۔" (بقرہ آیت ۲۱۴) (صفحہ ۹۱ تا صفحہ ۹۲)

اس مضمون کا جواب ہم کتاب ہذا میں صفحہ ۲۲ تا ۲۵ پر دے آئے ہیں۔ وہیں آپ کے مندرجہ ذیل فقرے کا جواب بھی مذکور ہے کہ :۔

"اسلام میں اخوتِ انسانی کا اصول ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔"

ہاں آپ کا یہ فقرہ واقعی قابلِ غور ہے :۔

"کلمۃ اللہ کا نصب العین ایک خاندان کا نصب العین ہے جس میں کل اقوامِ عالم کے تمام افراد ایک ہی خاندان سے متعلق کئے گئے ہیں۔" (صفحہ ۹۳)

Marfat.com

مجیب ہمیں تعجب ہے کہ پادری صاحب قرآن مجید پر اعتراض کرتے ہوئے قرآن سے بے خبر رہنے کے ساتھ انجیل سے بھی کیوں بے خبری کا ثبوت دیتے ہیں۔ سنئے! انسانی برادری اور اخوتِ انسانی کی مفصل بحث ہم صفحہ ۳۴ پر کر آئے ہیں یہاں اس کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں مسیحی تعلیم متعلقہ اخوت انسانی کا نمونہ دکھلاتے ہیں۔

کلمۃ اللہ اپنے مخالفین کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ

"اے سانپوں کے بچو! تم برے ہو کے کیونکر اچھی بات کہہ سکتے ہو۔ (متی ۱۲ : ۳۴)

اور سنئے! ایک کنعانی عورت کی درخواست دعا پر مسیح نے فرمایا کہ

مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں[1] کو پھینک دیں"۔ (متی ۱۵ : ۲٦)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ بقول پادری صاحب مسیحی مذہب میں تثلیث کی طرح انسانی برادری کے بھی تین اقنوم (اصناف) ہیں۔ ایک آدم زاد، دوسرے سانپوں کے بچے اور تیسرے کتوں کے بچے۔ پس بقول پادری صاحب یہ تینوں اصناف انسانی برادری میں داخل ہیں۔ معاف فرمایئے قرآن مجید ان تینوں گروہوں کو انسانی برادری میں شمار نہیں کرتا بلکہ وہ انسانی برادری کے متعلق یوں ارشاد فرماتا ہے۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی (قرآن)

(اے لوگو! تم سب ایک ہی ماں باپ آدم اور حوا کی اولاد ہو)

لیس لعربی علی عجمی فضل کلکم بنو آدم و آدم من التراب (الحدیث)

(عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں تم سب انسان آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوا تھا۔

آگے چل کر صفحہ ۹۳ پر پادری صاحب نے جہاد سے متعلق چند احادیث پر اعتراض کیا ہے۔ مسئلہ جہاد کی تفصیلی بحث کتاب ہذا میں صفحہ ۳۵ اور صفحہ ۹۵ پر گذر چکی ہے۔

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں:

جبلت والدینی اور مسیحی اور اسلامی فضائل | والدینی جبلت کے ساتھ وہ تمام لطیف جذبات وابستہ ہیں جن پر مسیحی تعلیم زور دیتی ہے۔ چنانچہ کلمۃ اللہ کی تعلیم میں دل کی

---

[1] غیر بنی اسرائیل کو۔ ۱۲ منہ

غریبی۔ حلم، رحم، صبر، صلح، پاکیزگی، محبت، ایثارِ نفسی، خود فراموشی وغیرہ کو افضل جگہ دی گئی ہے اور یہ نسوانی فضائل شمار کی جاتی ہیں لیکن اس کے برعکس اسلام نے ہمیشہ مردانگی۔ شجاعت۔ جنگ۔ جہاد۔ حکومت، سیاست، غنیمت، قصاص وغیرہ پر زور دیا ہے جو مردانہ فضائل ہیں۔ والدینی جبلّت کا تعلق نسوانی فضائل، نازک جذبات اور لطیف خیالات کے ساتھ ہے۔ لیکن مردانہ فضائل نازک اور لطیف جذبات کو ٹھکراتی ہیں۔ پس اس پہلو سے بھی اسلام کی نسبت مسیحیت کا تعلق والدینی جبلّت اور انسانی فطرت کے ساتھ زیادہ قریب ہے۔" (صفحہ ۹۴)

مجیب معلوم نہیں پادری صاحب جبلّت والدینی کو کہاں تک کھینچ کر اپنی کتاب کو طول دیتے جائیں گے۔ ان سب باتوں کے جوابات اگرچہ اس سے پہلے بھی ہو چکے ہیں۔ تاہم یہاں بھی کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں قرآن کریم ایک حکیمانہ کتاب ہے اور ہر چیز اور ہر کام میں اعتدال رکھنا حکمت کا اصول ہے اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (ہر ایک کام میں اعتدال رکھا کرو کیونکہ اعتدال ہی تقوے کے درجے تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ ہے)

دنیا میں کوئی قوم حاکم ہوتی ہے اور کوئی رعایا۔ اس کے علاوہ مختلف قوموں کی ایک دوسرے سے لڑائی بھی ہو جاتی ہے اس لئے جہاد کا حکم دے کر اس کا بوجھ مردوں کے کندھوں پر ڈالا گیا جو اس کو برداشت کر سکیں۔ باوجود اس کے رحم، معافی، صبر وغیرہ سب اوصاف کو ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

(۱) وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (پ ۴۔ ع ۴)

(۲) وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (پ ۲۵۔ ع ۵)

(۳) وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (پ ۵۔ ع ۱۶)

(۴) يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (پ ۲۸۔ ع ۴)

(۵) وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ

Marfat.com

لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ط (پ ۵ ۔ ع ۳)

(۱) مومن وہ ہیں جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں ۔ اللہ نیکو کار بندوں کو دوست رکھتا ہے ۔

(۲) جو صبر کرے اور بخش دے تو بے شک یہ بات پختہ ہے ۔

(۳) صلح سب سے اچھی چیز ہے ۔

(۴) ایمان دار لوگ اپنی حاجت کے باوجود دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں ۔

(۵) اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قربت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور آس پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور پہلو میں بیٹھنے والے رفیق اور مسافر اور لونڈی غلام کے ساتھ نیکی کرتے رہو) بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے اور شیخی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا ۔

ان آیات کے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جن میں نہایت خوبی سے اخلاق فاضلہ کی تعلیم دی گئی ہے جو کسی سے مخفی نہیں ۔ اس کے باوجود پادری صاحب اگر قرآن پر اعتراض کریں تو کہا جائے گا ۔ ع

گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

آگے چل کر پادری صاحب نے ایک عنوان بالفاظ "جبلت والدینی اور غصہ" قائم کیا ہے ۔ اس عنوان کے ماتحت آپ نے کوئی بات قابلِ اعتراض نہیں کہی تاہم اس کے متعلق ہم ناظرین کو آیت (وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ) کی طرف توجہ دلاتے ہیں ۔

آگے چل کر آپ نے ذیلی عنوان یوں رکھا ہے "جبلت والدینی اور ایثار نفسی" اس عنوان کے ماتحت بھی آپ نے کوئی نئی بات نہیں بتائی ۔ صرف حیوانوں ، بچوں اور بے کسوں وغیرہ پر رحم کرنا جبلت والدینی پر متفرع قرار دیا ہے اس کا جواب کتاب ہذا کے صد ۳۲ تا ۳۶ پر ہو چکا ہے ۔ اس کے علاوہ صد ۲۰۹ ملاحظہ ہو ۔

آگے چل کر ایک سرخی یوں لکھتے ہیں "مسیحی اور اسلامی ایثار" ۔ اس سرخی کے نیچے آپ نے پھر وہی باتیں دہرائی ہیں ۔ جن کا جواب پہلے کئی دفعہ ہو چکا ہے ۔ اس عنوان کے

Marfat.com

ماتحت جو کچھ آپ نے کہا ہے وہ آپ ہی کے الفاظ میں درج ہے:-

دینِ فطرت کا کام یہ ہے کہ والدینی جبلّت کے میدانِ عمل کو وسیع کر دے اور اس باب میں مسیحیت کو کل ادیانِ عالم پر فوقیت حاصل ہے۔ بچوں، بے کسوں، مظلوموں، محتاجوں بے یار و مددگار لوگوں کی خاطر اپنی خودی اور انانیت کو دبانا اور ان کی خاطر ہر طرح کی ایثارِ نفسی کو کام میں لانا مسیحیت کا جزوِ اعظم ہے (مرقس ۹ ؍ ۳۵)

ایک دفعہ ایک دولت مند شخص کلمۃ اللہ کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ اے استاد میں کونسی نیکی کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال و اسباب بیچ کر غریبوں کو دے تجھ کو آسمان پر خزانہ ملیگا (متی ۱۹ ؍ ۲۱، ۹۶ ؍ ۹۷)

مجیب | اس اقتباس کے پہلے حصے کا جواب ہماری پیش کردہ آیات میں کافی ملتا ہے۔ ان کے علاوہ ایک اور آیت پیش کرتے ہیں جن کے الفاظ بہت وسیع المعنی ہیں۔ ارشاد ہے:-

وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (پ ۲۸ ع) (جو لوگ اپنے نفس کی شُح یعنی بغض، حسد وغیرہ نفسانی اوصاف سے بچ جائیں وہی لوگ نجات پانے والے ہوں گے) مالدار کے قصے کا جواب ص ۵۲ پر ہو چکا ہے۔ آگے چل کر آپ نے ایک عجیب بات کہی ہے چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

جبلت والدینی کے میدان عمل کی وسعت کے مسئلہ پر غور کرتے وقت یہ لازم ہے کہ اس بات کی جانچ پڑتال کی جائے کہ خیرات کا صحیح مصرف کیا ہے؟ اور کون اس کے مستحق ہیں۔ قرآن اس معاملہ میں ایک نرالی تجویز پیش کرتا ہے کہ زکوٰۃ کا مال ان لوگوں کے لئے ہے جن کے دل لالچ دے کر اسلام کی جانب راغب کرنے منظور ہیں (سورہ توبہ آیت ۶۰) اور خیرات کا مال جہاد کے اخراجات کو برداشت کرنے کے لئے ہے کیا لالچ دے کر مسلمان بنانا اور دشمنوں پر جہاد کرنے کے لئے خرچ کرنا خیرات کو صرف کرنے کا اچھا طریقہ ہے؟ ہر صحیح العقل شخص اس کا جواب نفی میں دے گا۔ اس کے برعکس انجیل میں وارد ہوا ہے "اگر تیرا دشمن بھوکا ہو تو اسے روٹی کھانے کو دے پیاسا ہے تو اسے پانی پینے کو دے" (روم ۱۲ ؍ ۲۰) قرآن کہتا ہے کہ خیرات کے مال سے دشمنوں کا

Marfat.com

قلع قمع کر دے۔ انجیل کہتی ہے کہ خیرات کے مال سے بھوکے پیاسے دشمن جان تک کا پیٹ پال۔ ناظرین خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کونسا مذہب جذبات والدین کے میدانِ عمل کو وسعت دیتا ہے۔" (صـ۹۹)

مجیب اگر ہم نے قرآن مجید کی روشنی میں فطرت انسانی کا مطالعہ نہ کیا ہوتا تو ہمیں پادری صاحب کے ایسے اعتراضات پر بہت تعجب ہوتا لیکن اب یہ نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید نے ہمیں بتایا ہوا ہے کہ ضد اور دشمنی انسان سے بہت سی غلط کاریاں کرا دیتی ہے سنئے! جہاد کا فعل چونکہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور دنیا کا انتظام بھی اسی پر موقوف ہے اس لئے اس فعل کے اچھا ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس کی تفصیل صـ۱۰۱ تا ۱۰۶ پر درج ہو چکی ہے۔ جہاد کرنے والے بعض دفعہ مالی حیثیت سے کمزور ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کو خیرات و زکوٰۃ کے مال سے سامان جنگ بہم پہنچانا یا ان کی ضروریات میں مدد دینا بلا شبہ نیکی کا کام ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ یتیم کی تعلیم و تربیت کرنا یقیناً نیک کام ہے اسی لئے اس کی تعلیم و تربیت میں جن چیزوں کی ضرورت ہو۔ مثلاً سامان از قسم خوراک و پوشاک وغیرہ مہیا کرنا نیکی میں داخل ہے یہ جواب ہم نے علی وجہ التسلیم دیا ہے۔ ورنہ قرآن شریف میں مصارف زکوٰۃ کے بیان میں خاص جہاد کا ذکر نہیں ہے بلکہ عام حکم ہے کہ فی سبیل اللہ (ہر ایک نیک کام میں) زکوٰۃ کا مال خرچ کرو۔ جہاد بھی ایک نیک کام ہے اس لئے اس میں بھی خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ ساری آیت یوں ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (پ۱۰۔ ع۱۴)

سوائے اس کے نہیں کہ صدقات محتاجوں کا حق ہے اور مسکینوں کا اور صدقات وصول کرنے والوں کا اور ان کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے۔ نیز غلام آزاد کرنے میں اور قرضداروں کے لئے اور راہ خدا میں اور مسافروں کی امداد میں (خرچ کئے جائیں)

اس آیت کا میدان کتنا وسیع ہے کوئی لفظ اس میں ایسا نہیں ہے جو مساکین اور غرباء

Marfat.com

میں کفر و اسلام کی تمیز کرتا ہو مطلب یہ ہے کہ جو بھی مسکین اور غریب ہو اس کو زکوٰۃ میں سے حصہ دے سکتے ہو۔ ہاں آپ نے مؤلفۃ القلوب کے معنی سمجھنے میں ٹھوکر کھائی ہے حالانکہ آپ کا تبلیغی مشن اسی روش پر چل رہا ہے۔ ہر شہر اور ہر قریہ میں عیسائی مشن میں یہ طریقہ جاری ہے کہ زیر تبلیغ غرباء کی امداد کی جاتی ہے۔ ہم اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ مؤلفۃ القلوب کے معنی ہیں زیر تبلیغ لوگ یعنی جن کو مذہب کی خوبیاں بتائی جائیں اور وہ ان خوبیوں کو تسلیم کر کے اپنی ضروریات کو قبولیت مذہب میں مانع کے طور پر پیش کریں ان کی مالی امداد کرنا ہر ایک مذہب بلکہ عام انسانیت کا بھی تقاضا ہے۔

ایک صحیح واقعہ ایک روز میں اور مولانا ابراہیم سیالکوٹی حاجی نور احمد صاحب سوداگر دہلی باڑہ ہندو راؤ کے مکان میں بطور مہمان ٹھیرے ہوئے تھے کہ اسی اثنا میں ایک پادری صاحب آ گئے جو اسلام کو ترک کر چکے تھے۔ ان سے گفتگو ہوئی۔ جب ان کے بشرہ پر قبولیت اسلام کے آثار نظر آنے لگے تو ہم نے پوچھا کہ اب مانع کیا ہے اس کے جواب میں انہوں نے اپنی ضروریات پیش کیں۔ ہم نے کہا انشاء اللہ پوری ہو جائیں گی۔ اس پر کہنے لگے کہ مجھے اتنی بات سے تسلی نہیں ہو سکتی بلکہ میرے نام پر کسی معقول کرایہ والے مکان کے کرایہ کی رجسٹری کرائی جائے۔ یہ بالکل سچا واقعہ ہے وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا اطنا بیٹے۔ ایسے اصحاب کی امداد کس طرح ناجائز ہو سکتی ہے۔

قرآن مجید نے زکوٰۃ کے مال میں ایسے ہی مؤلفۃ القلوب کا حصہ رکھا ہے۔ اور قرآن کلیہ حکم حسن انتظام پر مبنی ہے جو کسی طرح محل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ قرآن مجید دشمنوں کو بھی کھانا کھلانے کا حکم دیتا ہے۔ آیت ذیل غور سے پڑھیے۔

يُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (پ ۲۹ - ع ۱۹)

(مؤمن وہ ہیں جو اللہ کی محبت سے ہر قسم کے مسکینوں یتیموں بلکہ قیدیوں کو بھی کھانا کھلاتے ہیں چاہے وہ بدکار اور بدمعاش ہوں)

اس سے زیادہ ہم اور کیا بتائیں ؎ در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

Marfat.com

آگے چل کر پادری صاحب نے یہ عجیب بات لکھی ہے کہ:۔

یتیموں، بے کسوں، وغیرہ کے متعلق جو حرکات مسیحی مذہب میں ہیں وہ اسلام میں نہیں ہیں کیونکہ اسلام تقدیر کا قائل ہے (صفحہ ۱۰۱)

مسئلہ تقدیر بجائے خود صحیح ہے اور یہ علم الٰہی کا دوسرا نام ہے قرآن اور اسلام کے نزدیک یہ مسئلہ احسان اور مروت سے مانع نہیں ہے۔ تاہم پادری صاحب بقول "تو مان نہ مان میں تیرا مہمان" قرآن اور مومنین قرآن کو الٹی تلقین کرتے ہیں کہ تم اس کو مانع خیرات سمجھو۔ ہم پادری صاحب کی یہ تلقین کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے۔ اس لئے ریٹرن وِد تھینکس کہہ کر شکریہ کے ساتھ واپس کرتے ہیں۔ اس بحث کے اخیر میں بطور نتیجہ آپ لکھتے ہیں:۔

اس فصل میں جبلت والدینی کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی ہے اور جس پہلو سے اسلام پر نگاہ کی ہے وہ دینِ فطرت نظر نہیں آتا (صفحہ ۱۰۲)

مجیب: بے شک! آپ کے اس بیان کی تصدیق قرآن مجید میں آچکی ہے۔ غور سے سنیئے اور تدبر سے پڑھئے۔ ارشاد ہے:۔

اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا (پ ۱۵ - ع) (اے پیغمبر جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم تمہاری قرأت اور منکرین کے درمیان ایک مخفی پردہ ڈال دیتے ہیں)

غالب مرحوم نے سچ کہا ہے ؎

کی وفا ہم نے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں

اس سے آگے پادری صاحب نے صفحہ ۱۰۳ پر فصل پنجم کا عنوان دے کر "جنگ جوئی کی جبلت" کی ضمنی سرخی لکھی ہے۔ اس کے نیچے آپ نے بہت طویل تمہید پر وقت خرچ کیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ بانئے فطرت کے تصرف سے آپ کے قلم سے یہ فقرہ بھی نکل گیا ہے کہ

"اگر غصے کا مقصد نیک ہوگا تو غصہ جائز ہوگا۔ اگر اس کا مقصد منشائے الٰہی کے خلاف ہوگا تو غصہ ناجائز اور ممنوع ہوگا اور مسیحیت جائز غصے کے خلاف نہیں (صفحہ ۱۰۷)

اس تمہید کے بعد آپ نے اصل مطلب پر آنے کو ایک سرخی یوں لکھی ہے:۔
غصے کی جبلت اور قصاص :۔ اس سرخی کے نیچے آپ لکھتے ہیں :۔

"اس قسم کے غصہ میں اور انتقام کے غصہ میں بعد المشرقین ہے۔ انجیل جلیل میں بدلہ قصاص اور انتقام کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ کلمۃ اللہ نے فرمایا۔ تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے" (متی ۵ باب) اگر تم آدمیوں کے قصور معاف کرو گے تو تمہارا آسمانی باپ بھی تم کو معاف کرے گا اور اگر تم آدمیوں کا قصور معاف نہ کرو گے تو تمہارا باپ بھی تمہارے گناہ معاف نہ کرے گا۔" (صفحہ ۱۰۹)

مجیب قصاص کا ذکر کتاب ہذا کے صفحہ پر آچکا ہے۔ قصاص کے معنی ہیں کسی قاتل و فعل قتل یا ارادہ قتل کی سزا دینا۔ یہ سزا تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۰۲ اور دفعہ ۳۰۷ کے ماتحت آتی ہے۔ حیرانی ہے کہ پادری صاحب قرآن مجید کے ایسے حکم پر بھی اعتراض کرتے ہیں جو آج کل دنیا کے ممالک متمدنہ میں مسلم بلکہ جاری ہے۔ اس کے برخلاف قاتل اور ضارب کے حق میں انجیل کا حکم پیش کرتے ہیں۔ جس پر فی زمانہ کوئی حکومت کوئی قوم بلکہ کوئی شخص عمل نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود پادری صاحب دین مسیحی کو عالمگیر کہتے ہیں۔ چہ خوش! حالانکہ دنیا میں عمل درآمد اس کے خلاف ہے۔ پھر بھی مسیحیت کی عالمگیری کا دعوے ہے
اس کے بعد آپ نے لکھا ہے کہ :۔

"مسیح نے اپنی زندگی اور نمونہ سے دشمنوں کو معاف کرنے کا سبق سکھایا حتیٰ کہ جب آپ کے خون کے پیاسے آپ کو مصلوب کر رہے تھے آپ نے ان کو اس جان کنی کی حالت میں بھی دعاء خیر دی اور کہا کہ اے باپ ان کو معاف کر کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہیں (صفحہ ۱۰۹)

مجیب پادری صاحب واقعات محمدیہ اور واقعات مسیحیہ کو سامنے رکھ کر انصاف کیجئے۔ مسیح کو دشمنوں نے ستایا اور آپ نے ان کو ایسے وقت میں معاف کیا جب کہ آپ بدلہ

Marfat.com

نہیں لے سکتے تھے۔ مگر رسولِ عربی نے اپنے ظالم دشمنوں کو فتح مکہ کے روز ایسی حالت میں معاف کیا جب کہ آپ ابروئے چشم کے ایک اشارہ سے سب کا قتل عام کرا سکتے تھے اس موقع پر آپ کے فرمودہ الفاظ بھی قابل شنید ہیں آپ نے فرمایا:۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ۔

(جاؤ تم پر کوئی خفگی نہیں خدا تم سب کو معاف کرے)

پادری صاحب ذرا انصاف سے اس فارسی شعر کے معنی بتلایئے ؎

تواضع ز گردن فرازاں نکوست گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

اللہ اکبر! کیسا حکم ہے اور کیسی برداشت ہے کہ دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ پادری صاحب کا یہ فقرہ بھی بہت ہی قابل غور ہے کہ:۔

فطرت کا یہ تقاضا ہے کہ جوں جوں انسان اور اقوام ترقی کی طرف گامزن ہوتے جاتے ہیں ان میں ضبط کی قوت بڑھتی اور قصاص کا مادہ زائل ہوتا جاتا ہے۔ (ص ۱۱۲)

مجیب | کیا پادری صاحب واقعات زمانہ سے اس امر کی شہادت دے سکتے ہیں کہ اقوام دنیا میں ضبط اور برداشت کی قوت بڑھ گئی ہے۔ جنگ یورپ و ایشیا وغیرہ کو ملحوظ رکھ کر جواب دیجئے گا۔ قصاص تو ایک قانونی مسئلہ ہے جو حکومت سے تعلق رکھتا ہے اور ہم بتا چکے ہیں کہ اسی پر دنیا کا امن و امان موقوف ہے۔ ورنہ جاہلوں کے ہاتھوں سے یسوع مسیح کی طرح کوئی پادری بچ سکتا نہ مولوی اور نہ پنڈت نہ راہب۔ آپ نے جوش تعصب میں انفرادی اور سیاسی احکام میں فرق نہیں کیا۔ قصاص ایک سیاسی حکم ہے۔ جس میں حکومت کا ہاتھ ہوتا ہے۔ کسی قانون دان سے پوچھ لیجئے کہ قتل بلکہ حملۂ قاتلانہ کے مقدمہ میں بھی سرکار مستغیث ہوتی ہے۔ اس میں معافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پادری صاحب! | اگر آپ کسی مقام کے تھانیدار ہوں تو آپ واقعہ قتل کی تفتیش کر کے ملزم کا چالان کریں گے۔ یا انجیل کی تعلیم کے ماتحت اس ظالمانہ کیس کو خورد برد کر دینگے (خدا کرے ہم آپ کو تھانیدار دیکھیں)

Marfat.com

مسئلہ ضبط وصبر کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے جہاں تک کسی کی ذات خاص کا تعلق ہے وہ بے شک صحیح ہے۔ ہاں آپ نے جو زبانی دعوے کیا ہے قرآن مجید ایماندار لوگوں کے حق میں اس سے زیادہ کہتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے

وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ (پ۲۵-ع۴) (کامل الایمان دار اور مہذب لوگ وہ ہیں کہ جب ان کو غصہ آئے تو غصہ دلانے والے شخص کو معاف کر دیتے ہیں)

افسوس ہے کہ آپ کو یہ آیت نہ ملی۔ ہم یہ بات اگر آپ کے نوٹس میں لاتے ہیں کہ شخصی اور جماعتی حقوق میں فرق ملحوظ رکھنے کو شیخ سعدی کی یہ نصیحت یاد رکھیں۔ ؎

اگر یک سواری رہِ خویش گیر — اگر پائے بندی رضا پیش گیر

اخیر میں آپ کا یہ نتیجہ بھی سامنے رکھتا ہوں کہ

قصاص کی قرآنی تعلیم ثابت کرتی ہے کہ اسلام درحقیقت دینِ فطرت نہیں اور محبت کی انجیلی تعلیم ہی دراصل فطرت کے مطابق ہے (ص ۱۱۲/۱۱۳)

مجیب: ہم نے اپنے گذشتہ جوابات سے ثابت کر دیا ہے کہ قرآن مجید ہی دراصل بانیِ فطرت کا کلام ہے۔ جو حسبِ ضرورت معافی اور حسبِ موقع قصاص وانتقام کا حکم دیتا ہے تاکہ دنیا میں امن وامان قائم رہے اور بصورت معاف کرنے اور درگزر کرنے کی حالت میں شیخ سعدی جیسے تجربہ کار اخلاق نویس کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے۔

نکوئی با بداں کردن چناں است — کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

آگے چل کر آپ نے ص ۱۱۳ پر ایک سرخی یوں قائم کی ہے۔

"لڑاکا پن کی جبلت اور جہاد کی تعلیم"

اس کے ماتحت ص ۱۲۱ تک آپ نے بڑے مکروہ لفظوں میں اسلامی جہاد کا ذکر کیا ہے۔ ہم خدا لگتی کہنے سے نہیں رک سکتے کہ اسلام میں جہاد ہے اور یہی اس کی روح ہے۔ کیونکہ اسلام دنیا سے برائی کی بیخ کنی کرنے کے لئے دو طرح کی تعلیم دیتا ہے۔ اول وعظ و نصیحت سے دوم سیاست اور حکومت سے۔ اس دوسری چیز کا دارومدار جہاد پر ہے۔ آپ کو یقین نہ ہو تو یورپ کی تاریخ پڑھ لیجئے اور گذشتہ جنگِ عظیم اور آج کل سنہ ۱۹۴۰ء کی جنگِ اعظم

Marfat.com

انسانی فطرت میں یہ ایک طبعی میلان ہے کہ جس چیز کو نہیں جانتا اس کی نسبت استفسار کرتا ہے۔ یہ جبلت (استفسار کی عادت) عقلی قوت اور ذہنی مساعی کا سرچشمہ ہو جاتی ہے (ص ۱۲۵-۱۲۶)

یہ بات ہمیں بھی مسلم ہے۔ آگے چل کر آپ لکھتے ہیں:۔

اس جبلت (عادت استفسار) کو سائنس اور مذہب دونوں کی ایک اصل اور جزو لاینفک تصور کرنا چاہیئے۔ پس ظاہر ہے کہ جس مذہب میں عقل کو یہ جابرانہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم ہمارے معاملات میں دخل نہ دو۔ ایسا مذہب فطرت کے خلاف ہوتا ہے۔ (ص ۱۲۷)

اس پر بھی ہمارا صاد ہے۔ آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں۔

چونکہ مذہب کا تعلق عالم روحانیات سے ہے لہذا لازم ہے کہ ہم دینِ فطرت کے ذریعے خدا کی معرفت حاصل کر سکیں۔ پس دینِ فطرت کے اصول ایسے ہونے چاہئیں جن کو عقلِ سلیم نہ صرف قبول کر سکے بلکہ جبلتِ تجسس کو کام میں لا کر ان اصول کا اطلاق مختلف ممالک و اقوام کے مختلف حالات پر کر سکے" (ص ۱۲۸)

اس عبارت کی بھی ہم تصدیق کرتے ہیں۔ آگے چل کر آپ لکھتے ہیں:۔

(۴) کلمۃ اللہ مسیح نے دنیا سے اخلاق کو ایک تنگ و تاریک چاہ سے نکالا۔ جہاں اخلاقیات کے اصول زمان و مکان کی قیود میں جکڑے ہوئے تھے اور شریعت اور رسوم اور فقہ کے بھاری بوجھ تلے دب کر دم دے رہے تھے۔ ابن اللہ نے اپنے مسیحائی دم سے اس نیم مردہ میں روح پھونک دی اور ان کو اس قابل بنا دیا کہ عالمگیر ہو کر تمام دنیا پر تا ابد حکمرانی کریں (ص ۱۲۹)

اس سے آگے آپ نے جو خط لکھا ہے وہ قابلِ غور ہے کہ:۔

(۵) کلمۃ اللہ مسیح) نہ صرف خود جبلت تجسس و استفسار کو کام میں لاتے تھے بلکہ یہ آپ کی علین خواہش تھی کہ آپ کے حواریین اور سامعین بھی اس خدا داد جبلت کو کام میں لائیں (ص ۱۳۰)

عجیب | یہ فقرہ واقعات کے صریح خلاف ہے۔ پادری صاحب مسیحی مذہب کی تائید

Marfat.com

میں ایسے مشغول ہیں کہ ان کو اپنے گھر کے واقعات کی بھی خبر نہیں رہتی۔ سنئیے! ہم ایک صحیح واقعہ پیش کرتے ہیں۔ اپنے لفظوں میں نہیں بلکہ انجیل متی کے الفاظ ہیں۔

بعض فقیہوں اور فریسیوں نے کہا کہ اے استاد! ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس (مسیح) نے جواب دیا اور کہا کہ اس زمانے کے بدکار اور حرامکار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان انہیں دکھایا نہ جائے گا (انجیل متی باب ۱۲: ۳۹)

یہ صریح عبارت صاف بتا رہی ہے کہ یسوع مسیح نے خود یا انجیل نویسوں نے جبلت استفسار کی خوب مٹی پلید کی تاکہ اس کے بعد کوئی شریف آدمی سوال ہی نہ کر سکے۔ اگر کرے تو بد اور حرامکار ٹھیرے۔ استاد ذوق نے اپنے معشوق کا گلہ کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے۔

وہ کہیں کون ہے چنوں پہ ہماری مفتوں
میں کہوں میں تو کہیں ہیں کی چھری گردن پر

یہی کیفیت اس مسیحی جواب کی ہے جس میں جواب دینے سے انکار پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ساتھ ہی سائلین کو بدکاری کا ڈپلومہ بھی عطا کیا گیا ہے۔

پادری صاحب! آپ نے سکول یا کالج میں کبھی کسی استاذ مکرم سے اپنے حق میں ایسے الفاظ سنے ہیں۔ اچھا اگر کبھی سن پائیں تو ایسے استاد کے متعلق اخلاقی حیثیت سے کیا رائے قائم کریں گے اور کیا کہیں گے۔ یہی نا کہ ع تمہیں کہو یہ انداز گفتگو کیا ہے۔

یہ انجیلی جواب اپنے اندر جو تلخی رکھتا ہے وہ جامع مسجد دہلی کے کبابوں سے بھی زیادہ ہے۔ ناظرین! ایسا جواب دینے والے استاد کی نسبت یہ کہنا کہ اس میں استفساری جبلت کو کام میں لانے کی بڑی خواہش تھی۔ کہاں تک ٹھیک ہو سکتا ہے۔

پادری صاحب! میں آپ کے مندرجہ ذیل فقرات کو پڑھ کر بہت متحیر ہوا ہوں۔ آپ علم کلام کے قواعد کو اپنے کلام میں کیوں ملحوظ نہیں رکھتے۔ مثلاً:

منجی عالمین نے فرمایا کہ راہ حق اور زندگی میں ہوں (یوحنا ۱۴: ۶) ہمیشہ کی زندگی یہ ہے

Marfat.com

کہ وہ تجھ خدائے واحد و برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں اور جو کلام تو نے مجھے پہنچایا وہ میں نے ان کو پہنچا دیا اور انہوں نے قبول کر لیا اور سچ جان لیا (دینِ فطرت ص۱۳ بحوالہ یوحنا باب ۱۷)

مجیب فرمائیے۔ اس قسم کے فقرات کو جبلتِ استفسار سے کیا تعلق ہے؟ یا یونہی کتاب کے صفحات کی تعداد بڑھانا چاہتے ہیں۔ ہاں میں اس فقرے سے بہت خوش ہوں اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسیح کی تعلیم کا خلاصہ یہ تھا۔

لا الٰہ الا اللّٰہ عیسیٰ رسول اللّٰہ[1]

یہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ط

مذکورہ اقتباس سے بھی عجیب تر مندرجہ ذیل فقرات ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

"کتاب مقدس جبلتِ تجسس کے استعمال پر جا بجا زور دیتی ہے اور اس کے نیک نتائج سے ہم کو آگاہ کرتی ہے۔ مثلاً ہم خدا کے گھر میں داخل ہوں تو وہ اپنی راہیں ہم کو بتائیگا (یسعیاہ ۲/۲) جس طرح سمندر پانی سے بھرا ہے اسی طرح زمین خداوند کے عرفان سے معمور ہوگی۔" (۱۱/۹) خداوند فرماتا ہے جو فخر کرتا ہے اس پر فخر کرے کہ وہ سمجھتا اور مجھے جانتا ہے کہ میں ہی خداوند ہوں جو دنیا میں شفقت و عدل اور راستبازی کو عمل میں لاتا ہوں۔" (یرمیاہ ۹/۲۴) اہلِ دانش نورِ فلک کی مانند چمکیں گے اور وہ جن کی کوشش سے بہتیرے صادق ہو گئے ہیں۔ ستاروں کی مانند ابد الآباد تک روشن ہوں گے۔" (دانی ۱۲/۳) (ص۱۳۱)

مجیب بتائیے کہ ان فقرات میں بھی جبلتِ استفسار کے متعلق کوئی تعلیم ہے؟ پھر ان کو اس جبلت میں کیوں داخل کیا ہے؟ اس سے زیادہ دل خوش کن فقرہ یہ ہے کہ:۔

"مسیحی عقاید پر نظر کرو تو ان کو عقل کے تقاضاؤں کے مطابق پاؤ گے (ص۱۳۴)

یہ فقرہ تو غالباً آپ کے قلم سے سہواً نکل گیا اگر ہوشیاری اور بیداری کی حالت میں لکھا ہوتا تو پہلے فقرات کے خلاف نہ ہوتا جن کی تفصیل الوہیت مسیح کے ذکر میں ص۱۰۱ سے ص۱۰۶ تک ہو چکی ہے۔ جہاں پادری حضرات کے اقوال نقل کئے گئے ہیں کہ تجسم مسیح کا عقیدہ انسانی عقل

---

[1] خدا کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ عیسیٰ اس کا پیغمبر ہے۔

Marfat.com

کی دسترس سے باہر ہے۔ ناظرین! ذرا ورق الٹ کر ملاحظہ کریں۔ باوجود اس استفام کلامیہ کے پادری صاحب کس دلیری سے لکھتے ہیں کہ۔

"سطور بالاسے روشن ہوگیا ہوگا کہ مسیحیت جبلت استفسار کے اقتضاؤں کو بطرزِ حسن پورا کرتی ہے (ص۳۶۳)

لیجئے ہم بھی آپ کو خوش کرنے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ مسیحیت جبلت استفسار کو بہت اچھی طرح دفن کرتی ہے اور پتہ بھی نہیں دیتی کہ اس کا مدفن کہاں ہے (الی اللہ المشتکی)

اس کے بعد پادری صاحب قرآن پر حملہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"جبلت تجسس اور قرآن کی تعلیم" چونکہ اسلام میں تمام باتوں اور سوالوں کے فیصلوں کا دارومدار قال اللہ اور قال الرسول پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اسلام میں سِرے سے یہ صلاحیت ہی موجود نہیں کہ اس میں تجسس و استفسار کی جبلت نشوونما پاسکے یا اس کا میدانِ عمل وسیع ہو سکے۔ چنانچہ قرآن میں آیا ہے کہ جس بات کا تجھے علم نہیں، اس کے درپے مت ہو۔ بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پرسش ہوگی۔ زمین پر اتراتا ہوا نہ چل۔ نہ تو زمین پھاڑ سکتا ہے نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتا ہے ان سب باتوں کی برائی تیرے رب کو ناپسند ہے۔" (بنی اسرائیل ۳۸ تا ۴۰) پس قرآن جبلت استفسار کے تقاضاؤں کے خلاف ہے۔" (ص۳۶۶)

مجیب آہ تعصب! بئس اسلیماناس! قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر یسئلونك سئل اور سائل سائل وغیرہ الفاظ آئے ہیں جن کے معنی ہیں۔ اے پیغمبر! لوگ تم سے سوال کرتے ہیں اور تم ان کو یہ جواب دے دو۔ یہ آیات بصراحت تمام عادت استفسار کی تعلیم کو ترقی دے رہی ہے۔ جب امت کو پیغمبر اسلام سے پوچھنے کا حق حاصل تھا تو علماء سے پوچھنے کا حق کیوں نہ ہوگا۔ پادری صاحب نے کیسا ظلم کیا ہے کہ قرآن مجید کی اعلیٰ اخلاقی تعلیم کو الٹی چھری سے ذبح کرنے کی کوشش کی ہے یعنی وہ فقرات جو عبارتِ منقولہ میں درج ہیں جن پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے آپ نے ان کو خواہ مخواہ اپنے اعتراضات کا ہدف بنایا ہے۔

پادری صاحب | میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے آپ کے کسی حملے پر اتنا رنج نہیں ہوا جتنا اس موقع پر ہوا۔ اس لئے نہیں کہ آپ کے اس حملہ سے اسلام کو نقصان پہنچا ہے بلکہ اس لئے کہ آپ ایک مسلم خاندان کی اولاد ہو کر قرآن مجید سے ناواقفیت کا اتنا ثبوت دیتے ہیں جتنا کہ کوئی برہمن لحم البقر کے بجاؤ سے بھی نہ دیگا۔ سنئے! قرآن مجید کی جس آیت پر آپ نے اعتراض کیا ہے وہ یہ ہے:۔

لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ط (پ ۱۵ ع)

ہر اخلاقی کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ آدمی ہر سنی سنائی بات کو آگے کہہ دیتا ہے جس کے متعلق اس کو یقینی علم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ عدالتوں میں ایسی ہی حلفیہ شہادتیں بھی دے آتے ہیں اور بسا اوقات کسی غیر معتبر آدمی کے کہنے پر کہ فلاں شخص تم کو برا بھلا کہتا تھا لال پیلے ہو کر خون خرابہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ لوگ بے ثبوت محض سنی سنائی باتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ پس اس خرابی کے سد باب کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ جس بات کا تم کو یقینی علم نہ ہو اس کی پیروی نہ کیا کرو بلکہ اس کو سننا بھی گوارا نہ کرو۔ اسی لئے فرمایا کہ

تمہارے کان۔ آنکھ اور دل وغیرہ اعضاء کے متعلق تم سے سوال ہوگا کہ ان کو کہاں استعمال کیا تھا جائز جگہ یا ناجائز جگہ؛

آپ کے پادری عمادالدین صاحب نے اس آیت کا جو ترجمہ کیا ہے۔ اگر آپ اس کو ہی ملحوظ رکھتے تو بھی اعتراض نہ کرتے۔

لَا تَقْفُ جو صیغہ نہی ہے باب قفا یقفوا سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں کسی بات کے پیچھے پڑ جانا۔ یعنی اس کو مدار قرار دے کر مخاصمت یا معاملت کو اس پر مبنی ٹھیرانا یہی فعل باب تفعیل سے بھی آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ (یعنی ہم نے عیسی ابن مریم کو ان پیغمبروں کے پیچھے بھیجا) اس کے علاوہ آپ نے اس سے آگے ایک اور آیت پر بھی ظلم کیا ہے کہ تکبرانہ چال سے ممانعت کو بھی

Marfat.com

جبلت استفسار میں داخل کر لیا ہے ۔ اللہ اللہ کیا یہ فہم قرآن ہے یا ظلم بر قرآن۔

اب سنئے! پہلے حصے کا جواب ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مومنوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اللہ رسول کا حکم پہنچنے پر ان کو اس کی تعمیل میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیئے چنانچہ ارشاد ہے :۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (پ ۲۲ ۔ ع)

پادری صاحب نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے :۔

حب اللہ اور اس کا رسول کوئی بات مقرر کر دے تو کسی ایمان دار مرد یا عورت کا کام نہیں کہ اس میں چون چرا کرے ۔ یا اس کی نسبت سوال کرے ۔ کیونکہ (اس معاملہ میں) ان کا کوئی اختیار نہیں رہتا (ص ۱۳۵)

اس ترجمہ میں آپ نے کئی کمال دکھلائے ہیں ۔ ان کمالات میں سے بڑا کمال یہ ہے کہ ترجمہ میں اپنی طرف سے یہ جملہ بڑھا دیا کہ "یا اس کی نسبت سوال کرے" ایسا تصرف کر کے آپ نے اپنی غرض فاسد کے ماتحت اپنی ہوشیاری کا ثبوت دیا ہے ورنہ یہ جملہ آیت کے کسی لفظ کا ترجمہ نہیں ہے۔

آپ کی مثال آپ سے پہلے پنڈت لیکھ رام آریہ نے دعوے کیا تھا کہ قرآن مجید میں بھی تناسخ کا ثبوت ملتا ہے اور اپنے دعوے کے ثبوت میں ایک آیت[1] بھی لکھی تھی جس میں ذکر ہے کہ جانور وغیرہ بھی تم انسانوں کی طرح حیوانات کی انواع و اقسام ہیں ۔ مگر اتنے ترجمہ سے اس کا کام نہ چلتا تھا اس لئے انہوں نے آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ

"یہ جانور تمہاری طرح امتیں تھیں"

لفظ "تھیں" سے آپ کی غرض یہ ہے کہ یہ جانور پہلے انسان تھے اب باقاعدہ تناسخ حیوان بن گئے ہیں ۔ اسی طرح پادری صاحب نے بھی پنڈت جی کا اتباع کرتے ہوئے مذکورہ جملہ اپنی طرف سے بڑھا دیا ۔ نہ وہ قرآن کا ترجمہ تھا نہ یہ ہے۔

پادری صاحب! آپ یہ خیال دل سے نکال دیں کہ قرآن بھی انجیل کی طرح ہے جو اصل

---

[1] وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ (پ ۔ ع)

Marfat.com

زبان میں ملتی ہی نہیں۔ قرآن مجید بفضلہ تعالےٰ اپنی اصل زبان میں محفوظ ہے اس لئے اس کے ترجمہ میں کوئی غلطی نہیں چل سکتی۔ پس آیت موصوفہ کا بامحاورہ ترجمہ سنئیے!

خدا رسول جب کسی کام کا حکم دے دیں تو کسی مرد مؤمن یا عورت مومنہ کو اس کی تعمیل کرنے یا نہ کرنے میں اختیار نہیں بلکہ ضرور تعمیل کرنی ہوگی۔

یہ حکم بالکل صحیح ہے اور قطعاً درست ہے ہم مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ کل انبیا علیہم السلام کی امتوں کو یہی حکم تھا کہ حضرات انبیاء کرام کی تعلیم پر عمل کرو۔ اسی لئے مسیح فرماتے ہیں۔

اگر تم مجھ سے پیار کرتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو (یوحنا ۱۴: ۱۵)

پس یہ آیت قرآنی تعمیلِ احکام کے متعلق ہے۔ استفسار سے اس کو کوئی تعلق نہیں۔ وہ ایک الگ چیز ہے اس کا ثبوت قرآنی آیات یسئلونک اور سائلک وغیرہ میں ملتا ہے۔ آگے چل کر پادری صاحب نے ایک اور کمال کیا ہے کہ:

باوجود اس وعدہ کے کہ میں حدیثوں کو بالاستقلال زیر بحث نہیں لاؤں گا (دین فطرت مٹ) مشکوٰۃ باب القدر میں سے ایک حدیث نقل کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ تقدیر کے مسئلہ میں جھگڑ رہے تھے تو حضور نے ان کو خفگی کے لہجے میں منع فرمایا۔ (صـ۱۴۸)

اس حدیث سے آپ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کسی مومن مسلمان کا کام نہیں ہے کہ وہ کسی دینی مسئلہ کے متعلق سوال پوچھے (صـ۱۴۹)

مجیب اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا بھی غلط ہے۔ حدیث کا مضمون بتانے سے پہلے میں آپ کو ایک مثال بتا دوں۔ غور سے سنئیے۔

مثال کسی سکول کے لڑکے اوقات سکول میں سیاسیات (پالیٹکس) پر بحث کرنے لگ جائیں تو استاد کا فرض ہے کہ ان کو اس قسم کی بحث سے روک دے کیونکہ ایسا کرنا ان کے حق میں مفید ہونے کی بجائے مضر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ استاد لڑکوں کو کوئی بات پوچھنے سے بھی منع کرتا ہے۔ منع نہیں کرتا بلکہ غیر مفید کام سے ہٹا کر مفید کام پر لگاتا ہے۔ یہ اعلےٰ درجے کی تربیت ہے

اس سے آگے آپ نے مسئلہ جہاد کے متعلق خواہ مخواہ کی چھیڑ خانی کی ہے۔ جس کا

Marfat.com

جواب یہ ہے کہ اجتہاد علماء اسلام کی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ہے۔ بیشک قرآنی تصریحات میں سے نہیں ہے علماء اسلام میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے یا بند ہو گیا ہے۔ ہمارے نزدیک ابتدائے اسلام سے اجتہاد کا دروازہ کھلا آیا ہے اور آئندہ بھی کھلا رہے گا۔ آج تک بہت سے مجتہد ہو چکے ہیں آئندہ بھی ہوتے رہیں گے کتب اصول میں یہ مسئلہ مصرح ملتا ہے

پس آپ کا یہ اعتراض کہ "اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے" ہم پر وارد نہیں ہوتا۔

ہاں پادری صاحب اگر میں ایک مثال پیش کروں تو آپ کو جواب دینا مشکل ہو جائے گا اچھا آپ کی آزمائش کے لئے پیش کئے دیتا ہوں۔ سنئے جناب مسیح کا ارشاد ہے۔

> وے جو ایمان لائیں گے ان کے ساتھ یہ علامتیں ہوں گی کہ وے میرے نام سے دیووں کو نکالیں گے اور نئی زبانیں بولیں گے۔ سانپوں کو اٹھائیں گے۔ اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پئیں گے انہیں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ وے بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو چنگے ہو جائیں گے (مرقس باب ۱۶: ۱۷/۱۸)

پادری صاحب! آپ کی ذات میں ان اوصاف میں سے اگر ایک وصف بھی ہو تو یہ بڑے فائدے کی چیز ہے۔ آپ حکومت سے درخواست کریں کہ میو ہسپتال لاہور کے جملہ مریض میرے حوالے کئے جائیں۔ ان کے علاوہ پبلک میں بھی اشتہار دے دیں کہ سب مریض میرے پاس آئیں۔ آپ ان کو ہاتھ سے چھو کر تندرست کرتے جائیں پھر دیکھیں کہ دینی اور دنیوی ہر دو قسم کے فوائد کس طرح حاصل ہوتے ہیں۔ مسلمان مولویوں اور ہندو پنڈتوں کے منع کرنے سے کوئی نہ رکے گا بلکہ سب لوگ مسیحی ہو جائیں گے اور دولت بھی فراواں ہاتھ آ جائے گی۔ اگر ان اوصاف میں سے کوئی وصف بھی آپ لوگوں میں نہیں ہے۔ تو اس عبث کام میں اپنا اور لوگوں کا وقت کیوں ضائع کرتے ہو۔ اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو میں ایک اور بات پیش کرتا ہوں جو بالکل آسان ہے وہ یہ ہے کہ اگر آپ کو جنگ کی وجہ سے جرمن زبان سے نفرت ہے تو بڑی خوشی سے کشمیری زبان میں تقریر کریں۔ ہم بھی سننے آئیں گے۔

Marfat.com

پادری صاحب! باتیں کرنے کو تو بہت ہیں اس لئے اختصار کرنا مفید ہے۔ آپ انجیل اور قرآن میں بتائی ہوئی ایمانداروں کی نشانیاں سامنے رکھ لیں۔

انجیل کی بتائی ہوئی نشانیاں تو آپ سن چکے ہیں اب قرآن میں بتائی ہوئی نشانیاں غور سے سنیئے۔ ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ط (پ ۹ - ع ۱۵) (مومن وہ لوگ ہیں جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل کانپ جاتے ہیں اور جب ان پر اللہ کے احکام پڑھے جائیں تو ان کا ایمان ترقی کرتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں)

ان دونوں کتابوں کی بیان کردہ نشانیوں کے مطابق امتحان دینے کی تکلیف ہم کسی اور کو کیوں دیں۔ بلکہ مجھے اور آپ کو خود ہی اپنی اپنی کتاب کے مطابق امتحان دینا چاہیئے میں آپ کے گرجے میں آجاؤں گا۔ وہاں کوئی حافظ قرآن کا رکوع پڑھ دے تو آپ میری اور مسلمانوں کی قلبی کیفیت کا امتحان کرلیں کہ ان آیات کے مطابق ان میں ایمان ہے یا نہیں، میں آپ کے امتحان کے لئے ایک زہریلا سانپ اور زہر کا پیالہ رکھ دوں گا پھر لوگ دیکھ لیں گے کہ آپ میں کہاں تک ایمان کی نشانیاں پائی جاتی ہیں ؎

نہ دے نامے کو اتنا طول غالبؔ! مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستم ہائے جدائی کا

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"بروئے قرآن کوئی مسلمان دین کے معاملات میں آزاد خیالی کو جگہ نہیں دے سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں تحقیق کی گنجائش نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگیا ہے کہ با اختیار اشخاص کے احکام کو بے چون وچرا تسلیم کرنا تعصب اور ہٹ دھرمی کو کام میں لانا۔ ہر شے کو دوسروں کی سند پر قبول کرلینا اور یوں جبلت تجسس و استفسار کو روکنا اور دبانا مسلمانانِ عالم کا طغرائے امتیاز ہے۔ دقیانوسی تفاسیر اور کتب احادیث اور فقہ کو رٹ لینا غنیمت خیال کیا جاتا ہے۔ متقدمین کی تصانیف سند کے لئے کافی

سمجھی جاتی ہیں۔ علمائے سلف کے نقش قدم پر چلنا موجب فخر ہوتا ہے۔"

(دین فطرت صفحہ ۱۴)

مجیب | معلوم نہیں کہ آپ کس گاؤں یا بستی میں بیٹھے ہوئے یہ باتیں کر رہے ہیں۔ لاہور جیسے دارالعلوم شہر میں یہ باتیں زیب نہیں دیتیں۔ پادری صاحب! میں اہل اسلام کی علمی ترقیات کا کیا ذکر کروں۔ آپ ایم۔ اے ہونے کے باوجود اگر اس سے بے خبر ہوں تو کون آپ کو بتا سکتا ہے۔ میں اس کی تفصیل کروں تو کتاب میں گنجائش نہیں ہے اس لئے مختصر طور پر آپ کے لئے ایک ایسی کتاب کا حوالہ دیتا ہوں جو کسی مسلمان کی تصنیف نہیں۔ بلکہ ایک فرنچ مؤرخ کی ہے جن کا ذکر یورپ میں بڑی عزت سے کیا جاتا ہے آپ کا نام نامی ڈاکٹر گستاولی بان ہے۔ ممدوح نے عرب کے علوم و فنون پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا اردو ترجمہ شمس العلماء سید علی بلگرامی نے تمدن عرب کے نام سے شائع کیا جس میں تھوڑا سا اقتباس نہ صرف آپ کے لئے بلکہ اپنے ناظرین کے لئے نقل کرتا ہوں۔ غور سے سنئے! ڈاکٹر موصوف فرماتے ہیں:۔

"ہم اس باب کو اس بیان پر ختم کرتے ہیں کہ تمدن اسلامی کا بہت ہی زبردست تسلط تمام عالم پر رہا ہے مگر اس تسلط کے بانی صرف عرب تھے نہ وہ مختلف اقوام جنہوں نے ان کے مذہب کو اختیار کیا۔ عربوں کے تسلط اخلاقی نے یورپ کی ان اقوام وحشی کو جنہوں نے رومیوں کی سلطنتوں کو تہ و بالا کیا، انسان بنایا۔ ان کے علمی و دماغی تسلط نے یورپ کے لئے علوم و فنون اور ادب اور فلسفہ کا جس سے وہ بالکل ناواقف تھا دروازہ کھول دیا اور چھ صدی تک یہی عرب ہمارے استاد اور ہمیں تمدن سکھانے والے رہے۔" (تمدن عرب صفحہ ۵۲۴)

مشورہ | پادری صاحب! یہ ساری کتاب آپ کے دیکھنے کے قابل ہے۔ اگر مشن لائبریری یا پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں نہ ہو تو آپ میرے ہاں تشریف لا کر بڑے شوق سے اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ ایں خانہ خانہ شما است۔ مولانا حالی مرحوم نے مسلمانوں کی علمی ترقی کا ذکر نہایت مجمل مگر لطیف پیرائے میں کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ؎

Marfat.com

ہر اک میکدہ سے پھرے بھر کے ساغر   ہر اک گھاٹ سے آئے سیراب ہو کر
گرے مثل پروانہ ہر روشنی پر   لیا گرہ میں باندھ حکم پیمبر
کہ حکمت کو اک گم شدہ لال سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو[1]

ہاں اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں میں بھی بعض لوگ رومن کیتھولک عیسائیوں کی طرح تنگ نظر ہیں۔ سو آپ ان کی تنگ نظری کا الزام سب مسلمانوں پر نہ رکھیں۔ کیونکہ محقق مسلمانوں کا مذہب تو وہ ہے جو ایک حدیث نبوی پر مبنی ہے جس کے الفاظ ہیں لَا تنقضی عجائبہ کہ قرآن مجید کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے۔ یعنی اس کے معانی اور نکات نئے سے نئے نکلتے آئیں گے۔ واقعی جو لوگ قرآن مجید کو اس کے خادم علوم و فنون کی روشنی میں پڑھتے ہیں بے ساختہ ان کے منہ سے نکل جاتا ہے ؎

قرآن!

کیا جانے تجھ میں کیا ہے کہ لوٹے ہے تجھ پہ جی
یوں اور کیا جہان میں کوئی حسیں نہیں

اس سے آگے آپ نے حیات تجسس اور اسلامی تہذیب وغیرہ کا مضمون جو کئی صفحوں پر پھیلایا ہے۔ ان سب باتوں کا جواب آپ کو تمدن عرب میں مل جائے گا۔ ایک بات خاص طور پر قابلِ ذکر یہ ہے کہ آپ نے صـ۱۴۱ سے لے کر صـ۱۷۰ تک مختلف ممالک اسلامیہ کے رطب و یابس جمع کر کے نتیجہ نکالا ہے کہ

"ترکوں نے بھی اسلام کو چھوڑ دیا۔" (صـ۱۶۲)

خدا کی قدرت نے آپ ہی کے قلم سے اس کا جواب بھی لکھا دیا سنئے آپ کے الفاظ یہ ہیں:-

"ترکوں نے ترکی میں نماز پڑھنے کا حکم دے دیا" (صـ۱۶۳)

بھلا جو قوم اسلامی طریق پر مسجدوں میں نماز پڑھتی ہو اس کے حق میں بھی یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے کہ اس نے اسلام کو چھوڑ دیا۔

(نوٹ) پادری صاحب ہوں یا کوئی اور صاحب، کان کھول کر سن لیں کہ کوئی مذہب اپنے

---

[1] کلمۃ الحکمۃ الضالۃ المومن حیث وجدھا فھو احق بھا (الحدیث) کی طرف اشارہ ہے ۱۲۔ منہ

Marfat.com

اتباع کے اقوال یا افعال کا ذمہ دار نہیں ہوتا کیونکہ ہر مذہب میں کچھ رد ہوتے ہیں جو مذہب کے تابع نہیں ہوتے بلکہ مذہب کو اپنے تابع کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ عیسائیوں میں بھی ان کی کمی نہیں۔ چنانچہ رومن کیتھولک عیسائیوں کی مثال کافی ہے جو آپ کے نزدیک بھی گمراہ ہیں۔ پس آپ نے جوڑوں وغیرہ کا ذکر کیا ہے ایک بے معنی بات ہے جو طوالتِ کتاب کی موجب ہے۔ اگر ایسے ہی رطب و یابس سے کتاب کو پر کرنا ہے تو ہم بھی مسٹر بریڈلا سابق ممبر پارلیمنٹ انگلستان کی کتاب نقل کر دیں گے پھر ؎

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے   آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کر

ہم اسی کتاب میں صفحہ ۱۵۵ پر لکھ آئے ہیں کہ ترک چونکہ حنفی المذہب ہیں اور حنفی المذہب میں غیر عربی زبان میں نماز پڑھنے کی اجازت موجود ہے اس لئے انہوں نے اپنے مذہب کے فتوے کے ماتحت اگر یہ طریقہ اختیار کر لیا ہو تو کیا حرج ہے اور قرآن شریف پر کیا اعتراض ہے؟

پادری صاحب! اگر الہامی زبان کو چھوڑ کر اپنی مادری زبان میں نماز پڑھنے سے مذہب کا ترک کرنا لازم آتا ہے تو بتائیے کہ انگریز عیسائی اور ہندوستانی عیسائی کس زبان میں نماز پڑھتے ہیں؟ یقیناً انگریز عیسائی انگریزی میں اور ہندوستانی عیسائی اردو میں نماز پڑھتے ہیں۔ پھر کیا یہ دونوں زبانیں انجیل کی الہامی زبان کی مصداق ہیں؟ ہرگز نہیں۔ مسیحی دوستو! ع   این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں کہ :-

جبلت استفسار ہماری سرشت کا ایک زبردست حصہ ہے (صفحہ ۱۶۸)

ہم بھی آپ کی تائید کرتے ہیں بلکہ قرآن شریف آپ کی خواہش کو پورا کرتا ہے۔ لیکن انجیل ایسی جبلی خواہش کا اظہار کرنے والے کو مغلظات سناتی ہوئی بد اور حرامکار قرار دیتی ہے ل (متی ۱۲ : ۳۹) ایسا کیوں ہے؟ ع   اگر گویم زبان سوزد

ل تفصیل بر صفحہ ۱۸۰ ملاحظہ ہو (مجیب)

Marfat.com

ظرین! پادری صاحب کی مہربانی کا شکریہ ہے کہ آپ تعلیم یافتہ طبقے کے ساتھ اظہار ہمدردی تے ہوئے لکھتے ہیں۔

"تعلیم یافتہ مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کے دینی عقائد وغیرہ کی اصلاح عقل سلیم کے مطابق ہو سکے۔ وہ بزرگان سلف کی سند اور اقوال کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کو تیار نہیں۔" (ص۱۶۰)

جیب ہم ان تعلیم یافتہ مسلمانوں کے تقاضا کی قدر کرتے ہیں اور آپ کی وساطت سے علیم یافتہ مسیحی اصحاب تک اپنا یہ سوال پہنچاتے ہیں کہ دشمنوں کے نرغے میں پھنس کر ڑپ تڑپ کر جان دینے والا شخص بھی خدا ہو سکتا ہے؟ (تفصیل بر ص۱۲۲ ملاحظہ ہو) ادری صاحب کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کی تسلی عقلی دلیل سے کریں۔ پھر آپ کا یہ لکھنا ھی عجیب ہے کہ:۔

"قرآن کا یہ مقصد نہیں تھا کہ ان احکام کو ایک جا ترتیب دے کر کتابی صورت میں جمع کیا جائے۔ نبی نے ایسا حکم کبھی نہیں دیا تھا اور نہ آپ کا یہ ارادہ اور مقصد تھا (ص۱۶۰)

مجیب جو شخص اپنے موضوع سے الگ ہو کر ادھر ادھر کی باتوں میں وقت ضائع کرے اس کے حق میں عرب لوگ کہا کرتے ہیں "یمشی خبط العشواء" (وہ دیوانی اونٹنی کی طرح چلتا ہے) سبعہ معلقہ کا ایک مصرع سنئے! ع

رایت المنایا خبط عشواء من تصب

یعنی موت پاگل اونٹنی کی طرح دنیا میں پھرتی ہے۔

پادری صاحب کی تصنیفات میں ہم نے یہ خاص وصف پایا ہے۔ بھلا آپ کی سرخی جبلت استفسار سے اس فقرہ کو کیا تعلق؟ باوجود اس کے ہماری فیاضی دیکھئے کہ ہم آپ کو آگاہ کرتے ہیں کہ قرآن مجید آنحضرت کے حکم سے آپ کی زندگی میں جمع کیا گیا تھا اس کے متعلق احادیث بکثرت ملتی ہیں۔ لولا غرابت المقام لاتیت بہا۔

آگے چل کر پادری صاحب نے ص۱۶۲ پر جبلت اجتماع پسندی کا ذکر کیا ہے جس کی تمہید کا خلاصہ اصل الفاظ میں یہ ہے کہ:۔

Marfat.com

(۱) انسانی فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ مختلف افراد آپس میں مل جل کر رہنا پسند کرتے ہیں (ص۱۷۲) ہمارا بھی اس پر صاد ہے۔

(۲) دین فطرت کا یہ کام ہے کہ اس بات کا خیال رکھے کہ اجتماع پسندی کی جبلت افراد کی ہستی کو دبانے نہ پائے بلکہ ہر فرد کو ذمہ دار آزاد اخلاقی ہستی قرار دے (ص۱۷۲) بشرط حفظ مراتب صحیح ہے نوکر و آقا اور ماتحت و افسر کا لحاظ رکھا جائے گا۔ ع

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

(۳) دین فطرت کا یہ بھی کام ہے کہ خدا کی ذات کی نسبت ایسی تعلیم دے جو اس جبلت کے اقتضا کے مطابق ہو اور ایسے اصول بتائے جس سے خدا اور انسان کے باہمی تعلقات میں رفاقت کا سلسلہ قائم اور جاری رہ سکے (ص۱۷۴-۱۷۵)

مجیب | اس نمبر کا پہلا حصہ بلکہ دوسرا بھی ہم صحیح سمجھتے ہیں اور پادری صاحب کی دلیری کی داد دیتے ہیں کہ مسیح کو مجسم خدا کہہ کر مذکورہ جبلت کے اقتضا کو پورا کر رہے ہیں۔ خدا کی ذات کے متعلق مسیحیت نے جو تعلیم دی ہے اس مفصل بحث ص۶۷ سے ص۸۰ تک ہو چکی ہے اس کے بعد پادری صاحب اصل مطلب پر یوں گویا ہوئے ہیں۔

"**مسیحیت اور افراد کی وقعت** | یہ ایک تواریخی حقیقت ہے کہ کلمۃ اللہ اس دنیا کے پہلے معلم تھے جنہوں نے کل عالم کو یہ سکھلایا کہ ہر فرد بشر ایک ذمہ دار اخلاقی ہستی ہے۔ آپ نے یہ تعلیم دی کہ خدا باپ ہر فرد بشر سے لازوال محبت رکھتا ہے۔ اور ہر ایک بشر کی زندگانی کا خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ بچہ ہو یا بوڑھا خفیف سے خفیف واقعہ بھی خدا کے علم اور محبت کا مظہر ہے (متی ۱۰: ۲۹-۳۰) آپ نے فرمایا کہ حقیر ترین انسان کی روح کی قدر نہ صرف تمام دنیا سے زیادہ ہے (مرقس ۸: ۳۶) بلکہ وہ ایسی قیمتی شے ہے کہ اس کو حاصل کرنے کے لئے خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اس دنیا میں بھیجا۔ تاکہ کسی فرد بشر کی روح ہلاک نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے (یوحنا ۳: ۱۶ ص۱۷۵)

مجیب | اس سارے اقتباس کو عنوانِ مذکورہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ ہم اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً

Marfat.com

لِلْعَالَمِیْنَ ط (پ ۱۷ ع ۷)

"اے نبی! ہم نے تم کو اس لئے بھیجا ہے تاکہ دنیا کے تمام لوگوں پر ہم رحم کریں"

باقی رہا خدا کا اکلوتا بیٹا اور اس کا کفارہ ہونا سو اس کی بحث کتاب ہذا میں ص ۱۲۵ سے ص ۱۳۷ تک مفصل ہو چکی ہے۔ اسی ضمن میں آپ لکھتے ہیں کہ:۔

"ہر ایک انسان کا دل خدا کا مقدس ہے اور خدا کا روح اس میں بسا ہوا ہے" اگر ۳/۱۶) پس ہر ایک شخص خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلےٰ، خواہ امیر ہو یا غریب، خواہ بڑا ہو خواہ چھوٹا، خواہ مرد ہو خواہ عورت۔ جو مسیح میں ہے وہ نیا مخلوق ہے اس میں سے پرانی چیزیں جاتی رہیں۔ دیکھو وہ نئی ہو گئیں (۲ کر ۵/۱۷ وغیرہ وغیرہ) (ص ۱۲۶)

ہم اس عبارت کو اگر تسلیم کریں تو ہمارا کوئی حرج نہیں۔ اخیر میں آپ اس طویل عبارت کا خلاصہ نکال کر لکھتے ہیں کہ:۔

غرضیکہ مسیحیت کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ ہر انسان کو موقع اور توفیق عطا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے تاکہ دنیا کا ہر فرد بشر اپنی انانیت کا جائز طور پر اظہار کر سکے اور اپنی ذات کو ترقی اور تکمیل دے سکے جس سے ظاہر ہے کہ مسیحیت دینِ فطرت ہے (ص ۱۲۷)

عجیب باوجود اس خوبی کے پادری صاحب سے وہ تعلیم مخفی رہی جسے انجیل مسیح کے الفاظ میں پیش کرتی ہے کہ:۔

"وہ چیز جو پاک ہے کتوں کو مت دو اور اپنے موتی سوروں کے آگے نہ پھینکو۔ ایسا نہ ہو کہ وے انہیں پامال کریں اور پھر کر تمہیں پھاڑیں (متی باب ۷، ۶)"

پادری صاحب! اس اقتباس میں کتے اور سور کن کو کہا گیا ہے۔ حیوانوں کو یا انسانوں کو؟ حیوانوں کو کہنے کی تو ضرورت ہی نہیں۔ اگر برے انسانوں کو کہا گیا ہے تو ایسا کہنا آپ کے منشا کے خلاف تو نہیں ہے؟ ع مسیحو! ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی۔

آگے چل کر آپ فرماتے ہیں:۔

اسلام اور افراد کی وقعت قرآن غلامی کی قبیح رسم کو جائز قرار دیتا ہے اور اس کو جہاد وغیرہ کے مرغبات اور محرکات حسنہ میں شمار کرتا ہے (ص ۱۱۱)

Marfat.com

مجیب | غلامی کا ثبوت ہم مسیح کی مسلمہ شریعت موسوی سے پہلے دے چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو (ص۳) قرآن مجید نے غلاموں پر کئی قسم کے احسانات کئے ہیں۔ مثلاً

(۱) گناہوں کے کفاروں میں ان کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔

(۲) مکاتبت[1] طلب کرنے پر ان کو مکاتب کرنے کا حکم دیا۔ جیساکہ ارشاد ہے:۔

وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْکِتَابَ مِمَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ فَکَاتِبُوْھُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْھِمْ خَیْرًا وَّاٰتُوْھُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰہِ الَّذِیْ اٰتَاکُمْ (پ۔ ع)

(تمہارے غلام جو مکاتبت چاہتے ہوں۔ اگر تم ان میں نیکی پاؤ تو ان سے مکاتبت کرلو اور ان کو اس مال میں سے جو خدا نے تم کو دیا ہے بطور راس المال کچھ دے دو (تاکہ وہ اس کے ذریعہ کچھ مال کما کر تم سے آزادی حاصل کریں)

(۳) مالک کو حکم ہے کہ جو خود کھائے وہی اپنے غلام کو کھلائے اور جو خود پہنے وہی غلام کو پہنائے۔

پادری صاحب دیکھئے کہ باوجود حفظ مراتب کے کیسی مساوات کی تعلیم ہے۔

آگے چل کر آپ لکھتے ہیں کہ:۔

(۱) اسلام نے انسان کو اخلاقی طور پر بھی آنا ذمہ دار ہستی قرار نہیں دیا۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے ”جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہاں کے دولتمندوں کو حکم دیتے ہیں۔ پھر وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں تب ان پر وعدہ عذاب ثابت ہوجاتا ہے پھر ہم ان کو اکھاڑ پھینکتے ہیں (بنی اسرائیل آیت ۱۷)

(۲) ہم (اللہ) نے آدمیوں اور جنوں میں سے اکثروں کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے (اعراف ۱۷۸) (۳) اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو راہ پر کردیتا۔ اور وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔ مگر جس پر تیرے رب کا رحم ہوا۔ اللہ نے ان کو اختلاف کرنے کے لئے ہی پیدا کیا ہے اور تیرے رب کی بات پوری ہوگی کہ البتہ میں جنوں اور

---

[1] غلام اپنے مالک سے کہے کہ میں آپ کو سو پچاس روپے کما کر دے دوں تو مجھے آزاد کر دینا اور مالک اس کو مشروط آزادی نامہ لکھ دے۔ اس کو مکاتبت کہتے ہیں۔

Marfat.com

آدمیوں سب سے دوزخ کو بھر دوں گا" (ہود ۱۲۰) (۴) اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی دین پر کر دیتا۔ لیکن وہ جس کو چاہے گمراہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت دے۔" (نحل ۵۵ و ۳۸) × (۵) یہ نصیحت ہے کہ پس جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف راہ پکڑے لیکن تم چاہ نہیں سکتے جب تک اللہ نہ چاہے۔" (دہر ۲۹-۳۰) (۶) اللہ نے تم کو اور تمہارے افعال اور کاموں کو پیدا کیا۔ (صافات ۹۴) (ص۱۷۸، ص۱۷۹)

جواب آیت ۱ پہلی آیت جس پر آپ نے اعتراض کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں

اِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا (پ۱۵ ع۲)

اس آیت کا مطلب ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ غور سے سنئے!

کسی بستی میں قحط سالی ہے یا وبائی امراض پھیل گئے ہیں۔ غرباء بے کسی کی حالت میں کراہ رہے ہیں۔ امراء کو بزبان ہادیان مذہب یا بزبان حال حکم ہوتا ہے اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ (اللہ کے دیئے ہوئے میں سے کچھ خرچ کرو) تو وہ لوگ اپنی بدمستی میں اور مال کے نشے میں جواب دیتے ہیں:-

اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗ (پ۲۳ ع۲)

(کیا ہم ان لوگوں کو کھلائیں جن کو خدا نے نہیں کھلایا یعنی ان کو فائدہ پہنچائیں جن کو خدا نے نہیں پہنچایا)

ایسی ہی مغرور بستی کے لوگوں پر خدا کی طرف سے تباہی و بربادی آجایا کرتی ہے۔ آیت موصوفہ میں فَفَسَقُوْا کا لفظ انہی معنی پر دلالت کرتا ہے کہ وہ خدائی احکام متعلقہ احسان و مروت کا خلاف کرکے اپنی بدعملی کا ثبوت دیتے ہیں تو ان پر تباہی آجاتی ہے پادری صاحب! کیا آپ کو بنی اسرائیل کے عذاب اور اسیری کا زمانہ اور دوسرے واقعات یاد نہیں رہے۔ آخر یہ بھی کیسی بدعملی کی سزا تھی یا جن لوگوں نے مسیح کو تکلیفیں دیں کیا آپ کے نزدیک وہ عذاب کے مستوجب نہیں تھے؟

دوسری تشریح بعض اوقات کسی بستی پر تکلیف آجاتی ہے تو وہ لوگ بجائے عاجزی

Marfat.com

اور زاری کرنے کے اپنی بد عملیوں میں منہمک رہتے ہیں پھر ان پر مزید تباہی آجاتی ہے اس تشریح کے لئے قرآن مجید کے الفاظ یہ ہیں۔

فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (پ ۷ - ع ۱۳)

(ہمارا عذاب پہنچنے پر وہ لوگ نرم دل اور متوجہ نہ ہوئے بلکہ برے کاموں میں لگے رہے اور شیطان نے ان کے برے کام ان کی نظروں میں اچھے کر دکھائے)

آیت زیر بحث کی یہ دونوں تشریحیں قرآن مجید میں ملتی ہیں جو بالکل صحیح ہیں۔ بائیبل میں سبت کے دن مچھلیاں پکڑنے کا جو ذکر ملتا ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے (نحمیاہ ۱۳: ۱۶)

جواب آیت ۲ دوسری آیت کا جواب صفحہ ۹۴، ۹۵ پر بالتفصیل گزر چکا ہے۔

جواب آیت ۳ تیسری آیت کے پورے الفاظ یہ ہیں:۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (پ ۱۲ - ع ۱۰)

یہ آیت ایک نیچرل لا (قانون قدرت) پر اطلاع دیتی ہے جس کو پہلے تمہید کے طور پر سمجھ لینا ضروری ہے۔ پس توجہ سے سنئے!

نوع انسان کے افراد کو دیکھئے کہ ان کے حالات، خیالات، اور مقامات کس قدر مختلف ہیں۔ پہلے تو فطری طور پر بہت سے لوگ مذہب کو بلکہ خدا کو بھی جواب دے بیٹھے ہیں۔ پھر مذہب اور خدا کے قائلین میں بہت سے نیک اور پرہیزگار ہیں اور بہت سے فاسق و بدکار۔ ان کے علاوہ کوئی ظالم ہے اور کوئی مظلوم مزاجوں کا اختلاف بھی اسی اختلاف میں داخل ہے۔ بعض لوگ سرد مزاج یعنی حلیم اور بردبار ہوتے ہیں اور بعض آتشیں مزاج یعنی غصیلے اور جلد باز اور یہ سب قدرتی اختلاف کے مظاہر ہیں۔ جس پر کسی اہل دل شاعر نے کہا ہے ع اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے

مذہبی حیثیت کا اختلاف بھی اسی فطری اختلاف پر متفرع ہے چنانچہ اسی اختلاف کی بنا پر

Marfat.com

آپ (پادری برکت اللہ) جیسے ذہین اور طباع اور مشکل اور باریک مسئلہ کو بھی حل کر لیتے ہیں کہ کھاتا پیتا اور رگتا موتتا ملکہ تڑپ تڑپ کر جان دینے والا انسان خدا بھی ہو سکتا ہے مگر میرے جیسا کم علم اس حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ اس قسم کے تمام قدرتی اختلافات ملحوظ رکھ کر مذکورہ بالا ارشاد کا مطلب ہے کہ

اگر ہم چاہتے تو نوع انسان کے سب افراد کو یکساں مزاج یکساں عقل اور یکساں ذہنی رجحانات عطا کر دیتے پھر وہ سب خود بخود راہ راست اختیار کر لیتے۔

لَا رَیْبَ صَدَقَ اللّٰہُ! یہ کلام شرطیہ معنی میں بالکل صحیح ہے۔

منطقی طریق سے | پادری صاحب! آپ نے ایم۔اے کی ڈگری پاس کی ہوئی ہے غالباً آپ نے کم و بیش لاجک (منطق) پڑھی ہو گی۔ اہل منطق کہا کرتے ہیں کہ قضیہ شرطیہ کا صدق محض اتصال پر ہوتا ہے۔ چاہے اس کے دونوں اجزاء مقدم اور تالی محال ہی ہوں۔ اگر ان میں اتصال پایا جائے تو قضیہ شرطیہ صحیح ہوتا ہے (کیا آپ کو اس جملہ شرطیہ میں شک ہے کہ اگر خدا چاہتا تو مسیح کے دشمنوں کو ہدایت کر دیتا یا اگر چاہتا تو کفارہ مسیح کے بغیر کسی خاص صفت کے ماتحت گنہگاروں کو بخش دیتا)

اہل منطق اس قاعدہ کی مثال دیتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ

"اگر پانچ کا عدد زوج ہے تو دو پر پورا تقسیم ہو جائے گا۔

یہ کلام بصورت شرط بالکل صحیح ہے حالانکہ پانچ کا زوج (جفت) ہونا محال ہے پس جس طرح یہ قضیہ منطقی شکل میں صحیح ہے اسی طرح آیت قرانی کی صورت میں یہ جملہ شرطیہ بھی صحیح ہے کہ "اگر ہم (خدا) چاہتے تو سب کو ایک ہی گروہ بنا دیتے یعنی سب کو ہدایت کر دیتے (جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا۔ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھُدٰھَا مگر ہم نے ایسا نہیں چاہا۔ چنانچہ حقیقت واقعیہ پر اطلاع دینے کو اسی آیت میں ارشاد ہے لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ (یہ لوگ قانون قدرت کے ماتحت ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر خدا کا رحم ہو گا وہ اس اختلاف سے نکل کر حق کی طرف رجوع کرے گا) مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کی طبیعت میں یہ ضد نہ ہو گی کہ میں اپنے

Marfat.com

مخالف کی سچی بات بھی کیوں قبول کروں یہ استثنا جملہ معترضہ ہے اس کو الگ کرکے آیت کو یوں پڑھیے ﴿ولا یزالون مختلفین ولذلک خلقھم﴾ یعنی لوگ اپنی مزاجوں اور عادتوں میں ہمیشہ مختلف رہیں گے کیونکہ وہ اسی فطرت پر پیدا ہوئے ہیں ہاں جن لوگوں پر خدا نے رحم کیا ہوگا۔ وہ اس قدرتی اختلاف کو اس کی حد سے آگے نہیں جانے دیں گے۔ مولانا حالی مرحوم نے صحابہ کرام کے اختلاف کا نقشہ انہی معنی میں دکھایا ہے۔

آپ فرماتے ہیں ؎

اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا — تو بالکل مدار اس کا اخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا — خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا

یہ تھی موج پہلی اس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغ گیتی

مولانا حالی مرحوم نے جس چیز کو شر سے تعبیر کیا ہے۔ اس سے مراد قدرتی اختلاف کی حد سے تجاوز ہے قرآن مجید نے ﴿تمت کلمۃ ربک﴾ کا نتیجہ اسی بے اعتدالی پر مرتب کیا ہے۔

جواب آیات نمبر ۴-۵ | چوتھی اور پانچویں آیتوں کا مطلب بتانے سے پہلے مثال کے طور پر ایک اور آیت پیش کرتا ہوں تاکہ آیات زیر بحث کا مطلب اچھی طرح ناظرین کے ذہن نشین ہو جائے۔ کیونکہ یہ مسئلہ بڑا دقیق ہے۔ اسی لئے یہ آیات بھی مشکل ترین آیات میں سے ہیں۔ قرآن مجید نے کسی صاحب علم شخص کی مثال بیان کی ہے جو بڑا حریص وطامع تھا اس کے متعلق ارشاد ہے:۔

﴿لو شئنا لرفعنہ بہا ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ہوٰہ فمثلہ کمثل الکلب﴾ (پ ۹ - ع ۱۲)

اس میں فرمایا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو اپنی آیات کی برکت سے اس شخص کا رتبہ بلند کر دیتے لیکن ایسا نہیں کیا کیونکہ وہ شخص دنیائے دوں کی تحصیل میں ہمہ تن متوجہ ہو گیا (جیسے آج کل بھی ہر قوم و مذہب میں بہت سے دنیا دار اہل علم ملتے ہیں) پس خدا کے

Marfat.com

نزدیک اس کی مثال کتے کی سی ہے جو ایک ذلیل حیوان ہے۔

پس جس طرح اس آیت میں لکن کے مابعد اور ماقبل کلام میں باہم ربط ہے اسی طرح سورۂ نحل کی آیت میں لکن سے ماقبل اور مابعد کلام باہم مربوط اور متصل ہے پس اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ

اگر ہم چاہتے تو باختیار خود تم سب کو ایک ہی گروہ بنا دیتے یعنی سب کو ایک ہی قسم کی ذہنیت اور عقل عطا کر دیتے لیکن چونکہ ایسا نہیں ہوا اور واقعی نہیں ہوا تو اب ہم اپنے قانون کے ماتحت ہدایت کرتے ہیں اور اسی قانون کے ماتحت گمراہ کرتے ہیں۔

مشیت اللہ سے مراد قانون الٰہی ہے جو کل مخلوق پر حاوی ہے یہی معنی ہیں سورۂ دہر کی اس آیت کے جس کا ترجمہ پادری صاحب نے یوں کیا ہے کہ

یہ نصیحت ہے پس جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف راہ پکڑے لیکن تم نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ نہ چاہے (دہر ۲۹-۳۰)

قرآن میں اسی قانونِ قدرت کے معنی میں لفظ اذن اللہ بھی آیا ہے۔ چنانچہ ایمان اور موت دونوں کو اذن اللہ سے مشروط ٹھہرایا ہے جیساکہ ارشاد ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا (پ ۴-ع)

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (پ ۱۱-ع ۵)

ان دونوں آیتوں میں "اذن اللہ" سے مراد قانون قدرت ہے پس مذکورہ بالا آیات کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگ ہدایت نہیں پا سکتے جب تک قانونِ قدرت کے ماتحت ضد اور تعصب سے خالی ہو کر نیک نیتی سے تلاشِ حق نہ کرو اگر ایسا کرو گے تو دولتِ ایمان سے بہرہ افروز ہو جاؤ گے۔

ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جو مسائل کی تحقیق اخلاص مندی سے نہیں کرتے اس لئے وہ الہامی ہدایات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ بلکہ الٹا چاہ ضلالت میں گر کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔

جواب آیت نمبر ۶ | پادری صاحب نے اس آیت پر بھی اعتراض کیا ہے جس کا مضمون

Marfat.com

ہے کہ :- اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تمہارے افعال کو پیدا کیا ہے (پ۲۳ ع)

اس کی صداقت میں کیا کلام ہے۔ مگر پیدا کرنے کے معنی سمجھنے ضروری ہیں پس توجہ سے سنیئے! کوئی کافر بے دین کسی نیک بندے کی گردن تلوار سے اتار دیتا ہے تو ہمارے سامنے دو باتیں آتی ہیں :- ایک کافر بصورت فاعل۔ دوسرے اس کا فعل قتل۔ یہ فعل کیوں ہوا؟ اس لئے کہ قانونِ قدرت یہی ہے کہ کوئی تیز دھار چیز مثلاً تلوار جب کسی ملائم جسم پر چلائی جائے تو اپنا اثر کرتی ہے۔ یہ قانونِ قدرت ہے جو کاٹنے کے متعلق ہم ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں کہ تیز دھار چیز برابر کاٹتی ہے پس اسی لحاظ سے اس فعل کو خالقِ فطرت اور بانیٔ قانون کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید چونکہ فلسفہ روحانی ہے اس لئے اس میں ایسی نسبتیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ سنئے ایک واضح مثال سناتا ہوں۔

بنی نوع انسان کے کل افراد کی شکلیں رحم مادر میں اسی قانون قدرت کے ماتحت بنتی ہیں جو اندر ہی اندر اپنا کام کئے جاتا ہے۔ اس کے باوجود قرآن مجید اس قسم کے افعال بھی خدا کی طرف منسوب کرتا ہوا کہتا ہے هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ط (پ۳ ع۹) (خدا تعالیٰ تمہاری صورتیں تمہاری ماؤں کے رحموں میں جس طرح چاہتا ہے بنا دیتا ہے)۔ کیا آپ کے نزدیک ایسے افعال میں علت العلل کی طرف فعل کا منسوب کرنا صحیح نہیں ہے ؟

پادری صاحب ! بالغ العلوم سے اوپر کی ڈگری حاصل کر کے بھی اگر آپ اس علمی اصول کو نہ سمجھیں یا سمجھنے کے باوجود اعتراض کرتے جائیں تو کہا جائے گا کہ آپ بھی کسی قانونِ قدرت کے ماتحت ایسا کرتے ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ ایسی آیات میں دو باتوں کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے۔

(۱) قدرت تامہ الٰہیہ، جس کے معنی ہیں کہ خدا کو اتنی بڑی طاقت حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو انسان کی سرکشی اور عناد کے باوجود اس کو قوت اور جبر سے ہدایت کر دے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انسانوں کو ان کے افعال اختیاریہ اور نتیجہ پر اطلاع دی جاتی ہے دونوں باتیں فی نفسہٖ اچھی ہیں اور ضد و عداوت سے کام لے کر اعتراض کرنا

Marfat.com

بری بات ہے اس لئے کسی اہل دل شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؂

چوں بشنوی سخن اہلِ دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جا است

میری اس فلسفیانہ تفصیل کی تائید انجیل سے بھی ہوتی ہے جس وقت یسوع مسیح کو گرفتار کرنے کے لئے پولیس تگ و دو کر رہی تھی اس وقت جناب مسیح نے ایک عارفانہ فقرے میں جناب باری کے حضور عرض کی تھی کہ:۔

اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ (موت) مجھ سے گزر جائے تو بھی میری خواہش نہیں بلکہ تیری خواہش کے مطابق ہو (انجیل متی ۲۶: ۳۹)

اللہ اللہ! کیسا عارفانہ کلام ہے۔ مخالفوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جانا تو قانونِ قدرت کے مطابق تھا۔ اسے تسلیم کر کے آپ قدرتِ خداوندی کا واسطہ دیتے ہیں جو قانونِ مجریہ سے بالاتر ہے۔ اس کلام بانظام کے معنی یہ ہیں کہ گرفتاری کے تمام اسباب تو مہیا ہو چکے ہیں تاہم تیری قدرت میں داخل ہے کہ تو مجھے اس مصیبت سے بچا لے۔ اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا

(پ ۔ ع) (مسیح کو اس کے مخالفوں نے ہرگز قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے اس کو اپنی طرف اٹھا کر محفوظ کر لیا) اس کی وجہ بھی بتادی کہ خدا بہت بڑا غالب اور بڑی حکمتوں والا ہے مسیح نے اسی غلبۂ قدرت کے ماتحت درخواست کی تھی جسے حسب بیانِ قرآن خدا نے منظور کر لیا۔

اسی طرح حضرت یوسفؑ کے ساتھ زلیخا کا تعشق قرآن میں مذکور ہے جس کا نتیجہ قرآن نے یہ بتایا کہ اس عورت نے حضرت یوسف کے ساتھ بدکاری کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ موصوف اگر خدائی برہان نہ دیکھ لیتے یعنی نور نبوت ان کے دل میں جلوہ گر نہ ہوتا تو آپ بھی ارادہ کر لیتے۔ مگر انہوں نے تصرف قدرت کے ماتحت برا ارادہ نہیں کیا۔ یہ مثال بتا رہی ہے کہ قوانین قدرت جاری ہو جانے کے بعد خدا تعالیٰ

Marfat.com

میں یہ قدرت کاملہ موجود ہے کہ کوئی واقعہ قانونِ قدرت کے خلاف بھی پیدا کر دے اگر آپ اس کی تفصیل کو منظور نہ کریں تو کل انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی صف لپیٹ دی جائے گی۔ اور حضرت مسیح کی پیدائش کے متعلق انجیل کا یہ فقرہ بھی غلط یا تاویل طلب ہو جائیگا کہ یوسف اور مریم کے اکٹھا ہونے سے پہلے مریم روح القدس سے حاملہ پائی گئی (انجیل متی ۱۸:۱) ناظرین یا ع

اگر اب بھی وہ نہ سمجھے تو اس بت سے خدا سمجھے

باقی رہی جبریہ اور قدریہ کی بحث، سو وہ جانیں اور آپ جانیں۔ ہم کسی خاص فرقہ کے خیالات کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ ہم تو قرآن مجید کی تعلیم کے ذمہ دار ہیں ؎

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

بس آپ کا یہ لکھنا کہ:۔

"قرآن کے مطابق اللہ نے انسان کو خود مختار ہستی کے طور پر خلق نہیں کیا" (ص ۱۶۹)

محکم نہیں تو کیا ہے۔ قرآن مجید صاف کہتا ہے: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (ہم نے انسان کی راہنمائی کر دی ہے اس کے بعد وہ یا شکر گذار ہو گیا یا ناشکرا) نیز فرمایا مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے) اس سے زیادہ آزادی کیا ہوگی۔ آگے چل کر آپ لکھتے ہیں کہ

"اسلام فخر کے ساتھ دعوے کرتا ہے کہ اس کے اصول امور سلطنت کے ساتھ ایسے وابستہ ہیں کہ سلطنت کے ہر شعبے پر تا ابد عائد ہو سکتے ہیں (حالانکہ) حدیث اور شرع اسلام میں مرتد واجب القتل ہے"[1] (ص ۱۶۹-۱۸۰)

مجیب ناظرین پہلے پادری صاحب کی ہوشیاری ملاحظہ کریں کہ ایسے سخت اعتراض کے موقع پر قرآن مجید کی کسی آیت کا حوالہ نہیں دیا بلکہ یونہی کہہ دیا کہ شرع اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے (ص ۱۸۰) اس لئے میں پہلے قرآن مجید سے مرتد کا حال بتاتا ہوں غور

---

[1] پادری صاحب اپنی کتاب (دین فطرت) کے ص۔۔ پر لکھ آئے ہیں کہ اعتراض کی بنا حدیث پر نہیں رکھوں گا۔ اب آپ حدیث ہی پر اعتراض کر رہے ہیں۔ کیا یہ نسیان ہے یا شوخی؟ (مجیب)

Marfat.com

سے سنیئے۔ ارشاد ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَہُمْ وَلَا لِیَہْدِیَہُمْ سَبِیْلًا (پ۔ ع)

(جو لوگ پہلے ایمان لائے پھر کافر ہو کر مرتد ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو کر مرتد ہو گئے پھر کفر میں بڑھ گئے خدا ان کو نہیں بخشے گا اور نہ ان کو نجات کا راستہ دکھائے گا)

یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ بعض لوگ دو دو تین تین دفعہ مرتد ہوئے۔ اگر محض ارتداد کی سزا قتل ہوتی تو پہلے ہی ارتداد کے بعد ان کا خاتمہ کر دیا جاتا۔ دوسرے ارتداد کی نوبت ہی نہ آتی۔ ہمارے اس بیان پر ایک حدیث کی وجہ سے معارضہ ہونا ممکن ہے اس لئے بغرض توضیح مقام ہم خود اس حدیث کو نقل کر کے اس کی تشریح کئے دیتے ہیں۔ جس سے اصل سوال اٹھ جائے گا۔ انشاء اللہ!

حدیث کے الفاظ یہ ہیں من بدل دینہ فاقتلوہ (جو شخص اپنا دین تبدیل کر لے اس کو قتل کر ڈالو) اس کی تشریح کرنا ہمارے ذمے ہے۔ تشریح سے پہلے ہمیں اسلام کی حیثیت سمجھا دینی ضروری ہے۔ پس سنئے!

اسلام کی تعلیم کے دو حصے ہیں ایک تعبدی۔ دوسرا سیاسی۔ تعبدی حصے ہیں نماز روزہ وغیرہ اخلاق فاضلہ داخل ہیں۔ سیاسی حصے میں حکمرانی سے متعلق احکام پائے جاتے ہیں۔ اسلام کو بحیثیت سیاسی مذہب ہونے کے جنگ و جدال بھی کرنا پڑتا ہے جس میں اس امر کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ کوئی شخص جنگ کی حالت میں جماعت المسلمین سے نہ نکل جائے کیونکہ اس حالت میں اس کا نکل جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دشمن سے ساز باز رکھتا ہے پس ایسا شخص جنگی قانون کے ماتحت واجب القتل ٹھہرتا ہے اس تمہید کے بعد ایک اور حدیث سنیئے۔ جو بخاری مسلم کی روایت ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجے کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

المارق لدینہ التارک للجماعۃ (مشکوٰۃ باب القصاص)

المارق اور التارک دونوں لفظ الگ الگ معنی کے لئے ہیں چنانچہ المارق کے معنی ہیں

Marfat.com

اپنے دین سے پھر جانے والا اور التارک للجماعت کے معنی ہیں جماعت المسلمین یا بالفاظ دیگر جماعت المجاہدین کو چھوڑ کر چلا جانے والا۔ جنگی قوموں میں ایسا شخص دشمن کے حکم میں ہوتا ہے۔ پس اس حدیث کی روشنی میں پہلی حدیث کو دیکھیں تو جامع الفاظ یوں ہونگے۔

من بدل دینہ، ای ترک دین الاسلام وخرج عن جماعت المسلمین ای المجاھدین فاقتلوہ۔

پس حدیث مذکورہ کو قرآن کے ساتھ ملا کر دیکھنے سے نتیجہ صاف نکلتا ہے کہ محض ارتداد موجبِ قتل نہیں ہے۔ ارتداد صرف اس حالت میں موجب قتل ہے جب مرتد شخص مسلمانوں کی بدخواہی کرنے کو دشمن کی جماعت میں جا ملے۔ آج فوجی قانون کے ماتحت سپاہی کو معمولی سی بات پر کورٹ مارشل کیا جاتا ہے جو ضرورت کے لحاظ سے حق بجانب ہے۔ پس حدیث زیر بحث میں جنگی قانون مذکور ہے جس پر آج ساری دنیا عمل کر رہی ہے۔ اگر پادری صاحب بھی فوج میں کسی عہدہ پر فائز ہو جائیں تو اس قانون کی تحسین بلکہ تائید کریں۔ یہی معنی ہیں اس مصرع کے ؏

قاضی ار با ما نشیند بر فشاند دست را

پس ایسے جنگی قانون کو سامنے رکھ کر اسلام پر آزادی رائے سلب کرنے کا اعتراض کرنا بے جا ہے کیونکہ ہر نقطہ مکانے دارد۔

اسی جبلتِ اجتماع پسندی کے ضمن میں پادری صاحب نے ایک سرخی یوں لکھی ہے۔

جبلت اجتماع پسندی اور انانیّت

اجتماع پسندی سے مراد جماعتی احکام ہیں اور انانیت سے مراد شخصی احکام۔ مثلاً اسلام میں روزہ شخصی احکام کی قسم سے ہے کیونکہ اس کو دوسرے شخص سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اکیلا ہی رکھ سکتا ہے۔ اسی طرح اکیلے شخص کی نماز انفرادی حیثیت رکھتی ہے اور جماعت کے ساتھ اجتماعی۔ علیٰ ہذا القیاس حج اور زکوٰۃ بھی اجتماعی عبادات ہیں اور سب سے بڑا حکم جس پر جماعت کی ترقی موقوف ہے یعنی جہاد وہ بھی جماعتی ہے

Marfat.com

جس کی شان میں فرمایا ذروۃ سنام الجہاد رشتہ داروں سے ملنا جلنا اور اچھا سلوک کرنا بھی اجتماعی کام ہے۔ ان سب امور کے متعلق قرآن مجید میں ہدایات ملتی ہیں۔ لطف یہ ہے کہ نماز باجماعت جو اجتماعی حالت کا نام ہے اس میں بھی ہر فرد کی جداگانہ حیثیت بحال رہتی ہے۔ کیونکہ جماعت کا ہر فرد رکوع سجود اور تسبیح و تہلیل کرتا ہے۔ پھر نمازیوں کی ہیئت کذائی سے ان کی اجتماعی حیثیت بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ اس اجمالی تمہید کے بعد پادری صاحب کا اعتراض سنئے۔ آپ فرماتے ہیں۔

چونکہ قرآن اور اسلام افراد کو خود مختار، آزاد ذمہ دار ہستیاں تسلیم نہیں کرتے لہذا وہ اس تصور کا گرویدہ نہیں ہو سکتا کہ ہر فرد دیگر افراد کی خدمت کرنے میں ہی اپنی شخصیت کی ترقی اور نشوونما کر سکتا ہے۔ قرآن کے مطابق افراد کی زندگی کا اعلے ترین نصب العین اور بہترین مطمح نظر خلق خدا کی خدمت کرنا نہیں ہے۔ لہذا وہ اخلاقیات کے اس پہلو کو چھوتا نہیں اور اگر چھوتا بھی ہے تو اس پر زور نہیں دیتا۔ جس طرح انجیل دیتی ہے لیکن دینِ فطرت کے لئے لازم ہے کہ وہ جبلت اجتماع پسندی کے تقاضاؤں کو پورا کرے چونکہ قرآن و اسلام اس تقاضا کو پورا کرنے سے قاصر ہیں لہذا اسلام دینِ فطرت کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ مسیحیت کی تعلیم ہی دین فطرت کا جزو ہو سکتی ہے۔" (ص۱۴۵)

یہ تو ہوا قرآن مجید پر حملہ پادری صاحب خاص اپنی تعلیم یہ بتاتے ہیں کہ:۔

کوئی بشر جماعتی تعلقات کے بغیر خدا کی خدمت نہیں کر سکتا (ص۱۴۶)

(متی ۲۵/۳۴ - ایضاً ۱/۴ - لوقا ۱۲/۱۴ - رومیوں ۱۲/۱۸-۱۵ - یوحنا ۳ باب ۱۵ تا ۱۸)

مجیب قرآنی ثبوت دینے سے پہلے ہم پادری صاحب کے ان حوالہ جات کی تحقیق کرتے ہیں جن کی بنا پر آپ نے یہ حکم لگا دیا کہ کوئی بشر جماعتی تعلقات الخ۔ ان حوالہ جات کے اصل الفاظ ترتیب وار یہ ہیں۔

(۱) تب بادشاہ ان سے جواب میں کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تم نے میرے ان

Marfat.com

سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے ایک کے ساتھ کیا تو میرے ساتھ کیا (متی ۲۵/۴۰)

(۲) جو تمہیں قبول کرتا ہے مجھے قبول کرتا ہے اور جو مجھے قبول کرتا ہے اسے جس نے بھیجا ہے قبول کرتا ہے (متی ۱۰/۴۰)

(۳) کوئی نوکر دو خاوندوں کی خدمت نہیں کر سکتا اس لئے کہ یا ایک کی دشمنی کرے گا اور دوسرے کی دوستی کرے گا یا ایک کو ملے گا۔ دوسرے کو ناچیز جانے گا۔ تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے (لوقا ۱۶/۱۳)

(۴) پس جو کوئی انہیں باتوں میں مسیح کی بندگی کرتا ہے خدا کا مقبول اور آدمیوں کا پسندیدہ ہے۔ پس ایسی باتوں کی جن سے صلاح ہو اور ایک دوسرے کی ترقی ہو جائے پیروی کریں۔ (روم ۱۴/۱۸-۱۹)

(۵) ہر ایک جو اپنے بھائی سے دشمنی رکھتا ہے خونی ہے اور تم جانتے ہو کہ کوئی خونی حیات ابدی کو نہیں رکھتا کہ اس میں قائم رہے۔ ہم نے اس سے محبت کو جانا کہ اس نے ہمارے واسطے اپنی جان دے دی اور لازم ہے کہ ہم بھی بھائیوں کے واسطے جان دیویں۔ پر جس کسی کے پاس دنیا کا مال ہو اور وہ اپنے بھائی کو محتاج دیکھے اور اپنے تئیں رحم سے باز رکھے تو خدا کی محبت اس میں کیونکر قائم رہ سکتی ہے۔ اے میرے بچو چاہیئے کہ ہم کلام اور زبان سے نہیں بلکہ کام اور سچائی سے محبت رکھیں۔

(ا یوحنا ۳ باب ۱۵ تا ۱۸)

ناظرین! ان حوالوں کو بغور پڑھیئے اور بتایئے کہ پادری صاحب کا دعوے ان حوالوں سے ثابت ہو سکتا ہے۔ پادری صاحب کے طریق عمل سے ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آئندہ ہم آپ کے پیش کردہ حوالہ جات کی جب تک تفتیش نہ کر لیں قبول نہیں کریں گے، کیوں؟ ؎

نہیں وہ قول کا پکا ہمیشہ قول دے دیکر
جو اس نے ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا تو کیا مارا

اب قرآن مجید کا ارشاد سنئے!

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ

Marfat.com

بِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ
الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ
اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا (پ ۵ ۔ ع)

یعنی اللہ ہی کی عبادت کرو کسی چیز کو اس کا ساجھی نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ قرابت داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ، نزدیکی پڑوسیوں اور دور کے پڑوسیوں کے ساتھ، سفر یا مجلس میں پاس بیٹھنے والوں کے ساتھ اور راہرو مسافروں کے ساتھ اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ احسان و مروت کیا کرو۔ اللہ تعالےٰ مغروروں اور متکبروں سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔

اس مضمون کی آیات قرآن پاک میں بکثرت ہیں۔ اس اخلاقی تعلیم کے علاوہ قومی اجتماعی کاموں کے متعلق جو ہدایت ہے وہ خاص طور پر قابلِ غور ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰۤی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ (پ ۱۸ ۔ ع)

(ایمان داروں کی نشانی یہ ہے کہ جب وہ رسول (یا نائب رسول صدر مجلس یا صدر انجمن) کے ساتھ کسی جامع کام میں مشغول ہوتے ہیں تو اس جگہ سے باہر نہیں نکلتے جب تک رسول (یا اس کے نائب) سے اجازت نہ لے لیں۔

(نوٹ) آج کا زمانہ روشنی، تہذیب اور جمہوریت کا زمانہ کہلاتا ہے۔ اس میں بھی یہ پابندی نہیں ہے۔ میونسپل کمیٹی سے لے کر اسمبلی تک یہ دستور ہے کہ جو ممبر کسی بات پر ذرا سا خفا ہو جائے وہ بغیر اجازت باہر نکل جاتا ہے جس کو واک آؤٹ کر لکتے ہیں۔ یعنی بغرض اظہار ناراضگی مجلس سے باہر نکل جانا۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا جس کا نتیجہ بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ خفا یا ممبروں سے نصاب بھی پورا نہیں رہتا۔ اس لئے بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا ہے۔

قرآن مجید نے اجتماع قومی کو یہاں تک ملحوظ رکھا ہے کہ صدر کی اجازت کے بغیر کوئی ممبر باہر نہیں جا سکتا۔ بایں ہمہ آزادی رائے کا حق سب کو حاصل ہے۔ جس کا ثبوت دربارِ رسالت اور خلافت راشدہ میں کافی ملتا ہے۔ اس کا اظہار مولانا حالی مرحوم نے

Marfat.com

اس شعر میں کیا ہے ؎

غلاموں سے ہو جاتے تھے بند آقا ‌ ‌ ‌ خلیفوں سے لڑتی تھی ایک ایک بڑھیا

ناظرین! ہماری پیش کردہ آیت کو دیکھئے جس میں ہر ایک مفلس محتاج اور اپاہج کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم ہے اسی کی تائید میں یہ حدیث بھی سامنے رکھ لیجئے جس کے الفاظ ہیں۔

الخلق عیال اللہ اقربھم الی اللہ انفعھم لعیالہ (مشکوٰۃ شریف)

اس حدیث کا مضمون مولانا حالی مرحوم نے اس بند میں ادا کیا ہے ؎

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا ‌ ‌ ‌ کہ مخلوق ساری ہے کنبہ خدا کا

وہی دوست ہے خالقِ دو سرا کا ‌ ‌ ‌ خلائق سے ہے جس کو رشتہ ولا کا
محبت

یہی ہے مروت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

ایک طرف اخلاقِ فاضلہ کی یہ تعلیم۔ دوسری طرف پادری صاحب کی یہ ستم ظریفی کہ قرآن کا اعلےٰ ترین نصب العین خلقِ خدا کی خدمت کرنا نہیں ہے (حوالہ مذکور)

سچ ہے ع ‌ ‌ گل است سعدی و در چشم دشمناں خار است

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں "جبلت اجتماع پسندی اور نوع انسان کی کاملیت" اس سرخی کے نیچے آپ یوں گویا ہوئے ہیں۔

اسلام میں بنی نوع انسان کی ترقی ایک موہوم شے ہے جس مذہب نے بنی نوع انسان کو تیرہ سو سال سے خوف و دہشت کی حالت میں رکھ کر ان کے اعضائے رئیسہ کو مضمحل کر دیا ہو۔ کثرتِ ازدواج اور طلاق کو جائز قرار دے کر نوع انسانی کے نصف حصہ کی زندگی کو ہراساں کر رکھا ہو اور دوسرے حصہ کی اخلاقی حالت کو گرا دیا ہو۔ اولاد کے حقوق کی طرف سے لاپرواہی اختیار کر رکھی ہو۔ دنیا کے مصیبت زدوں، مظلوموں اور بے کسوں کو ان کی قسمت پر چھوڑ رکھا ہو۔ دنیا کے قریباً چوبیس کروڑ افراد کو چھوڑ کر باقی ایک ارب اور ستر کروڑ افراد کو کافر یا ذمی کہہ کر ان کو گردن زدنی قرار

Marfat.com

دنیا ہو۔ خیالات کی آزادی جرم عظیم گردانتا ہو اور علوم و فنون کی نشو و نما اور ترقی کی راہ میں حائل ہو۔ غلامی کی قبیح رسم کو جائز قرار دیتا ہو۔ ہر فرد کی زندگی کی قدر اور وقعت کرنے کی بجائے اس کو ایک آزاد خود مختار اخلاقی ہستی بھی تسلیم نہ کرتا ہو۔ غرضیکہ جو مذہب انسانی فطرت کی تمام جبلتوں کے اقتضاؤں کے پورا ہونے میں رکاوٹ کا باعث ہو۔ ایسے مذہب سے کیا امید ہو سکتی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کی ترقی کے اصول کی تلقین کرے یا نوع انسان کو کاملیت کی شاہراہ پر گامزن ہونے میں ممد و معاون ہو سکے۔ مسیحیت ہی ایک ایسا واحد مذہب ہے جس سے نوعِ انسانی کی امیدیں وابستہ ہیں۔ کلمۃ اللہ ہی ایک ایسا یگانہ روزگار استاد ہے جس پر بنی نوع انسان کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں"۔ (رسالہ مذکور صفحہ ۱۸۶، ۱۸۷)

ناظرین! پادری صاحب تو اپنی عادت (تکرار مضمون) میں مجبور ہیں اور ہم اختصار پسندی پر مجبور۔ اس لئے ہم آپ کو تکلیف دیتے ہیں کہ جواب کے لئے کتاب ہذا کے اوراق سابقہ صفحہ ۱۴۶ سے صفحہ ۲۰۹ تک ملاحظہ فرمالیں ؎

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

آگے چل کر پادری صاحب ایک سرخی یوں لکھتے ہیں:۔

"جبلتِ اجتماع پسندی اور ذاتِ الٰہی"

مجیب اس عنوان کے ماتحت بھی آپ نے وہی باتیں لکھی ہیں جو آپ بارہا لکھ چکے ہیں۔ مثلاً قرآن خدا کو بے پروا بتاتا ہے وغیرہ جس کا جواب صفحہ ۔۔ پر ہو چکا ہے۔ البتہ یہ چند الفاظ قابلِ غور ہیں۔

خدا کا تصور جو مسیحیت پیش کرتی ہے۔ وہ جبلت اجتماع پسندی کے تقاضا کے مطابق ہے۔ خدا کی ذات محبت ہے (ایوحنا ۔۔ وغیرہ) چونکہ خدا ازل سے محبت ہے اور چونکہ اس کی ذات میں حدوث کا امکان نہیں۔ لہذا خدا کی ازلی محبت اس

Marfat.com

امر کا تقاضا کرتی ہے کہ خدا کی ذات میں ازل سے محب، محبوب اور محبت کا رشتہ موجود ہو۔ پس مسیحیت خدا کی وحدت میں ثالوث کی قائل ہے۔ یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس خدا کی ذاتِ واحد میں محب۔ محبوب اور محبت کے رشتہ کے طور پر ہیں (متی ۲۸/۱۹ - یوحنا ۱۴/۲۶ - ۱۵/۲۶ وغیرہ) باپ ازل سے بیٹے کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور بیٹا باپ کے ساتھ محبت رکھتا ہے (یوحنا ۱۷/۵ - ۱۷/۲۴ - ۵/۲۰ - متی ۱۱/۲۷ وغیرہ) پس ہم جبلتِ اجتماع پسندی کے ذریعہ جو ہماری سرشت میں موجود ہے خدا کی ذات کا علم حاصل کر سکتے ہیں" (ص ۱۸۸/۱۸۹)

اس اقتباس کا مفصل جواب اوراقِ سابقہ (ص ۶۷ تا ص ۹۰) میں آچکا ہے ناظرین ورق الٹ کر ملاحظہ فرمائیں۔

خدا کی محبت کا ذکر آپ بار بار کرتے ہیں۔ جس پر ہمارا بھی ایمان ہے۔ مگر آپ بائیبل کے ان حوالہ جات پر نظر نہیں کرتے جن میں ذکر ہے کہ مائی حوا کی غلطی کی سزا اس کی کل بنات کو دردِ زہ کی شکل میں ملتی آرہی ہے اور بابا آدم کی غلطی کی سزا تمام فرزندوں بالخصوص کسانوں کو پہنچ رہی ہے (پیدائش باب سوم) یہ کیسی محبت اور کیسا انصاف کیا ہی سچ ہے سے

ذری سی بات پر لے داغ تم ان سے بگڑ بیٹھے
اسی کا نام الفت ہے محبت اس کو کہتے ہیں؟

قرآن کی تصدیق | پادری صاحب نے اس سے پہلے جو کچھ لکھا ہے ناظرین اسے مع جواب پڑھ چکے ہیں۔ یہاں پہنچ کر آپ نے جو کچھ لکھا ہے اسے بھی ہم نقل کر دیتے ہیں تاکہ ناظرین کو گونہ مسرت حاصل ہو۔ پادری صاحب لکھتے ہیں:۔

"اس (ہمارے کلام) کا یہ مطلب نہیں کہ ہم تین خداؤں کے ماننے والے ہیں۔ ہم خدائے واحد کے قائل ہیں (مرقس ۱۲/۲۹ - یوحنا ۱۷/۳ - ۱ کر ۸/۶ وغیرہ) ہم شرک سے متنفر اور بیزار ہیں (خروج ۲۰/۲-۵ - ۱ کر ۸/۴ - اعمال ۱۴/۱۵ - ۱ یوحنا ۵/۲۱ - زبور ۱۱۵/۴-۸ - ہم ان تمام باتوں سے پرہیز کرتے ہیں جن سے شرک کی بو آتی ہے (رومیوں ۱/۲۱-۲۳ - ۱ کر ۱۰/۱۴-۲۱

گھتی ۵ ۱۳، ۱۴۱ وغیرہ) ہم خدا کو اکیلا اور واحد خدا تسلیم کرتے ہیں۔ ہم قرآن کے ہم نوا ہو کر کہتے ہیں کہ "بے شک وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں سے ایک ہے" (مائدہ ۷۷) ہم بھی کہتے ہیں کہ "خدا کی نسبت حق بات بولو اور تین نہ کہو۔ باز آؤ تمہارا بھلا ہوگا۔ اللہ جو ہے وہ تو ایک ہی معبود ہے (نساء ۱۶۹) قرآن کہتا ہے" اللہ کی کوئی جورو نہیں۔ اس کا بیٹا کیونکر ہو گیا" (انعام ۱۰۱) ہم بھی اس پر صاد کرتے ہیں اور المسیح کی ابنیت کے تصور میں سے ہر طرح کے جسمانی اور دنیاوی عناصر کو خارج کر کے سورہ اخلاص کی آیات کو نہایت اخلاص سے پڑھتے ہیں کہ "اللہ نے نہ کسی کو جنا اور نہ وہ خود کسی سے جنا گیا اور اس کے جوڑ کا کوئی نہیں" (آیات ۳ و ۴) ہم خدا کی ذات میں تین ہستیوں کے قائل نہیں۔ خدا ایک واحد ہستی ہے۔ ہم اس کی ہستی میں جمع اور تفریق کو جائز قرار نہیں دیتے کہ کوئی کہے کہ ایک جمع ایک جمع ایک تین ہوئے کیونکہ خدا کی ذات میں اجزا نہیں۔ خدا روح ہے اس کی ذات ان باتوں سے پاک اور منزہ ہے" (۱۸۹/۱۹)

ناظرین! ہم پہلے ص۴۳ پر مفصل بتا چکے ہیں کہ نزولِ قرآن کے وقت عیسائیوں کے دو گروہ تھے جو آج بھی ملتے ہیں۔ ایک گروہ کا عقیدہ تھا کہ باپ بیٹا اور روح القدس تینوں خدا ہیں۔ تین کہنے کے باوجود وہ کہتے تھے کہ خدا ایک ہی ہے۔ دوسرے گروہ کا عقیدہ تھا کہ خدا نے مسیح کا جسم اختیار کیا جیسا کہ پادری صاحب فرماتے ہیں۔

مسیحیت تجسّم کی قائل ہے اور مانتی ہے کہ کلمۃ اللہ خدا مجسم تھا جو ہمارے درمیان رہا (مسیحیت کی عالمگیری ص۹۷)

پادری صاحب نے یہ ہوشیاری کی ہے کہ قرآن مجید میں جو تین خدا کہنے والوں کا رد آیا ہے جس کی مفصل تردید ص۴۳ پر ہو چکی ہے۔ اس میں تو قرآن شریف کے ہمنوا ہو گئے مگر ان کے عقیدے کا رد بالفاظ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے۔ اس کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ اس پر خوب ناک بھوں چڑھایا ہے۔ چنانچہ آپ کے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں۔

Marfat.com

"اگر قرآن شریف کا ان آیات سے یہ مطلب تھا کہ مسیحی عقیدہ پر اعتراض وارد کرے تو اس نے مسیحی عقیدہ کے سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں کی سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ دنیا کے کل مسیحی بغیر کسی استثنا کے ایسے عقیدہ کو مذموم و مطعون گردانتے ہیں۔ کلیسیا ئے جامع خدا کی وحدانیت کی قائل ہے۔ تاریخ کلیسیا اس بات کی شاہد ہے کہ خدا کی توحید کے عقیدہ کو بحال اور مستحکم کرنے کی خاطر نیکا یاہ کی کونسل نے تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث کا عقیدہ واضع کیا تھا۔

اسلام خدا کی وحدت کی تلقین کرتا ہے لیکن جب انسان یہ پوچھتا ہے کہ اس وحدت کا مفہوم کیا ہے تو جواب ملتا ہے کہ وحدت کا مطلب محض وحدت ہے جب انسان اپنی جبلت استفسار سے مجبور ہو کر یہ جاننا چاہتا ہے کہ وحدت محضہ کیا شے ہے۔ کیونکہ وہ اس قسم کی وحدت کو نہ تو عالم شہود میں اور نہ اپنی فطرت اور سرشت میں اور نہ اپنے روحانی تجربات میں پاتا ہے۔ تو قرآن اس کو اپنے رعب اور اختیار سے خاموش کر دیتا ہے (حج ۳۵۔ اخلاص ۱)

(دین فطرت ص ۱۸۹/۱۹۰)

مجیب ! اس اقتباس میں آپ نے بہت بڑا دعوے کیا ہے کہ عیسائی قوم تین خداؤں کی قائل نہیں ہے۔ تثلیث کی مفصل بحث ص ۶۷ سے ص ۷۹ تک ہو چکی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہی مذہب تثلیث کہلاتا ہے اور یہی عقیدہ تمام عیسائیوں میں مقبول ہے اسی لئے پادری عبدالحق صاحب نے اپنے رسالے کا نام "اثبات التثلیث فی التوحید" رکھا ہے۔ ہم خوش ہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ پادری برکت اللہ صاحب نے بھی پادری عبدالحق صاحب کے رسالہ مذکور میں مندرجہ عقیدہ مسترد کر دیا ہے۔ اس کی تردید میں آپ کا یہی نقصہ کافی ہے کہ خدا کی ذات میں اجزا نہیں ہیں۔ حالانکہ پادری عبدالحق صاحب کے مندرجہ ذیل الفاظ کتاب ہذا میں ص ۳۷ پر نقل ہو چکے ہیں۔

کلام مقدس سے یہ معرفت حاصل ہوتی ہے کہ ذات الوہیم میں باپ بیٹا اور

Marfat.com

روح القدس تین اقنوم ہیں متی ۱۸: ۱۹ (رسالہ تثلیث ص۱۶)

اتنا بھی غنیمت ہے کہ پادری برکت اللہ صاحب تثلیث سے نکل کر توحید میں آ گئے ہیں تاہم جو کسر باقی ہے اسے ہم نکال دیتے ہیں۔ آپ نے جو مذہب اختیار کیا ہے وہ آپ کے الفاظ میں یہ ہے:۔

"مسیحیت تجسم کی قائل ہے اور مانتی ہے کہ مسیح کلمۃ اللہ خدائے مجسم تھا۔
(مسیحیت کی عالمگیری ص۹۰)

مجیب اس اقتباس سے صراحتہً معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحب تجسم خدا کے قائل ہیں۔ جس کا رد قرآن شریف نے بالفاظ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ط کیا ہے مگر پادری صاحب کی جرأت ملاحظہ ہو کہ آپ جس بات کا رد کرتے ہیں اسی کے قائل بھی ہیں۔ مثلاً نیکایاہ کے فیصلے کو صحیح سمجھ کر اس کا نام خود تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود کہتے ہیں کہ ہم خدا کی ذات میں اسنا کے قائل نہیں ہیں۔ عیسائیوں کی جس کونسل کا بانی مبانی قسطنطین اعظم تھا۔ اس کا فیصلہ کتاب ہذا میں ص۶ پر مفصل درج ہو چکا ہے جس میں عقیدہ اتھاناسیس منظور ہوا تھا۔ اسی کا نام تثلیث فی التوحید ہے جس کا اقرار آپ اور پادری عبد الحق صاحب بالاتفاق کرتے ہیں مگر آپ اقرار کے ساتھ انکار بھی کئے جاتے ہیں۔ تثلیث فی التوحید ایسا ٹیڑھا مسئلہ ہے کہ خود دیو اور حضرات اس کو مغلق ترین مسئلہ قرار دیتے ہیں۔ کتاب ہذا میں ص۲۲ ملاحظہ ہو۔ تاہم قریب الفہم کرنے کو ہم اس کی مثال دیتے ہیں۔

مثال ایک شخص عبد اللہ نامی اپنی دوکان کا مالک ہے اس کے دو بیٹے دوکان کے کاروبار میں برابر کے شریک ہیں۔ ان تینوں کی کاروباری حیثیت کو ملحوظ رکھ کر لوگ تینوں کو مالک کہتے ہیں اور باپ کے اصل مالک ہونے کے لحاظ سے دوکان کا مالک ایک بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہی معنی ہیں اتھاناسیس کے اس قول کے۔

باپ قادرِ مطلق بیٹا قادرِ مطلق روح القدس قادرِ مطلق تو بھی تین قادرِ مطلق نہیں

Marfat.com

بلکہ ایک قادر مطلق۔ تفصیل کتاب ہذا میں صفحہ ۵۹ پر ملاحظہ ہو۔

اللہ اللہ عیسائی راہنماؤں کے اقوال صریحہ کی موجودگی میں آج ہمارے کان میں آواز آتی ہے کہ قرآن نے مسیحی عقیدہ کو نہیں سمجھا" یاللعجب!

چونکہ پادری صاحب مسئلہ تثلیث کی نفی کرتے ہیں اور تجسم کے قائل ہیں اس لئے ہم ان کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ کتاب ہذا میں بحث تثلیث کو غور سے پڑھیں صفحہ ۶۷ سے صفحہ تک بالتفصیل کی گئی ہے۔ اسی میں عقیدہ تجسم کا رد بھی ہے۔ اس کے علاوہ ہم اس جگہ انجیل کا ایک مقام پیش کرتے ہیں جو آپ کے اور ہمارے درمیان فیصلہ کن ہے سنئے! مسیح فرماتے ہیں

ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وے تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں (یوحنا باب ۱۷۔۱ از بائیبل مطبوعہ ۱۹۱۶ء)

جس وقت مسیح نے یہ فرمایا تھا کہ اس وقت بھی آپ مجسم خدا تھے۔ اگر اس وقت بھی خدا تھے تو آپ کا یہ فرمانا کہ "یسوع کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں" کیا معنی رکھتا ہے یہ اثنینیت (دوئی) کیسی ہے کیا اس مسیحائی ارشاد کا عربی ترجمہ ان الفاظ میں صحیح نہیں ہے۔

لا الٰہ الا اللہ مسیح رسول اللہ

اگر یہ عربی ترجمہ صحیح ہے تو پادری صاحب کے عقیدہ تجسم خدا کی تردید کے لئے اور کس دلیل کی ضرورت ہے (تجسم خدا کی بحث صفحہ پر ملاحظہ ہو)

آگے چل کر پادری صاحب لکھتے ہیں:۔

"اسلام خدا کی وحدت کی تلقین کرتا ہے لیکن جب انسان یہ پوچھتا ہے کہ اس وحدت کا مفہوم کیا ہے تو جواب ملتا ہے کہ وحدت کا مطلب محض وحدت ہے"۔ (صفحہ ۱۹)

مجیب:۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اسلام نے یا علمائے اسلام نے ایسا کہاں کہا ہے ہاں اگر آپ یہ کہیں کہ خدا روح ہے اور اس کی ذات ان باتوں سے پاک اور منزہ ہے (صفحہ ایضاً) تو بے غبار صحیح ہو اور جب قرآن یوں کہے کہ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ تو آپ اس پر اعتراض کریں اور اس کے باوجود سورہ اخلاص کو اخلاص کے ساتھ

Marfat.com

ھنے کا اظہار بھی کریں۔ کیا ہی سچ ہے ؎

ہم جو چپ ہوں تو سڑی کہلائیں　　　شیخ چپ ہو تو توکل ٹھہرے

دری صاحب! یہی سوال اگر مسیحیت پر وارد ہو کہ حسب تعلیم انجیل یوحنا باب خدائے عد کے کیا معنی ہیں؟ یہ وحدت کیسی ہے جنسی ہے یا نوعی یا صنفی؟ تو آپ اس سوال کیا جواب دیں گے۔ جب تک پادری عبدالحق اور پادری سلطان محمد خان سے مشورہ کے جواب دیجئے۔ اور ان سے یہ بھی پوچھئے کہ اپنا گھر شیشے کا بنا کر دوسروں پر پتھر لانے والا کون ہوتا ہے؟

آگے چل کر پادری صاحب نے پھر وہی اعتراض کیا ہے کہ اسلام خدا کو با اختیار لطان کی طرح مانتا ہے اور مسیحیت خدا کو مہربان باپ قرار دیتی ہے۔ ان سب باتوں کا واب پہلے ہو چکا ہے۔ دیکھو صفحہ۔ اس بحث کے آخر میں پادری صاحب نے لکھا ہے کہ:۔

قرآن مجید میں اس تعلیم کی تصریحات بکثرت ملتی ہیں۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:۔

(۱) لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ (پ ع) (تمہاری ذات کے سوا کسی اور کو تکلیف نہیں دی جائے گی)

(۲) عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ (پ ع)

(اے ایمان والو! تم پر اپنی جانوں کی حفاظت لازم ہے جب تم ہدایت یاب ہو گئے تو گمراہ لوگ تم کو ضرر نہ پہنچائیں۔

(۳) لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (پ ع) (کوئی گناہ کا بوجھ اٹھانے والا دوسرے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا)

(۴) لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (پ ع) جو کام کسی نے اچھا کیا ہے اس کا فائدہ اسی کے لئے ہے اور جو برا ہے اس کا نقصان بھی اسی کے لئے ہے۔

پادری صاحب سے یہ آیات اسی طرح مخفی رہی ہیں جس طرح مسیح نے فرمایا ہے کہ ریاکار دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھتا ہے مگر اسے اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا (متی باب)

آگے چل کر آپ لکھتے ہیں: "جبلت تحکم اور جبلت عجز"

Marfat.com

تحکم کے معنی ہیں دباؤ اور عجز کے معنی ہیں عاجزی اور تواضع۔ اس کے متعلق پادری صاحب لکھتے ہیں۔

دین فطرت کا یہ کام ہے کہ تحکم اور خود نمائی کے جذبہ کو حد سے نہ بڑھنے دے (ص ۱۹۶)
پھر لکھتے ہیں کہ

کلمۃ اللہ نے یہ تعلیم دی ہے کہ جو کوئی اپنے آپ کو بڑا بنائے گا وہ چھوٹا کیا جائے گا اور جو چھوٹا بنائے گا وہ بڑا کیا جائے گا (ص ۱۹۶)

یہ بھی صحیح ہے۔ اس کے ساتھ قرآن شریف کی تعلیم بھی آپ نے دیکھی یا سنی ہے۔ سنیئے! قرآن شریف تو ان دونوں باتوں کی جزا سزا بھی ایسی بتاتا ہے جو کسی کتاب نے نہیں بتائی ہوگی۔ بڑائی کا اظہار کرنے والے کا نام متکبر رکھتا ہے اور کہتا ہے

اَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ (پ ۲۴ - ع ۳) (کیا تکبر کا اظہار کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے؟) ضرور ہے۔

نیز تواضع اور عاجزی اختیار کرنے والوں کے حق میں فرماتا ہے:۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا (پ ۲۰ - ع ۹) (آخرت کا یہ گھر ہم ان کو عطا کریں گے جو دنیا میں بلندی و برتری یا فساد کا ارادہ نہیں کرتے)

پادری صاحب اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہیں؟ آگے چل کر ص ۱۹۹ پر لکھتے ہیں کہ:۔

پس مسیحیت تحکم اور خود نمائی کو حد سے بڑھنے نہیں دیتی۔ ہر طرح کے غرور لاف و گزاف کا استیصال کرتی ہے پس مسیحیت دینِ فطرت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

مجیب | بے شک مسیحیت یہ صلاحیت رکھتی اگر اس میں یہ تعلیم نہ ہوتی کہ

بنی اسرائیل ہی انسان ہیں باقی سب لوگ کتے ہیں۔

مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی کتوں کو پھینکی جائے (متی ۱۵: ۲۶)

پادری صاحب اسی ضمن میں قرآن مجید پر حملہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

قرآن کی تعلیم ہے کہ مسلمان اپنے لوگوں کو ہی سلام کریں اور غیر مسلموں کو سلام کرنے

Marfat.com

ہیں پہل نہ کریں (نور ۶۱) لیکن اگر وہ سلام کریں تو ان کے سلام کا جواب دیں۔
(نساء ۸۰) مسلمان مرد عورتوں پر حاکم ہیں (نساء ۳۹) غرضیکہ قرآنی تعلیم
بے جا غرور، فخر اور جھوٹی عزت اور شان کی حمایت کرتی ہے لیکن انجیل جلیل
کی تعلیم اس قسم کے جذبات کے منافی ہے (متی باب ۵: ۴۳ تا ۴۸ (صنہ ۲)

مجیب ہم کہاں تک پادری صاحب کے ظلم اور تحکم کی شکایت کریں۔ آپ قرآن کے ذمے وہ مضامین ٹھہراتے ہیں جو قرآن میں نہیں۔ آپ نے سورہ نور کی آیت ۶۱ کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ (پ ۱۸ ع ۱۵) (جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے ہم جنسوں کو جو وہاں بیٹھے ہوں سلام کہا کرو۔

کے معنی ہم جنس کے بھی آتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا (پ ۲۱ ع ۴) خدا نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں بنائیں) مگر ہم اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ بلکہ ایک اور آیت پیش کر دیتے ہیں جو فیصلہ کن ہے۔ غور سے سنئے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا (پ ۱۸ ع ۸) (اے ایمان والو اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک تم معلوم نہ کر لو کہ جس سے تم ملنا چاہتے ہو وہ گھر میں ہے یا نہیں) اور اہل خانہ پر سلام کیا کرو)

پادری صاحب! میں کبھی آپ کے دولت خانہ میں بغیر سلام کئے جا بیٹھوں تو میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ یہ آیت میرے سامنے پیش کر کے سلام کا تقاضا کریں۔

اے قرآن! اللہ رے تیری شان کہ منکرین تیری جس بات پر اعتراض کریں تو خود ہی اس کا جواب دے دیتا ہے۔

ناظرین! سوامی دیانند کی ستیارتھ پرکاش میں قرآن مجید پر ۱۵۹ اعتراضات درج ہیں اور مہاشہ دھرم پال سابق نو آریہ حال مسلمان کی کتاب "ترک اسلام" میں قرآن مجید

Marfat.com

پر ۱۱۶۔ اعتراضات درج ہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ ان دونوں معترضوں نے باوجود بے راہ روی کے اس قدر تحکم اور ظلم سے کام نہیں لیا۔ جس قدر پادری برکت اللہ صاحب نے لیا ہے۔ ہمیں اس کا افسوس ہے جس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک وجہ یہ کہ آپ مسلمانوں کی اولاد ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ آپ مسیح کی بھیڑوں میں سے ہیں یعنی ایک بے ضرر قوم کے فرد ہیں۔ اس موقع پر ہمیں مولانا حالی مرحوم کی ایک رباعی یاد آگئی ہے جو یہ ہے ؎

حالی راہِ راست جو چلتے ہیں سدا | خطرہ انہیں گرگ کا نہ ڈر شیروں کا
لیکن ان بھیڑیوں سے واجب ہے حذر | بھیڑوں کے لباس میں جو ہیں جلوہ نما

اس سے آگے پادری صاحب نے صـ۲۰۲ پر یہ عجیب سرخی قائم کی ہے۔

"تحکم کی جبلت محمد عربی اور مسیح ناصری" اس سرخی کے ماتحت آپ نے عجیب رنگ دکھائے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اور آپ کے ہمنواؤں نے شان الوہیت اور مرتبۂ رسالت پر غور نہیں کیا۔ پس توجہ سے سنئے۔ ہر فن اور ہر حکومت میں ایک منتہائے کلام ہوتا ہے جہاں پہنچ کر جھگڑا ختم ہوجاتا ہے۔ مثلاً رعیت کے لئے بادشاہ کی ذات منتہائے نزاع ہے اور اس کے مقرر کرنے سے ہائیکورٹ (عدالت عالیہ) منتہائے نزاع ہے۔ یہ ایسی صداقت ہے کہ کسی خردانسان کو اس میں کلام کی گنجائش نہیں ہے۔ اس اصول کو ملحوظ رکھ کر پادری صاحب کی تمہید سنئے۔ آپ لکھتے ہیں کہ:۔

قرآن اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ وہ اللہ کی سطوت اور جبروت کے منوانے پر نہایت غلو اور مبالغہ سے کام لیتا ہے۔

(آل عمران ۲۹-۱۲۶۔ نساء ۶۲۔ مائدہ ۹۳ وغیرہ") (صـ۲۰۲)

مجیب | ان آیات میں صرف ایک ہی حکم ہے کہ اللہ اور رسول کی تابعداری کرو۔ نہ اس میں غلو ہے نہ مبالغہ ہے بلکہ اسی قاعدے کے مطابق اللہ کی ذات اور اس کے بنانے سے رسولِ خدا ہائیکورٹ (عدالت عالیہ) کی حیثیت سے منتہائے کلام ہیں۔ شروع سے کل انبیاء علیہم السلام کی تعلیم یہی چلی آئی۔ حتّٰی کہ خود مسیح نے بھی فرمایا کہ

Marfat.com

میرے حکموں پر عمل کرو (یوحنا ۱۴:۱۵) جناب مسیح کا یہ ارشاد بقول مسیحیاں اگر خدائے مجسم ہونے کی حیثیت سے ہے تو بھی صحیح ہے اگر حیثیت رسالت کے ہے تو بھی صحیح ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ پادری صاحب کو اس پر کیا اعتراض سوجھا ہے۔ ہم کھلے لفظوں میں کہتے ہیں۔ تمام موافق اور مخالف دل کھول کر سن لیں کہ۔

ہم تعلیم قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی ذات کو منتہائے کلام جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا کے بنانے سے ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ ہاں دونوں میں فرق ذاتی اور عرضی کا ہے یعنی خدا اپنی ذاتی حیثیت سے منتہائے کلام ہے اور رسول منصب رسالت کی وجہ سے اسی لئے ہمیں آنحضرتؐ کی اطاعت کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں خود انہی کا قول و فعل کافی سند ہے۔ ہم ان دو ہستیوں کے علاوہ کسی اور کا قول و فعل دلیل اور حجت شرعی نہیں جانتے۔

تعجب بالائے تعجب ہے کہ مسلمانوں کے لئے اللہ اور رسول کا حکم واجب الاطاعت اور موجب نجات ہونا پادری صاحب کو کھٹکا ہے۔ حالانکہ ان کا اپنا مذہب یہ ہے کہ ہر ایک مبلغ مسیحیت کی تصنیفات بلکہ خطوط کو بھی الہامی نوشتے قرار دے کر واجب التعمیل مانتے ہیں۔ اللہ اللہ کس قدر بے انصافی ہے ؎

تمہیں تقصیر اس بت کی جو ہے میری خطا لگتی
اے لوگو! ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی

پس یہ اعتراض کچھ قابلِ توجہ نہیں ہے ہم جس طرح پیغمبر اسلام علیہ السلام کی شخصیت کو تمام امتِ محمدیہ کے لئے اسوہ حسنہ سمجھتے ہیں۔ اسی طرح کل انبیائے کرام کو اپنی اپنی امت کے لئے نمونہ کاملہ جانتے ہیں۔ قرآن مجید اس اصول پر فلسفیانہ رنگ میں تنبیہ کرتا ہوا کہتا ہے۔ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ (پ۱۸-ع۴) (کیا ان لوگوں نے اپنے رسول کے منصب رسالت کو پہچانا نہیں ہے کہ اس سے انکار کر رہے ہیں)

ہم مانتے ہیں کہ قرآن مجید نے خدا کی سطوت اور جبروت منوانے پر بہت زور

Marfat.com

دیا ہے۔ یہاں تک کہ مصنوعی خداؤں کے حق میں فرمایا ہے:۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ ط (پ-ع)

(مسیح کو خدا کا بندہ بننے سے عار نہیں ہے)

انہی معنی میں مولانا حالی مرحوم کا ایک مسدس ہے جو اپنے مضمون میں بالکل صحیح ہے ؎

خرد اور ادراک رنجور ہیں واں | مہ و مہر ادنے سے مزدور ہیں واں
جہاندار مغلوب و مقہور ہیں واں | نبی اور صدیق مجبور ہیں واں

نہ پروا ہے ابرار و احرار کی واں
نہ پرسش ہے احبار و رہبان کی واں

صَدَقَ اللّٰهُ اِ كُلٌّ لَّهٗ قَانِتُوْنَ ط

بے دین منافقوں نے مخلص مسلمانوں کو شبہات میں ڈالنے کے لئے یہ رسم نکالی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب جاکر آپ کے کان سے منہ لگا کر کوئی بات کہہ دیتے جس سے مسلمانوں کو خیال ہوتا کہ لوگ دربار رسالت کے مقربین میں سے ہیں۔ اس لئے حکم نازل ہوا کہ رسول کے کان میں بات کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے لیا کرو۔

اس سے غرض یہ تھی کہ یہ فتنہ مٹ جائے۔ پادری صاحب کو اس پر بھی اعتراض ہے (ص ۲۱۳) پر ہم نے ابھی کہا ہے کہ خدا کے مقرر کر دینے سے رسول کی حیثیت ہائی کورٹ کے چیف جج کی سی ہے پھر اس کا فیصلہ کیوں ناطق نہ ہو اور خاص کر بحیثیت مذہبی پیشوا اور بحیثیت نائب خدا ہونے کے اس کے فیصلے پر چون وچرا کی گنجائش کیوں ہو۔ مگر پادری صاحب کو اس پر بھی اعتراض ہے۔ میں ان اعتراضوں کی قدر کرتا ہوا صرف اتنا کہتا ہوں کہ ع

مجھ میں اک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں

اب سنئے پادری صاحب جناب مسیح کے حق میں لکھتے ہیں کہ

Marfat.com

اس کے برعکس اگر ہم ابن اللہ کی زندگی پر سطحی نظر ڈالیں تو ہم کو معلوم
ہو جائے گا کہ گو آپ حلم اور فروتنی کا نمونہ تھے۔ (متی ۱۱: ۱۹) تاہم آپ
کے حلم اور فروتنی کا یہ مطلب نہ تھا کہ آپ پست ہمت تھے یا آپ اپنی
ذات اور خودداری کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ آپ محسوس کرتے تھے کہ آسمان
و زمین کا کل اختیار مجھے دیا گیا (متی ۲۸: ۱۸) میرے باپ کی طرف سے سب
کچھ مجھے سونپا گیا ہے (متی ۱۱: ۲۷) آپ ہر طرح سے صاحبِ اختیار تھے۔
(یوحنا ۳: ۳۵ ایضاً ۱۳: ۳) یہاں تک آپ نے فرمایا کہ آپ روزِ حشر دنیا کا
انصاف کریں گے لیکن آپ باوجود صاحبِ اختیار ہونے کے پرلے درجے
کے فروتن اور حلیم تھے (متی ۲۰: ۳)

مجیب | ہم نہیں سمجھ سکتے کہ پادری صاحب اس مقابلہ میں کہاں تک کامیاب ہوئے
ہیں اور کہاں تک ناکام۔ ہم سے پوچھیں تو ہم یہ صاف بات کہنے سے نہیں رک سکتے
کہ ہمارا نبی دوسرے انبیائے کرام کی طرح عبدہٗ و رسولہ ہے اسی لئے حضور
بحکم خدا کھلے الفاظ میں اعلان کرتے ہیں :-

قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا (پ ۲۹ ع ۱۲)

(اے پیغمبر! علی الاعلان کہہ دیجئے کہ لوگو! میں تمہارے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا)

مسیح کے حق میں مسیحیوں کے ایسے غالیانہ اقوال سن کر حضور علیہ السلام نے جو ارشاد
فرمایا وہ مولانا حالی مرحوم کے الفاظ میں درج ذیل ہے ؎

نصاریٰ نے جس طرح کھایا ہے دھوکا   کہ سمجھے ہیں عیسیٰ کو بیٹا خدا کا
مجھے تم سمجھنا نہ زنہار ایسا   میری حد سے رتبہ بڑھانا نہ میرا
سب انسان ہیں واں جس طرح سرفگندہ
اسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ

اللہ اللہ کس قدر صاف گوئی اور رشد و ہدایت سے بھرپور کلام ہے کہ اللہ تعالےٰ کی
شانِ الوہیت کے مقابلہ میں اپنی خالص عبودیت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

لطیفہ | خدا کرے کہ کبھی پادری صاحب کا مقابلہ ان غالی مسلمانوں سے ہو جائے جو اپنی محفلوں میں کہتے ہیں ؎

وہی جو مستوی عرش ہے خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

تو ہم بھی ان بہادروں کا مقابلہ دیکھیں۔ اللہ اللہ کس قدر خدا کی اور انبیاء کرام کی توہین ہے، خدا ان سب کو ہدایت کرے آمین!

باقی رہا مسیح کے حلم کا دعویٰ۔ ہمیں اس سے انکار نہیں ہے۔ ہاں اس سے اختلاف ہے کہ آپ اس وصف کو مسیح کی ذات سے مخصوص ٹھیراتے ہیں تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ۔ سنئیے ہم آپ کو قرآن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سناتے ہیں ارشاد ہے:۔

(۱) فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ (پ - ع)

(اے پیغمبر! خدا کے فضل سے تم بڑے نرم دل واقع ہوئے ہیں)

(۲) إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (پ۲۹ - ع)

(اے! تم اعلےٰ اخلاق پر ہو)

پادری صاحب! اگر مزاج سامی کے خلاف نہ ہو تو ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ اپنے مخالفوں کو سانپ اور سانپوں کے بچے (متی ۱۲ : ۳۴) بد اور حرامکار (متی ۱۲ : ۳۹) کہنے والا بھی حلیم ہو سکتا ہے۔ پادری صاحب! کیا مسیح کا یہی حکم دنیا کو دنیا کو دکھاؤ گے۔ جس کے جواب میں مسکین مخاطب کو یہ کہنے کا موقع ملے ؏

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی

اسی ضمن میں پادری صاحب نے لکھا ہے کہ

"ابن اللہ نے اپنے نمونہ سے ہم کو سکھایا ہے کہ ہم کو دوسروں کی خاطر اپنے حقوق سے دستبردار ہو جانا چاہیئے" (ص۲۰۵)

قرآن مجید نے اس کے متعلق جو تعلیم دی ہے وہ اس سے اعلیٰ اور ارفع ہے ارشاد ہے

يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (پ۲۸ - ع)

Marfat.com

کامل مسلمان (انصار کرام) اپنی حاجت کے باوجود دوسروں کو ترجیح دیتے تھے۔

ان دونوں تعلیموں میں جو فرق ہے اس پر غور کیجئے۔

مثال کسی محلے میں دو شخص رہتے تھے ان میں سے ایک نے دوسرے سے بوجہ ناداری کے کچھ قرض لیا۔ پادری صاحب کی منقولہ ہدایت کے مطابق قرض خواہ کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ اپنا حق چھوڑ دے۔ قرآن شریف بھی اس کے متعلق یہی ہدایت فرماتا ہے۔ جیساکہ ارشاد ہے:۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (پ ۳ ع)

(اگر تمہارا مقروض تنگ دست ہو تو فراخی تک اس کو مہلت دیا کرو۔ اگر بنیت صدقہ قرض معاف کر دو تو تمہارے حق میں بہت اچھا ہے)

ان کے علاوہ دو شخص اور ہیں۔ دونوں کو بھوک لگی ہوئی ہے۔ ایک کے پاس روٹی ہے اور دوسرے کے پاس نہیں۔ آپ کی پیش کردہ ہدایت اس موقع پر کیا کہتی ہے۔ کچھ نہیں کہتی بلکہ خاموش ہے۔ قرآنی آیت (وَلَوْ كَانَ) اس روٹی والے کو ترغیب دیتی ہے کہ تم اپنی بھوک کو مغلوب کر کے بھی یہ کھانا دوسرے کو کھلا دو۔ اللہ اللہ! اس تعلیم میں کس قدر رحمت و شفقت دی ہے۔ قرآن کے منکر وا سے

بس تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا

یا چل کے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

آگے چل کر پادری صاحب نے صفحہ ۲۰۸ پر ایک سرخی یوں لکھی ہے:۔

"جبلت حصول واکتساب"

اس سرخی سے مراد یہ ہے کہ انسان میں کسی نہ کسی چیز کو حاصل کرنے کی فطری خواہش پائی جاتی ہے۔ چنانچہ شروع مضمون میں پادری صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

ہر انسان میں اشیاء کو فراہم کرنے اور ذخیرہ جمع کرنے کی اقتضا کسی نہ کسی صورت میں پائی جاتی ہے۔ اکتساب و حصول کی جبلت انسانی فطرت میں داخل ہے (صفحہ ۲۰۸)

Marfat.com

ہمارا بھی اس پر صاد ہے۔ قرآن مجید اس کی تصدیق کرتا ہے۔ ارشاد ہے:۔

اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ (پ - ع) ہر نفس کو حصول مدعا کا لالچ ہے)

آگے چل کر آپ لکھتے ہیں کہ:۔

دین فطرت کا کام ہے کہ اس جبلّت کے رجحان کو کم مایہ اور بے حقیقت اور ادنیٰ اشیاء کی طرف سے ہٹا کر ایسے اعلیٰ ترین مقاصد کو حاصل کرنے کی جانب راغب کرے جس سے انسان کی ذاتی ترقی اور بنی نوع انسان کی بہبودی مقصود ہو (ص ۲۰۹)

اس کو بھی ہم تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے آگے آپ لکھتے ہیں کہ:۔

مسیحیت ہم کو تعلیم دیتی ہے کہ دولت ایک بے مایہ ہیچ ادنیٰ اور بے حقیقت شے ہے اور ہماری زندگی کا یہ نصب العین ہرگز نہیں ہونا چاہیئے کہ ہم اس کے جمع کرنے میں منہمک ہو جائیں۔ جو کوئی اپنے آپ کو دولت مند بناتا ہے وہ نادار ہے اور جو کوئی اپنے آپ کو کنگال بناتا ہے وہ بڑا مالدار ہے (امثال ۱۳ : ۷)۔ (مسیح کا قول ہے کہ) جو لوگ دولت پر بھروسہ رکھتے ہیں ان کے لیئے خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا نہایت مشکل ہے۔ اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو (مرقس ۱۰ : ۲۳) نیز فرمایا کہ اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے ہیں اور چراتے ہیں۔ بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ (ص ۲۱۰-۲۱۱)

ان حوالہ جات پر بنا کر کے پادری صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

سطور بالا سے ظاہر ہے کہ مسیحیت جبلت حصول واکتساب کو ناکارہ نہیں بتاتی یہ ہماری سرشت میں داخل ہے لہذا مسیحیت اس جبلی فطرت کو ضائع نہیں کرتی بلکہ اس جبلت کے رجحان کو زر ومال جیسی بے حقیقت اشیا کے جمع کرنے کی طرف سے ہٹا کر اس کا رخ اعلیٰ مقاصد کی طرف کر دیتی ہے (ص ۲۱۳-۲۱۴)

Marfat.com

تمثیل ہم اس دل خوش کن تعلیم کو ذرا واضح کرنے کے لئے ایک مثال پیش کرتے ہیں مسیحیت ہر شخص کو اجازت دیتی ہے کہ وہ دولت کمائے۔ خواہ بذریعہ علم کمائے یا بذریعہ تجارت۔ خواہ اس کی آمدنی سو نہیں ہزار بلکہ دس ہزار تک پہنچ جائے۔ ایسا کرنا مسیحیت کے خلاف نہیں۔ مگر اس رقم میں سے جتنا اس کی ضرورت سے زائد ہو وہ سارا نیک کاموں میں خرچ کردے۔ اگر رکھے گا تو نجات سے محروم ہو جائے گا۔ اس تشریح کے ہمارے خیال میں اس کی تردید کرنے کی حاجت نہیں۔ کیونکہ دنیا کا ہر ایک گوشہ خصوصاً مسیحی ممالک اس کی عملی تردید کر رہے ہیں۔ اس تعلیم کے پیش نظر ممالک مسیحیہ (یورپ اور امریکہ وغیرہ) کو دیکھا جائے تو ایک شخص بھی ایسا نہ ملے گا جو بادشاہت میں داخل ہو کر نجات کا حقدار ہو سکے۔ ہمارا حسن ظن تو یہاں تک ہے کہ اس تعلیم پر پادری برکت اللہ صاحب اور ان کے احباب کا بھی عمل نہ ہوگا۔ ان کے گھر میں بھی تھوڑا بہت اثاثۃ البیت ضرور ہوگا اور ایسا کرنا عقلمندی کی نشانی ہے۔ پھر کیا پادری صاحب اور ان کی پارٹی پر یہ شعر صادق نہ آئے گا؟

ترک دنیا بمردم آموزند　　　خویشتن سیم و غلہ اندوزند

اس کے بعد پادری صاحب قرآن پر متوجہ ہو کر لکھتے ہیں:-

"قرآن میں ایسی آیات پائی جاتی ہیں جو زر اور دولت کے حصول کو ہیچ اور ادنیٰ بتلاتی ہیں۔ لیکن ایک طرف تو قرآن ان چیزوں کو کم مایہ قرار دیتا ہے۔ دوسری طرف انہی چیزوں کو بہترین مرغبات میں شمار کر کے مال غنیمت وغیرہ کے ذریعہ لوگوں کو جہاد کے لئے ابھارتا ہے (سورہ انفال ا و ۴۲۔ فتح ۱۵)۔ "جو تم لوٹ کے لائے حلال پاک ہے تم کھاؤ" (انفال آیت ۷۰) یوں قرآن اس دنیا کے مال و اسباب (اور مال بھی ایسا جو لوٹ کے ذریعہ حاصل کیا ہو) کی کم مائیگی کے اصول کو خود ہی زائل کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن نے یہ اجازت دے رکھی ہے کہ روپیہ کے ذریعہ لوگوں کے "دل اسلام کی طرف راغب کرنا جائز ہے" (توبہ۔ آیت ۶۰) (ص ۲۱۹/۲۲۰)

مجیب | ہائے تعصب تیرا برا ہو تو کیسے کیسے مدعیانِ علم و فضل سے غلطیاں کراتا ہے قرآن شریف چونکہ ایک با حکمت کتاب ہے جس میں انسانی تمدن کے ہر شعبے کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ علم اقتصادیات (پولیٹیکل اکانومی) آج کمال ترقی پر پہنچ گیا ہے۔ اس علم کے قواعد اساسی کو اسلام خوب ملحوظ رکھتا ہے اور نبھاتا ہے۔ مال کمانے کی ترغیب دیتا ہے، تجارت زراعت، صنعت و حرفت وغیرہ ہر کام کرنے کی اجازت بلکہ حکم دیتا ہے۔ ارشاد ہے:۔ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ (بذریعہ کسب و تجارت اللہ کا فضل تلاش کیا کرو) پھر اس طریق سے جو حاصل ہو اس کے متعلق ہدایت کرتا ہے:۔ اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ (پ ۳۔ ع ۵) (اپنی پاک کمائی میں سے اور ہماری اگائی ہوئی زمینی پیداوار میں سے بھی راہ خدا میں کچھ خرچ کیا کرو) اس کے علاوہ فرمایا اٰتُوْا حَقَّہٗ یَوْمَ حَصَادِہٖ (زمینی پیداوار حاصل کرنے کے دن خدا کا حق بھی ادا کیا کرو۔ یعنی بقدر وسعت غرباء اور مساکین کو بھی دیا کرو) یہاں تک تو انجیل اور قرآن ایک دوسرے کے ساتھ چلتے نظر آتے ہیں۔ اس سے آگے جس مقام پر جدا ہوتے ہیں ہم آپ کو علیحدگی کا وہ کانٹا بھی دکھا دیتے ہیں۔ آپ جو چاہیں راستہ اختیار کر لیں۔ آپ نے انجیل کے حوالے نقل کئے ہیں۔ ان سب کا محض مضمون اس مصرع میں ہے ع

گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

اس کے خلاف قرآن مجید علم اقتصادیات کے اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے فرماتا ہے:۔

لَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْهَا کُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَحْسُوْرًا (پ ۱۵۔ ع ۳)

(خیرات کرتے ہوئے اپنے ہاتھ کو نہ بالکل بند رکھا کرو اور نہ کھلا چھوڑ دیا کرو اگر ایسا کیا تو افسوس اور حسرت کی حالت میں بیٹھے رہو گے)

اللہ اللہ! کس قدر حکیمانہ تعلیم ہے جس سے غربا اور مساکین کی حاجت روائی بھی ہو اور نظام عالم میں بھی خلل نہ آئے برخلاف اس کے کہ خیرات میں سارا مال خرچ کر دیا جائے جس کا

Marfat.com

نتیجہ قرآن نے بتلا دیا کہ تم خود مفلس اور تنگ دست ہو جاؤ گے۔

ایک سوال میں با انصاف ناظرین کے سامنے ایک سوال رکھنا چاہتا ہوں۔ کسی قصبے میں دو ہزار کی آبادی ہے۔ ان میں سے چند اشخاص متمول ہیں جو جائز طور پر اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ ان کے پاس بہت سے مزدور پیشہ لوگ ہیں جو محنت مزدوری کے ذریعہ اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ انجیل میں ان متمول لوگوں کو حکم ہوتا ہے کہ اپنا سارا مال خدا کے راستے میں خرچ کر دو۔ پھر یہ مال جس کے ہاتھ میں جائے گا اس کو بھی یہی حکم ہوگا کہ تم بھی آگے دے ڈالو۔ اس کے بعد جس کے ہاتھ میں جائے گا اس کو بھی یہی حکم ہوگا۔ آخر یہ سلسلہ کہاں جا کر رکے گا۔ ہاں اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلے گا کہ یہ لوگ یا تو مزدور پیشہ میں مل جائیں گے یا کاسہ گدائی ہاتھ میں لے کر کہتے پھریں گے کہ

ہے کوئی داتا جو روٹی کھلا دے

پادری صاحب! تاریخ کلیسا میں آپ کوئی زمانہ ایسا دکھا سکتے ہیں کہ لوگوں نے اس حکم پر عمل کیا ہو۔ اگر نہیں دکھا سکتے تو نتیجہ صاف ہے کہ اس قسم کی تعلیم کاغذوں میں تو سما سکتی ہے عمل میں نہیں آ سکتی۔ اس لئے ایسا مذہب دینِ فطرت نہیں ہو سکتا۔ ہاں قرآن مجید کی تعلیم عمل میں آ سکتی ہے بلکہ کل دنیا کے عمل میں آ رہی ہے۔ اسی لئے قرآن ہی دینِ فطرت ہے۔ قرآن پادری صاحب کو للکار کر کہتا ہے

بس ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج تیرا امتحان پر

پادری صاحب کی تعلّی ملاحظہ ہو۔ آپ لکھتے ہیں کہ:۔

> قرآن جبلّتِ حصول و اکتساب کی قوت کو بے حقیقت اشیا کی طرف سے نہیں ہٹاتا۔ اس کی طاقت کے رجحان کو کسی اور بہتر مقصد اور نصب العین کی طرف نہیں کر سکتا۔ مسیحیت جبلّتِ حصول و اکتساب کے اقتضا کو تسلیم کر کے اس رجحان کو زر جیسی بے حقیقت اشیاء سے ہٹا دیتی ہے اور اس کا رخ اعلیٰ مقاصد کے حاصل

لہ باقی جواب کے لئے ص۲۰۰ ملاحظہ ہو (مجیب)

Marfat.com

کرنے کی جانب لگاتی ہے۔" (دین فطرت ۲۲۱/۲۲۲)

مجیب ہمارا گمان بلکہ یقین ہے کہ جو شخص ایک دفعہ بھی سرسری نظر سے قرآن کا سادہ ترجمہ کسی زبان میں دیکھ لے وہ بھی یقین کرے گا کہ قرآن ہر حکم میں بلکہ ہر کام میں اعلیٰ مقصد (رضاء الٰہی) کی طرف توجہ دلا کر راغب کرتا ہے۔ اسی لئے انفاق کے موقع پر فی سبیل اللہ کا لفظ بار بار فرماتا ہے۔ اس کے علاوہ پادری صاحب کے لئے فیصلہ کن تعلیم ہم صریح الفاظ میں پیش کئے دیتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

(۱) زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ (پ۳ ع۱)

(۲) وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ (پ۳ ع۵)

(۳) مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ ۖ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ ۗ (پ ع)

(۴) وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ (پ۳۰ ع۱۸)

ترجمہ (۱) لوگوں کو فطرۃً بعض چیزوں کی محبت ہے جو ان کو بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً عورتیں، بیٹے، سونے چاندی سے بھرپور خزانے، عمدہ عمدہ گھوڑے، چوپائے اور کھیتیاں یہ تو محض دنیاوی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانا ہے۔

(۲) جو بھی خرچ کرو وہ اللہ تعالےٰ کی رضا جوئی کے لئے کرو۔

(۳) تمہارے پاس جو مال ہے وہ تو ختم ہو جائے گا اور خدا کے پاس سے وہ باقی رہے گا یعنی نیک اعمال کا بدلہ پائیدار ہوگا۔

(۴) اس پر کسی کا احسان نہیں کہ اس کا بدلہ دیا جائے بلکہ وہ اپنے عالیشان پروردگار کی رضا چاہتا ہے اور ضرور اس سے راضی ہو جائے گا۔

پادری صاحب! دیکھئے ان آیات میں انسان کا مقصد اعلےٰ کیسے صاف الفاظ میں

Marfat.com

رضائے الٰہی قرار دیا گیا ہے۔ ہمارا دعوٰے ہے کہ اس وزن کی آیات نہ انجیل میں ہیں نہ دوسرے صحف انبیاء میں۔ باوجود اس کے آپ انکار ہی کئے جائیں تو میں کہوں گا ؎

بس تنگ نہ کر ناصح نادان مجھے اتنا   یا چل کے دکھادے دہن ایسا کمر ایسی

اشتراکیّت اور مسیحیّت

اسی کتاب (دین فطرت) کے خاتمہ پر پادری صاحب نے ایک مضمون بعنوان "اشتراکیت اور مسیحیت" لکھا ہے جو قریباً بیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں آپ نے روس کے معاشی نظام کا ذکر کرکے اس میں کچھ خوبیاں اور کچھ برائیاں بتائی ہیں۔ پھر مسیحیت کو اس کا نعم البدل قرار دیا ہے۔ مگر قرآنی تعلیم پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اس لئے ہمارا فرض نہیں تھا کہ اس کا ذکر کرتے یا جواب دیتے۔ چونکہ پادری صاحب نے اس مضمون میں بھی غلو سے کام لیا ہے اس لئے بغرض اصلاح چند فقرے لکھے جاتے ہیں۔

اشتراکیت کا منشا ہے کہ سب انسانوں میں مساوات ہوجائے۔ اسی لئے وہ سرمایہ داری کا خاتمہ کرکے سرمایہ داروں کو بھی مزدوروں کی سطح پر لے آتے ہیں۔

پادری صاحب اس قسم کی مساوات کو تو اچھا سمجھتے ہیں۔ مگر روسیوں نے جس تشدد اور جبر سے یہ نظام جاری کیا ہے اس کے آپ سخت مخالف ہیں۔ آپ کے نزدیک مساوات محبت پر مبنی ہو تو بہت اچھی چیز ہے۔ مختصر یہ ہے کہ پادری صاحب کے نزدیک مطلوب صحیح ہے۔ مگر ذریعہ طلب میں آپ کو اختلاف ہے۔ اسی لئے آپ کہتے ہیں کہ انسانی مساوات، محبت اور اخوت پر مبنی ہونی چاہیئے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

"خدا کی بادشاہت کے بنیادی اصول یہ ہیں کہ خدا ہمارا باپ ہے جو ہر فرد بشر سے

Marfat.com

ازلی اور ابدی محبت کرتا ہے اور کل بنی نوع انسان بلا لحاظ ذات، مذہب، نسل، رنگ قوم اور ملک وغیرہ ایک دوسرے کے بھائی اور خدا کی بادشاہت کے شریک ہیں۔ اس بادشاہت کے بانی کا ارشاد ہے کہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمان پر ہے اور تم سب بھائی ہو۔ (متی ۲۳/۸)

اس مواخات کی وجہ سے ہر شخص پر یہ فرض عائد کر دیا گیا ہے کہ وہ دوسروں سے اس طرح محبت کرے جس طرح اپنے آپ سے محبت کرتا ہے۔ ہر ایک شخص کو جو خدا کی بادشاہت کا ممبر ہے مساوی حقوق حاصل ہیں پس خدا کی بادشاہت کا اصل الاصول محبت ہے اور اخوت و مساوات اس بادشاہت کے بنیادی اصول ہیں۔ محبت، اخوت اور مساوات کے اصول کا یہ تقاضا ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا جائے جو ہر انسان اپنے لئے چاہتا ہے۔" (ص ۲۲۵)

مجیب بس یہ ہے پادری صاحب کی ساری تحریر کا لب لباب۔ ہمارے تصور میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ سرمایہ داروں کو فنا کر کے دنیا کا انتظام کیسے چل سکتا ہے۔ کیا مسیحیت کی تاریخ میں کوئی زمانہ ایسا آیا ہے کہ اس نے تمدن کے اعلے معراج پر پہنچ کر یہ نمونہ دکھایا ہو۔ مسلمانوں میں اسلامی تعلیم کا صحیح نمونہ خلافت راشدہ کے زمانہ میں ملتا ہے۔ اور عیسائیوں میں بہترین زمانہ جو قابل نمونہ ہے وہ قسطنطنیہ کے مسیحی بادشاہ قسطنطین اعظم کا زمانہ ہے۔ کیا پادری برکت اللہ صاحب یا کوئی اور پادری صاحب ہمیں بتا سکتے ہیں کہ اس زمانہ میں مبنی بر مساوات کا ثبوت ملتا ہے۔ جس سے سرمایہ دار اور مزدور سب برابر ہو گئے ہوں۔ اس کی تھوڑی سی تشریح ہم ص ۲۲۳ پر کر آئے ہیں۔

واقعہ صحیحہ روس نے اشتراکیت کو اپنا دستور العمل بنایا مگر جونہی اس نے اپنی طرز معاشرت میں مساوات کو اپنا اصول قرار دیا۔ مسیحیت وہاں سے رخصت ہوگئی۔ جس کا اعتراف خود مسیحیوں کو بھی ہے۔ یہاں پادری صاحب نے انجیل سے ایک حوالہ پیش کیا ہے جسے ہم گزشتہ صفحات میں نقل کر چکے ہیں۔ یہاں بھی اس کو نقل کرنا خالی از دلچسپی نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

Marfat.com

"ایک دولت مند نے خداوند مسیح کو کہا۔ اے آقا! میں کیا کروں کہ زندگی حاصل کروں" آپ نے جواب دیا "میاں شریعت اور صحائف انبیاء پر عمل کرو" اس نے کہا کہ "ان سب پر میں نے عمل کیا ہے" آپ نے جواب دیا کہ "جا جو کچھ تیرا ہے بیچ کر غریبوں کو دے اور آ کر میرے پیچھے ہولے" اس پر وہ سرمایہ دار سخت برہم ہوگیا۔ کیونکہ یہ بات اس کی طبع پر ناگوار گزری۔

(کتاب مذکور ص ۲۳۱)

ناظرین کرام! یہی دولت مند شخص جو مسیحی ارشاد پر عمل پیرا ہونے سے بے بہرہ رہنے کے باعث نجات سے محروم ہوگیا۔ اگر دربار محمدی میں آکر وہی سوال کرتا جو اس نے مسیح سے کیا تھا تو اسے حکم ہوتا۔

اَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاکُمْ

(خدا کے دیئے ہوئے میں سے کچھ خرچ کر دیا کرو)

یا حضور اس کو فرماتے ہیں کہ ارشاد خداوندی اٰتُوا الزَّکٰوۃَ کے ماتحت خدا کے رستے میں ایک سال گزرنے پر مال کا چالیسواں حصہ دے دیا کرو۔ تو وہ بدنصیب اس حکم پر عمل کر کے خوش نصیب ہو جاتا۔ اور دربار نبوی سے یہ شعر پڑھتا ہوا نکلتا ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسٰی یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(نوٹ) قرآن مجید نے بھی اشتراکیت کے محاسن کو اپنایا ہے مگر اس حد تک نہیں پہنچایا جو فطرتِ انسانی کے خلاف ہو۔ بلکہ انسانی فطرت کے دائرے کے اندر رہ کر۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (پ ۲۶ - ع)

(مالداروں کے مالوں میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں دونوں کا حق ہے جو بصورت زکوٰۃ اور صدقات ان کو ادا کرنا چاہیئے)

اس کی تفصیل ص ۱۸۱ پر ملاحظہ ہو۔ قرآن مجید میں یہ خاص خوبی ہے کہ وہ ہر بات میں انسانی

Marfat.com

فطرت، طاقت اور تحمل کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اسی لئے فرماتا ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا

اسی بنا پر ہم قرآن مجید کو مخاطب کر کے کہتے ہیں ؎

قرآن! کیا جانے تجھ میں کیا ہے کہ لوٹے ہے تجھ پہ جی
یوں اور کیا جہان میں کوئی حسیں نہیں

آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

تمت بالخیر

ذخیرہ
کتب خانہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی، لاہور، پاکستان

Marfat.com

قابل مطالعہ کتابیں

رسالہ نجاتیہ مصنفہ مولانا محمد فاخر زائر رح اس میں قرآن وحدیث
سے ایسے عقاید کا بیان ہے جو ہر مسلمان کے ہوئے ضروری ہیں فارسی مع
اردو قیمت ۱۲ آنے

مجموعہ نورالسنہ (فارسی نظم) یہ دونو رسالے بھی مولانا محمد
فاخر محدث رح کے ہیں (۱) نورالسنہ میں مسائل نماز نبوی بیان کئے ہیں
(۲) قرۃ العینین میں سنیت رفع الیدین کے پر زور دلائل ہیں قیمت ۱۲ آنے

الایقاف مولانا زائر موصوف کے استاد مولانا محمد حیات سندھی رح
تقلید اور عمل بالحدیث کے موضوع پر بہترین رسالہ جس کا ترجمہ مولانا
محمد حسین بٹالوی رح کے شگفتہ قلم سے ہے ابتداء میں مصنف اور مترجم کے
حالات دے دیئے گئے ہیں۔ قیمت صرف ۶ آنے

الاتباع (عربی) آٹھویں صدی ہجری کے علامہ قاضی القضاۃ صدر بن
علی بن محمد ابن العز الحنفی کی علمی مباحث پر مشتمل لطیف تالیف جس میں
انہوں نے اپنے ایک معاصر رسالہ النکت الظریفہ فی ترجیح مذہب الامام
ابی حنفیہ رح پر ناقدانہ تبصرہ فرمایا ہے۔ پہلی دفعہ زیور طبع سے آراستہ
ہوئی ہے۔ قیمت ۱۲ آنے

المکتبۃ السلفیۃ شیش محل روڈ لاہور

Marfat.com

قابل مطالعہ کتابیں

رسالہ نجاتیہ مصنفہ مولانا محمد فاخر زائر رح اس میں قران وحدیث سے ایسے عقاید کا بیان ہے جو ہر مسلمان کے ہونے ضروری ہیں فارسی مع اردو قیمت ۱۲ آنے

مجموعہ نور السنہ (فارسی نظم) یہ دونو رسالے بھی مولانا محمد فاخر محدث رح کے ہیں (۱) نور السنہ میں مسائل نماز نبوی بیان کئے ہیں (۲) قرۃ العینین میں سنیت رفع الیدین کے پر زور دلائل ہیں قیمت ۱۲ آنے

الانصاف مولانا زائر موصوف کے استاد مولانا محمد حیات سندھی رح تقلید اور عمل بالحدیث کے موضوع پر بہترین رسالہ جس کا ترجمہ مولانا محمد حسین بٹالوی رح کے شگفتہ قلم سے ہے ابتداء میں مصنف اور مترجم کے حالات دے دیئے گئے ہیں۔ قیمت صرف ۶ آنے

الاتباع (عربی) آٹھویں صدی ہجری کے علامہ قاضی القضاۃ صدر بن علی بن محمد ابن العز الحنفی کی علمی مباحث پر مشتمل لطیف تالیف جس میں انہوں نے اپنے ایک معاصر رسالہ النکت الظریفہ فی ترجیح مذھب الامام ابی حنیفہ رح پر ناقدانہ تبصرہ فرمایا ہے۔ پہلی دفعہ زیور طبع سے آراستہ ہوئی ہے۔ قیمت ۱۲ آنے

المکتبۃ السلفیۃ شیش محل روڈ۔ لاہور

Marfat.com

پر غور کیجئے۔ مسئلہ جہاد کی تفصیل کتاب ہذا کے گذشتہ صفحات (ص۳۴ اور ص۱۰۵/۱۰۶ وغیرہ) پر ہوچکی ہے۔ اس موقع پر ہم معزز معاصر "ترجمان القرآن" کے الفاظ متعلقہ اسلامی جہاد بطور تائید نقل کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"خلقِ خدا کی اصلاح کرنے اور لوگوں کو تباہی کے راستے سے بچا کر فلاح اور سعادت کے راستے پر لانے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہے کہ حکومت کے بگاڑ کو درست کیا جائے۔ معمولی عقل کا آدمی بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ جہاں لوگوں کو زنا کی آزادی حاصل ہو، وہاں زنا کے خلاف خواہ کتنا ہی وعظ کہا جائے زنا کا بند ہونا محال ہے۔ لیکن اگر حکومت کے اقتیارات پر قبضہ کر کے زبردستی زنا کو بند کر دیا جائے تو لوگ خود حرام کے راستے کو چھوڑ کر حلال کا راستہ اختیار کر لیں گے شراب، جوا، سود، رشوت، فحش تماشے، بے حیائی کے لباس، بداخلاق بنانے والی تعلیم اور ایسی ہی دوسری چیزیں اگر آپ وعظوں سے دور کرنا چاہیں تو کامیابی ناممکن ہے البتہ حکومت کے زور سے یہ سب بلائیں دور کی جاسکتی ہیں۔"

(ترجمان القرآن لاہور خطبات نمبر ص۲۳)

آگے چل کر ص۱۲۵ پر پادری صاحب نے یہ سرخی دی ہے "استفسار کی جہالت" اس سرخی کے نیچے پادری صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ہمیں بے حد صدمہ ہوا۔ اس لئے نہیں کہ قرآن مجید پر بے جا اعتراضات کئے گئے ہیں بلکہ اس لئے کہ پادری صاحب نے رکیک اعتراضات کر کے نہ صرف اپنی قابلیت کو دھبہ لگایا ہے۔ بلکہ اعمال نامہ کو بھی اغلاط سے پر کیا ہے۔ آپ کا یہ فعل ہم نے اس رباعی کے ماتحت پایا ہے ؎

یکے بر سرِ شاخ بن مے برید ‏ ‏ ‏ ‏ خداوندِ بستاں نگاہ کرد و دید

بگفتا کہ ایں شخص بد مے کند ‏ ‏ ‏ ‏ نہ با من کہ با نفسِ خود مے کند

پادری صاحب نے مذکورہ عنوان کے ماتحت بطور تمہید جو کچھ لکھا ہے وہ بالاجمال چند نمبروں میں یہ ہے کہ:۔

Marfat.com

اسلام اور مسیحیت

۱۰۹م

ذخیرہ
میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی • لاہور پاکستان

جناب مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

★

جمعیۃ اہلحدیث • لاہور

Marfat.com